گنبدِ خضرا

اور

اس کے مکین



شیخ الحدیث حضرت علامہ
محمد معراج الاسلام

صبح نور پبلی کیشنز

مَکتَبۃُ قادِریّۃ
داتا دربار مارکیٹ، لاہور 042-3722[illegible]93, 0321-7226193

گنبدِ خضرا

اور

اس کے مکین

مُصنّف

شیخ الحدیث حضرت علامہ

محمد معراج الاسلام



صُبحِ نُور پبلی کیشنز

نام کتاب : گنبدِ خضرا اور اس کے مکین

مصنف : شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد معراج الاسلام

صفحات : 352

ناشر : محمد اعجاز احسن گوندل
صبح نور پبلی کیشنز

اشاعت : جنوری 2018ء

ہدیہ : 400

ملنے کا پتہ

صبح نور پبلی کیشنز

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37350476

سرکلر روڈ بالمقابل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف 0321-4771504
048-6690418

Email: subhenoorpublications@gmail.com

فہرست

ترتیب وتعارف

گنبد خضرا

فردوس بداماں، غیرت مہر و ماہ، جنت نگاہ، قرار روح وراحت جاں، عشرت قلب حزیں، مرکز انوار وتجلیات اور محبط ملائکہ، وہ مقدس و بابرکت اور منور و معظم قطعہ ارضی ہے جس کے یمن ونور اور بخت رسا پہ، عرش اعظم بھی فخر کرتا اور اس کے حسن و جمال کو پیار سے مسکرا کر دیکھتا ہے۔

وہ سبز، اونچا، عالی شان اور باوقار گنبد، جس کا تصور آتے ہی سچے امتی کے دل کی دھڑکنیں تیز اور دیدار کے لئے ترستی آنکھیں شدت جذبات سے لبریز ہو جاتی ہیں۔

وہ روضہ اطہر، جس کے متعلق ہر نیاز مند صاحب دل مسلمان کا نظریہ ہے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور جس مکین کی محبت وعقیدت ہر امتی کی متاع گراں بہا ہے،

در دل مسلم مقام مصطفیٰ ست
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ ست

جو گنبد خضرا اس نرالی آن بان، شان قدسیت، دل کشی اور جمال ورعنائی کے

ساتھ دلوں کی دھڑکن اور سانسوں کی خوشبوؤں میں بسا ہوا ہے، اس کی تعمیر، تاریخ، وہاں پیش آنے والے حالات و واقعات اور ان کے پس منظر سے لوگ اتنے ہی ناواقف و بے خبر ہیں، بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنہیں وہاں کے بارے میں مکمل تفصیلات حاصل ہوں، اس حقیقت کو کم تعجب انگیز نہیں قرار دیا جاسکتا کہ جس مکیں اور مکاں کے ساتھ اس قدر گہری، ذہنی، روحانی اور جذباتی وابستگی ہو، اس کے بارے میں بے خبری و ناواقفی کا یہ عالم ہو!

اس لئے دل نے یہ محسوس کیا کہ اخبار گنبد خضراء کی ترتیب و تدوین اہل دل کی اہم ضرورت ہے جسے انجام دینا سعادت بھی ہے اور رسم محبت کا تقاضا بھی، یہ خیال آتے ہی اس کا بیڑا اٹھانے کا فیصلہ کرلیا، مگر جب ابتدائی خاکہ تیار کیا اور سوچ کے زاویے پھیلے تو معلوم ہوا یہ موضوع اتنا مختصر نہیں، جتنا تصور کیا تھا، بلکہ علمی، تحقیقی اور تاریخی تقاضوں کا گراں بوجھ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، جس سے عہدہ برا ہونا بڑا مشکل اور انتہائی ذمہ داری کا کام ہے۔

دل ناداں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ اس موضوعِ خاص کو مشکل جان کر اس سے پہلوتہی کی جائے اور عشاق کو اس حریم قدس کی تفصیلات سے بے خبر رکھا جائے، اس لئے فیصلہ کرلیا کہ یہ کام کرنا ہے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی محنت کرنا پڑے، چنانچہ اس حسین وجمیل موضوع کے مختلف پہلوؤں پر سوچنا شروع کردیا۔

چنانچہ اول مرحلہ میں جو باتیں ذہن میں آئیں، وہ یہ تھیں کہ گنبد خضراء کے محل وقوع، تعمیر کے تدریجی مراحل اور حصہ لینے والے امراؤ سلاطین اور دیگر اہل محبت و تعلق دار حضرات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی جائیں، وصال نبی

سے پہلے کے زمانہ مرض کے حالات، وصال مبارک اور غسل وتدفین کی تفصیلات پیش کی جائیں، آغوش نبوی میں آرام فرما ہونے کے ناطے حضرت صدیق وفاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی زندگی کے تابناک گوشے، ان کی سیادت، وصال، غسل اور تکفین سے لے کر روضہ اطہر میں تدفین تک کی جزئیات بیان کی جائیں۔

چنانچہ ابتدائی چھ ابواب انہی امور کے لئے وقف کئے جن میں تمام باتیں پوری شرح وتفصیل کے ساتھ آگئی ہیں۔

پہلا باب

پہلا باب گنبد خضراء کے محل وقوع اور اس بقعہ نور پر رونما ہونے والے واقعات کے ذکرِ جمیل پر مشتمل ہے، چونکہ گنبد خضرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک پر تعمیر ہوا، اس لئے اس مقدس حجرہ سے وابستہ چند اہم اور نادر یادیں اس باب کی زینت ہیں۔

دوسرا باب

دوسرے باب میں وصال مبارک سے پانچ روز پہلے کی کیفیات ومصروفیات، اہم واقعات وارشادات اور وصال مبارک کی نادر تفصیلات پیش کی گئی ہیں، انبیائے کرام کس شان سے وصال فرماتے ہیں، اس پر نبوی ارشادات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب

تیسرے باب میں اس قیامت کی عکاسی کی گئی ہے، جو آپ کی جدائی کے تصور سے اہل بیت اور صحابہ کرام پر ٹوٹ پڑی تھی، اس میں غسل وتکفین اور تدفین کا

ذکر بھی ہے، چونکہ غسل وتدفین کے دوران ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت عمل میں آ گئی تھی۔ اس لئے اس فوری بیعت کے اسباب، انتخاب کی وجوہات اور اس وقت پیدا ہو جانے والے ان حالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے، جو بیعت کے متقاضی ہوئے۔

چوتھا باب

چوتھے باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے روابط اور آپ کی دینی وسیاسی مصروفیات کا تذکرہ ہے، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا میراث کے لئے سوال، آپ کا جواب اور سیدہ کی تسلی و رضامندی کی پوری تفصیل ہے، آپ کی عظمت کا تصور دھندلانے کے لئے اسلام دشمن عناصر نے قصہ فدک کا جو حلیہ بگاڑا ہے اور انتہائی بھونڈی اور مکروہ صورت میں پیش کر کے جو مذموم مقاصد حاصل کئے ہیں، ان کے متعلق ہولناک اور حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں، جنہیں جان کر ایمان لرز جاتا ہے، انہیں مقاصد میں اہل بیت کی توہین، اسلامی تحریک پر ناکامی کا الزام اور عصمت نبوت پر ناپاک حملہ بھی شامل ہے، اس باب میں ان ناپاک عزائم ومقاصد کا پردہ چاک کرنے کے ساتھ ساتھ ان بے وزن اور تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور دلائل کا جواب بھی دیا گیا ہے جو آیات قرابت ووراثت ووصیت کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں، باغ فدک کا پورا پس منظر اور اس کے پیچھے کارفرما خطرناک عزائم سمجھنے کے لیے پوری بحث بہت اہم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت فرمالی تھی اور

حضرت خاتون جنت کے وصال کے بعد دوبارہ بیعت کی تجدید فرمائی تھی، اس حقیقت ثابتہ کے حق میں اہم شواہد پیش کئے گئے ہیں، بالجبر بیعت کا جو بے سروپا افسانہ تراشا جاتا ہے عجیب وغریب واقعات کی روشنی میں اس کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے گئے ہیں۔

پانچواں باب

پانچواں باب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت وشان جلالت کے لئے وقف ہے، آپ میں جو حق شناسی اور قدر افزائی کا نورانی جذبہ کارفرما تھا، اس کے باعث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشورے آپ کے نزدیک خاص اہمیت رکھتے تھے، آپ یہ مشورے اور تجویزیں سنتے اور ان کی قدر کرتے، اس اعتراف وقبول، حسن معاملت، پیار ومحبت اور خلوص وقدر شناسی نے ان کے مراسم کو عشق کی منزل تک پہنچایا ہوا تھا، جہاں ایثار وقربانی کے سوا کسی اور جذبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اس جذبہ الفت کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

چھٹا باب

چھٹا باب گنبد خضرا کی تعمیر کے تدریجی مراحل کی تفصیلات پر مشتمل ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جنہیں سب سے پہلے اس انوار فشاں جگہ کی مجاورت نصیب ہوئی اور ایک خادمہ ومتولی کی حیثیت سے روضہ اطہر پر اقامت گزیں اور معتکف رہیں، پھر عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے زمانہ اقتدار میں حسب ضرورت یہاں تعمیر ومرمت کے ساتھ اضافے کئے، اس کے بعد خلفائے

عباسیہ، ملوک مصر اور سلاطین آل عثمان نے بھی اپنی قسمت کے مطابق روضہ اطہر کی خدمات وتعمیرات کی سعادت حاصل کی اور اسے مضبوط، ناقابل تسخیر دھات کی چار دیواری اور سنہری جالی میں محصور کر کے جہاں بیرونی سازشوں کے خطرات سے محفوظ کر دیا، وہاں اپنے لطیف ذوق نظر، حسن عقیدت اور والہانہ عشق و نیاز مندی کا ثبوت بھی دیا۔

ساتواں باب

ساتویں باب کی تفصیلات ایک تاریخی المیے کی دلفگار داستان ہیں۔

اس باب میں ایسے واقعات درج کئے گئے ہیں جو گنبد خضراء کے مکین کی اعجازی شان اور عظمت وفضیلت کو ظاہر کرتے ہیں، یہ واقعات نادر بھی ہیں اور ایمان افروز بھی۔

آٹھواں باب

آٹھویں باب میں زیارت نبوی کے بارے پیدا کردہ شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کا جواب دیا گیا ہے اوران احادیث کی تاریخی پس منظر میں تشریح کی گئی ہے، جنہیں بعض حضرات زیارت نبوی اور گنبد خضرا کی حاضری سے روکنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔

نواں باب

آخری باب میں چند مشہور زائرین گنبد خضراء کی حاضری اور وہاں ان پر طاری ہونے والی کیفیت و بے خودی، سوز و مستی اور بارگاہ نبوی سے انعام پانے اور نوازے جانے کا ذکر ہے، یہ واقعات بڑے ہی حسین اور شوق افروز ہیں، ان

واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اہل دل بارگاہ رسالت میں کتنی نیاز مندی وعقیدت اور محبت وشوق کے ساتھ حاضر ہوتے تھے اور استغاثہ وفریاد کر کے دلی مرادیں پاتے اور رحمت خداوندی سے جھولیاں بھرتے تھے۔

لطف وعنایت ربّانی کا کس زبان سے شکر ادا کروں جس نے قدم قدم پر دستگیری فرمائی اور تائید ونصرت سے نوازا، وہ ہمت واستقامت اسی کریم وقیوم کی عطا کردہ ہے جس کی بدولت، میں یہ مجموعہ پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکا۔

اللہ تعالیٰ نے مکین گنبد خضراء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر رحمت اور فیض جود وکرم کے طفیل جس طرح اس کتاب کی تکمیل کی سعادت ارزانی فرمائی ہے، اسی طرح اسے اپنے بارگاہ میں قبولیت اور اس ناچیز کی مغفرت ونجات کا سبب بھی بنائے۔

آمین، والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و علی الہ و اصحابہٖ اجمعین

محمد معراج الاسلام

۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۹۶ھ

۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء

مکینِ گنبدِ خضراء

سراپائے جمال و نور پر ایک نظر

پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رُخسارے۔ حسنِ مجسم نورِ مبین۔ شانِ کن فیکون کی تجلیٔ اولیں، نور سراپا گلبدن۔ شمشاد قامت "کوتاہ قامتی اور دراز قامتی کے عیب سے پاک" متناسب ومیانہ، بوٹا سا قد، رعنا جیسے نگاہ پرور سروِ سمیں، جو پستہ قد لوگوں میں نمایاں اور طویل قامت لوگوں میں موزوں دکھائی دے [1]۔

دلکشی و رعنائی کا مرقع اور حسن وجمال کا زیبا صورت شاہکار، تمام جسمانی خوبیوں سے متصف وپیراستہ اور ہر نوع کے عیوب و نقائص سے منزہ، حسین وسڈول، نظر افروز باوقار، مہکتا ہوا، بھرا بھرا جسم [2] ہے جس کا نورانی نظارہ جذب وکشش اور تاثر کی گہرائیوں میں لے جائے۔

کشادہ تابناک درخشاں پیشانی، اس پر مسرت کے نور سے چمک اٹھنے والی حسین لکیریں جیسے صبح نور، یا چشمہ آبِ حیات میں اٹھنے والی منور لہریں، یا چاندی کی تاباں لوح پر نورانی تحریریں، یا چودھویں کے چاند کی چھٹکی ہوئی دودھیا چاندنی کی بہتی ہوئی سلسبیلِ نور [3] ہے

ایک دوسرے سے جُدا، گھنے۔ سیاہ۔ خمدار ابروؤں کے درمیان منفرد خاصیت کی حامل۔ اُبھرتی ہوئی رگ پر نور، جس میں جوشِ غضب کے وقت سرخی نمایاں [4] ہے
ہے غضب سے ان کے خدا بچائے جلالِ باری عتاب میں ہے۔

لمبی اور گھنی، خمدار پلکیں، سرمگیں آنکھیں اتنی سیاہ کہ دیکھنے والا سمجھے سرمہ لگایا ہوا ہے۔ شفاف نرگسی، سرشار آنکھوں کی گہرائی میں تیرتے ہوئے، سرخ سرخ ڈورے [6] جو دیکھنے والوں کو بے خود بنا دیں، اور دلوں کی دنیا میں ہلچل مچا دیں، اور محبت کے ٹھہرے ہوئے پُر سکون سمندر میں تلاطم بپا کر دیں۔

نمایاں ابھار کے بغیر بھرے بھرے دمکتے رخسار، اس قدر تاباں اور منور، جیسے آفتاب عالمتاب چہرہ انور کی سُرخ وسپید گلابی رنگت کی تہہ میں گردش کناں اور نور افشاں ہوئے کوئی خوشی کی خبر سُن کر رُوئے زیبا کی یہ کیفیت گویا چاند کا ٹکڑا ہو، اور غصہ کے عالم میں رخساروں میں اس طرح سرخی کی جھلک، گویا اناروں کا رس نچوڑ دیا گیا ہو۔

تیکھی، ستواں اور بلند ناک، رُخ پرنور کی رونق اور بہار، اس پر نور کی شعاع نمایاں اور تجلی ریز، جس سے اچانک دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ بہت اُونچی ہے، مگر غور سے دیکھنے کے بعد اسے رائے بدلنا پڑتی۔ ۹ے

دانت مبارک، قطراتِ باراں کے ساتھ گرنے والے اولوں کی طرح بالکل سفید، بلور کی طرح صاف، شفاف اور موتیوں کی طرح آبدار! ان کے درمیان معلوم سا خلاء، جن کے درمیان سے گفتگو کے وقت، نور کی شعاعیں خارج ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔ مہکتے ہونٹوں پہ ہر وقت تبسّم رقصاں ۱۰ے

داڑھی مبارک گھنی اور سیاہ، جو آخر تک اسی طرح رہی۔ صرف ٹھوڑی اور کنپٹیوں کے بیس اکیس بال سفید ہو گئے تھے، گیسوئے مشکیں، عنبریں اور پیچاک دار، ہلکے گھنگریالے کبھی کم، کبھی دراز ۱۱ے

سینہ مبارک چوڑا، کاندھے پھیلے ہوئے اور پر گوشت، پیٹ مبارک ہموار، بازو گداز، جوڑ بند مضبوط، انگلیاں نرم، لمبی اور طاقت ور، ہتھیلیاں چوڑی، حریر و دیباج سے ملائم، نکہت بیز، ٹھنڈے، توانا ہاتھ، پاؤں کے تلوے نرم اور ان کے درمیان قدرے خلاء، ایڑیاں نازک، پتلی اور پھٹنے سے محفوظ، پنڈلیاں سڈول، پتلی اور گداز ۱۲ے

رفتار میں تیزی اور بے پرواہی جیسے نشیب میں اُتر رہے ہوں، قدم اُٹھانے کا انداز باوقار، جس سے چستی، مضبوطی اور قوتِ طبعی کا اظہار ہوتا تھا۔ چال میں تمکنت اور شاخِ گل کی طرح شانِ اہتزاز، جیسے موجِ صبا کا خرامِ ناز۔ ۱۳ے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی اُمّت میں اس حسنِ مجسم کا یوں تعارف کرایا میرا محبوب نورانی اور خوبصورت دوست، ہزاروں کا سردار ہے۔ زبان اس کے حسن و جمال

کی تعریف سے قاصر ہے، مختصراً یوں سمجھو کہ سیاہ زلفیں، شفاف بلوریں آنکھیں، چمکیلے خوبصورت رخسار، جیسے خوشبو پسینے والی سِل، سر مبارک جیسے الماس، پھول کی پنکھڑیوں کی مانند، مہکتے ہونٹ، سفید ہاتھی دانت کی مثل پیٹ، سونے کے ڈھلے ہوئے بازو، سنگ مرمر کی پنڈلیاں مہ تاب کی طرح دمکتا ہوا جواں چہرہ، اور خوبصورت، شیریں گلا۔ میں تمہیں کیا بتاؤں —

اے ساتھیو! وہ تو بالکل محمدﷺ ہے، میرا پیارا اور میرا محبوب ۱۴ اے

بے حجاب نظارہ کرنے والی خوش نصیب آنکھوں نے، اس حسن کی جلالت و وجاہت کے بارے میں رائے دی، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی:

ایک چاندنی رات میں سرخ دھاری دار حلہ زیب تن فرمائے۔ آپ باہر تشریف لائے۔ بے ابر بھیگی ہوئی رات میں، چاند اپنے پورے شباب پر تھا، مگر جمال نبوی کے سامنے اس کی آب و تاب مدھم پڑ گئی، میں نے موازنہ کیا تو دل نے یہ فیصلہ دیا—— حسنِ حبیب زیادہ تابناک، پرکشش، راحت انگیز اور قرار بخش ہے۔ ۱۵ اے

حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے دو ٹوک فیصلہ دے دیا:

"میں نے اپنے محبوب جیسا کوئی نہیں دیکھا، پہلے نہ بعد میں۔"

کتبِ حوالہ:

اے حضرت انس رضی اللہ عنہ:- لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر = اطول من المربوع واقصر من المشذب لم یکن بالطویل الممغط ولا بالقصیر المتردد وکان ربعة من القوم

۲ے فخما مفخما = ماشممت ریحا قط اطیب من ریح النبی صلی اللہ علیہ وسلم [بخاری ۵۰۳]

۳ے یبرق وجہہ من السرور = اذا سر استنار وجہہ کانہ قطعة قمر [بخاری ۶۳۶]

واسع الجبین = اکان وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل السیف؟ لا بل مثل القمر [بخاری ۵۰۲]

۴ے ازج الحواجب = سوابغ من قرنٍ، بینہما عرق یدرہ الغضب

٥ـ اهدب الاشفار، ادعج العینین، اذا نظرت الیه قلت اکحل العینین ولیس باکحل

٦ـ طویل شق العین، اشکل العینین۔

٧ـ سهل الخدین = ازهر اللون لیس بابیض امهق ولا آدم [بخاری ۵۰۲]

٨ـ المشرب الذی فی بیاضه حمرة [ترمذی ۲۰۵]
یتلالؤ وجهه تلالؤ القمر لیلة البدر، قال ابوهریره ما رایت شیئا احسن من رسول الله علیه وسلم کان الشمس تجری فی وجهه ٨ـ اذا غضب احمر وجهه۔ کان الرمان عصر فی وجنتیه

٩ـ اقنی العرنین، له نور یعلوه یحسبه من لم یتامله اشم

١٠ـ یفتر عن مثل حب الغمام، افلج الثنیتین، اذا تکلم رائی کالنور یخرج من بین ثنایاه = مارایت احدا اکثر تبسما من رسول الله صلی الله علیه وسلم

١١ـ کث اللحیة، قبض ولیس فی راسه ولحیته عشرون شعرة بیضاء انما کان شیئ فی صدغیه [بخاری ۵۰۲] لم یکن بالجعد القطط ولا بالسبط کان جعدا رجلا [ترمذی ۲۰۴]

١٢ـ عریض الصدر، بعید ما بین المنکبین، جلیل المشاش والکتد، سواء البطن والصدر، ضخم الکرادیس، شثن الکفین، رحب الراحة، اطیب رائحة من المسک = اخذت بیده فوضعتها علی وجهی فاذا هی ابرد من الثلج، شائل الاطراف ماست حریرا ولا دیباجا الین من کف النبی صلی الله علیه وسلم خمصان الاخمصین، مسیح القدمین، ینبو عنهما الماء منهوس العقب وکان فی ساقی رسول الله صلی الله علیه وسلم حموشة

١٣ـ مارایت احدا اسرع فی مشیته من رسول الله صلی الله علیه وسلم کانما الارض تطوی له انا لنجهد انفسنا وانه لغیر مکترث۔۔۔ اذا زال زال قلعا یخطو تکفیا ویمشی هونا، ذریع المشیة اذا مشی کانما ینحط من صبب [بخاری - ترمذی - شمائل ترمذی]

١٤ـ توریت، کتاب غزل الغزلات، باب ۵، آیت ۱۰

١٥ـ شمائل ترمذی، ۲۔

شرفِ انتساب

رُوئے زیبا کے مہکتے اُجالوں،
طلعت حسین کی جانفزا، شگفتہ، مظہرِ خلقِ عظیم مسکراہٹوں۔
جمال وکمالِ ظاہر و باطن کی حسین و البیلی قدروں
شرفِ انسانیت کی معراج۔ دلنشیں خصوصیتوں
صورت و سیرت کی پرکشش، سحر طراز، قرار آفریں اور الفت انگیز رعنائیوں،
جمال معنوی کی ادائے دلبری کی محبّت آفریں۔ قرب آیجاد، عشوہ طرازیوں،
جہانِ معنی و ندرتِ خیال کے کوثر و سلسبیل میں غوطہ زن فکر و نظر اور حکمت و فلسفہ
کی ایمان افروز تعبیر و نکتہ آفرینی۔
قوّتِ عمل، ذوقِ تجسس، جہدِ مسلسل، جذبہ تحقیق اور سعی پیہم کی دلربا شان عبقریت
فہم و فراست۔ اکسیر نگہی، وقت و بلوغتِ نظر، بیدار مغزی۔ سیاسی تدبر و شعور
اور تقویٰ آشنا حکمت عملی...... کی باوقار و شوکت آرا، اقدار سے بہرہ ور، ذہن رسا
اور چشم بینا کی سرمایہ صد افتخار، توانا و رعنا پر جلال صلاحیّت کی جلالت و آفاقیت
اور ان سدا بہار عظمتوں
کے نام جو
حسنِ مجسم، مدبرِ اعظم، مفکرِ اسلام عاشقِ صادق رسُول انام
رہبر و فرزانہ، آفتابِ سپہرِ علم مظہرِ خُلقِ عظیم
محدّث پاکستان۔ پیر طریقت منبع رشد و ہدایت پیکر صدق و وفا۔
حضرت ابو الفضل محمّد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے پیکر حسن و نگہت، خزنِ علم و حکمت کے قالب عنبریں
میں لوٹے گل کی طرح ڈھل گئی تھیں۔
اور آپ کے ارشدِ تلامذہ و خلفاء کی صورت میں آج بھی ہر جگہ
عنبر فشاں و فیض رساں ہیں۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۝ الرحمٰن

الرحیم ۝ مالک یوم الدین ۔ ایاک

نعبد وایاک نستعین ۔ اھدنا الصراط

المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

آمین ۝

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

مابین قبری ومنبری
روضۃ من ریاض الجنۃ

گنبدِ خضرا
سے منبر شریف تک
گوشۂ دامانِ باغِ جنت
ہے

پہلا باب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ شریف

حجرات کی تعمیر و رہائش
حجرہ مبارک سے وابستہ یادیں

- عبادت خانہ
- نجی محفلیں
- پیار کی ریتیں
- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے سفارش
- یوم عید
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان جود و سخا
- تین چاند
- باغ جنت



حُجرات کی تعمیر

مدینہ منورہ میں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے مدینہ منورہ کی قسمت ہی بدل ڈالی۔ وہ صرف یثرب اور غیر مشہور ویرانہ تھا۔ مگر آمدِ شاہ سے مہبطِ وحی وسکینہ مرکزِ اصلاح وتبلیغ اور منبع رشد وہدایت بن گیا۔ اس میں رحمتیں اور برکتیں اسطرح سمٹ آئیں جس طرح سعید ونیک بخت روحیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد اکٹھی ہوگئی تھیں۔

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سب سے پہلے اپنے محبوب کے گھر کی نیو رکھی۔ جب مسجدِ نبوی تیار ہوگئی تو اسکے پاس ہی حضرت عائشہ اور حضرت سودا رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے لئے حجرے بنوائے۔ اس وقت تک یہی دونوں خواتین محبوب خدا کی زوجیت کے شرف سے بہرہ یاب ہوئی تھیں۔ اس لئے اور حجرے بنوانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر جیسے جیسے امہات المومنین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے مطابق حجرات کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔

بعد میں جب ترتیب سے حجرے بنے ان میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرۂ مبارک سے بالکل متصل تھا اور یہ دونوں معزز خواتین اپنے اپنے گھروں میں ہوتے ہوئے بھی دروازے پہ کھڑے ہوکر باہم گفتگو کر لیا کرتی تھیں۔ [1]

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ پاک بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے ساتھ تھا۔ دونوں کی دیوار ایک ہی تھی اس میں ایک چھوٹا سا طاق یا شگاف دکھا گیا تھا۔ اس کی یہ سہولت تھی کہ ایک دوسرے کے حالات سے دونوں باخبر رہتیں اور تبادلہ خیالات کے علاوہ زیارت بھی کرتی رہتیں۔ [2]

یہ تمام حجرے کسی دنیادار بادشاہ کی رانیوں کے شبستانوں اور عشرت کدوں

کی طرح الف لیلوی ماحول رکھنے والے اور پر تکلف نہ تھے۔ جہاں آرائش و زیبائش اور زیب و زینت سے محلسرائوں کو عجائب خانے بنا دیا جاتا ہے، بلکہ یہ سرورِ کونین کی مطہر و متدین اور حبِ نبوی سے سرشار، وفاشعار ازواج کے سادہ سے حجرے تھے جہاں عام ضروریات کی ہر چیز بھی موجود نہ تھی۔ پکی اینٹوں کی دیوار، پلستر، پختہ چھت، دالان، نقش و نگار یا برآمدے کا تو وہاں کوئی تصور ہی نہ تھا۔ کچی اینٹوں کے ساتھ بھی تعمیرات میں کوئی اہتمام نہ کیا گیا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں میں ابھی نابالغ ہی تھا اِن بابرکت حجرات و بیوت میں جاتا تو آسانی سے انکی چھتوں کو چھو لیا کرتا تھا۔ [۳]

اِس سے چھتوں کی اُونچائی کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چھتیں بھی بالکل سادہ اور ہر قسم کے تکلف سے پاک تھیں۔ کھجور کے تنے نہ بہتہ اینٹوں پر رکھ کر اوپر کھجور کی چھال ڈال دی گئی تھی اور اسی پر گیلی مٹی کی لپائی کر دی گئی تھی۔ [۴]

اِن حجروں کا طول و عرض بروایت داؤد بن قیس چھ سات ہاتھ تھا۔ [۵]

اور عمران بن ابی انس کا بیان ہے چار حجروں کے آگے پردے کی خاطر کھجور کی چھال کی باڑ سی کھڑی کر دی گئی تھی اور پانچ گھروں کے دروازوں پر بالوں کے ٹاٹ کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ [۶]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دو دروازے تھے۔ [۷]

یہ اس حجرے کی بڑی معنی خیز خصوصیت تھی کیونکہ اِس میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جام وصال نوش فرمانا تھا۔ یہیں پہ نماز جنازہ بصورت درود و سلام پڑھی جانا تھی دلدادگانِ حسنِ رسالت اور دارفتگانِ جمالِ رخِ نبوی نے صلوٰۃ و سلام کی خاطر پروانوں کی طرح اِس میں آنا تھا اور ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکلنا تھا۔ اِس لئے حکمت الٰہی کو پہلے ہی یہ منظور ہوا کہ اِسکے دو دروازے رکھے جائیں تاکہ بادہ عشقِ رسول کے سرمستوں اور دیوانوں کو آمد و رفت میں دقت نہ ہو۔

---

[۳] وفاء الوفا ۳۸۳ ۔ [۴] سیرت حلبی ا: ۴۶۴ ۔ [۵] وفاء الوفا ا: ۳۸۳ ۔
[۶] // ۳۲۸ ۔
[۷] وفاء الوفا ۳۸۴

رہائش

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح مکہ مکرمہ ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ کی عمر شریف اس وقت نہایت ہلکی تھی۔ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں تو آپ کو سخت بخار ہو گیا۔ کچھ افاقہ ہوا تو گھر والوں کو رخصتی کی فکر ہوئی۔ چنانچہ ایک دن پینگ جھول رہی تھیں کہ امی جان نے سر منہ دھو کر تیار کر دیا۔ ۸ے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ اقدس میں جا کر مرضی مبارک معلوم کی آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ اسی روز رخصتی عمل میں آ گئی۔ ۹ے

اس طرح آپ اس تاریخی اور نورانی حجرہ میں تشریف لے آئیں جسے گنبد خضرا کے مکیں کی آخری جلوہ گاہ بننے کی شوکت و سعادت حاصل ہونا تھی۔

حجرۂ مبارک سے وابستہ یادیں

اس حجرۂ مبارک کے ساتھ بہت سی نورانی اور تاریخی یادیں وابستہ ہیں جن کا دلنواز تذکرہ وصلِ حبیب ہی کی طرح سکون بخش، ذوق پرور، یقین افزا، اور باعث برکت و رحمت ہے۔ اہلِ دل ان غیر فانی یادوں ہی سے دلوں کو تسکین دیتے محفلیں سجاتے اور یادوں کے چراغ جلاتے ہیں۔

ذوقِ آرائش ایک فطری جذبہ ہے۔ پھر جب محبوب بھی پاس ہی ہو تو یہ جذبہ بے قرار ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہ کے قلب انور میں اسی قسم کا جذبہ موجزن ہوا۔ اور آپ نے خوبصورت با تصویر پردہ خرید کر اسے گدے کی شکل دے کے اپنے حجرے میں بچھا دیا کہ کونین کا بادشاہ آرام سے جلوہ نشین ہوگا، مگر جب محبوب طلعت بار ہوئے تو انکے رخ زیبا پہ ناگواری اور کراہت کی سلوٹیں ابھر آئیں یہ کیفیت توقع کے بالکل برعکس تھی۔

۸ے بخاری ۵۵۱ ۔ ۹ے وفاء الوفا ۳۲۸

خاتونِ خانہ حضرت عائشہ نے عرض کی "مجھ سے طبیعت مُبارک کے خلاف کیا حرکت سرزد ہوئی ہے"۔

جواب ارشاد فرمایا: اِس گدے کا شانِ نزول کیا ہے؟

عرض کی "سب کچھ حضور کے آرام کی خاطر ہی کیا گیا ہے۔ کہ تشریف فرما ہونگے اور تکیہ لگا کر بیٹھیں گے"

آپ نے فرمایا اے عائشہ! جو لوگ تصویر گر ہیں انہیں روزِ قیامت حکم دیا جائے گا کہ اپنی ان اختراعات میں جان ڈالیں، مزید سنو! جس گھر میں تصاویر ہوں وہاں ملائکۂ رحمت کا گزر نہیں ہوتا۔ تا ۱ے

(۱) عبادت خانہ

یہی حجرہ محبوبِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پُرسکون عبادت گاہ بھی تھا۔ جہاں آپ مالک کے حضور سر بسجود ہو کے قرب و نیاز اور تسبیح و مناجات کے مزے لوٹتے اور طویل ترین نمازیں ادا فرماتے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

آخری ایام میں عادت مُبارکہ یہ تھی کہ آپ نوافل میں پہلے بیٹھ کر قرآن پاک کی قرائت فرماتے رہتے جب تیس چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو قیام فرما کر تلاوت فرماتے اور طویل ترین رکوع و سجود کے ساتھ پہلی رکعت پوری فرماتے۔ دوسری رکعت بھی اسی شان خضوع و انابت کے ساتھ ادا فرماتے۔ پھر اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو فرماتے وگرنہ لیٹ جاتے۔ ۱۱ے

بعض اوقات میں لیٹی ہوتی تو میری ٹانگیں مصلے تک دراز ہو جاتیں آپ جھڑکنے یا ناراض ہونے کی بجائے سجدہ کرتے وقت نہایت نرمی سے ٹانگیں ایک طرف ہٹا دیتے۔ میں ٹانگیں سکیڑ لیتی۔ جب آپ سجدہ فرما لیتے تو پھر دراز کر لیتی۔ ۱۲ے

تا ۱ے بخاری ۱: ۲۸۳ = ۲: ۸۷۷

شب کی اس نماز میں گیارہ رکعات ادا فرمانا روزانہ کا معمول تھا جو بارہ مہینے جاری رہتا۔ رمضان اور غیر رمضان میں اس معمول مبارک میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ گویا یہ تہجد کی نماز تھی جسے آپ نہایت پابندی اور مواظبت کے ساتھ ادا فرماتے تھے ۱۳؎
پہلے آپ چار رکعتیں ادا فرماتے۔ انکی ادائیگی کی شان، حسن اہتمام، طوالت اور خشوع و خضوع کے بارے میں کچھ مت پوچھو! پھر انکے بعد چار رکعتیں اسی اہتمام سے ادا فرماتے۔ ہر سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ چالیس آیات بخوبی پڑھی جا سکتیں۔ پھر آپ کچھ دیر کیلئے آرام فرماتے اس کے بعد وتر ادا فرمانے کیلئے قیام فرما ہوتے۔ مجھے بھی جگاتے۔ چنانچہ میں اٹھ کر وتر کی نماز ادا کرتی۔ ۱۴؎

ایک دفعہ میں نے عرض کی میرے آقا! آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں، پھر اسی طرح اٹھ کر وتر پڑھ لیتے ہیں؟

فرمایا: اے عائشہ! ہمارا دل بیدار رہتا ہے، چاہے آنکھیں بند ہو جائیں۔ ۱۵؎

ذوق عبادت کے یہ قدسی نظارے، قریبی تعلق رکھنے والے حضرات کے مشاہدے میں اکثر آتے رہتے تھے۔ جس وجہ سے یہ خبر بڑے تواتر کے ساتھ پھیل چکی تھی، کہ نیند سے بیدار ہو کر نماز پڑھ لینا اللہ کے نبی کی منفرد خصوصیت ہے کیونکہ خواب و بیداری کی کسی حالت میں بھی ان پر غفلت و بے توجہی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ وہ زندہ و بیدار دل کے ساتھ ہر آن وحی الٰہی کو وصول کرنے کیلئے تیار اور مستعد رہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خواب میں آمدہ وحی پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور اسکو قطعی حکم سمجھا۔

اسی قسم کا ایک مشاہدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔

میں نے اپنی خالہ جان ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں سونے کا پروگرام بنایا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں آرام فرما ہوئے۔ رات کا کچھ حصہ گذرا تھا کہ اٹھے اور مشکیزے سے وضو فرمایا۔ پھر رب کریم کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہو گئے۔

۱۱؎ بخاری، ۱۵۱-۱۵۶- ۱۲؎ بخاری ۷۵ ۱۶۱ ۳-۷۲- ۱۳؎ بخاری ۲۶۹- ۱۵۴- ۱۴؎ بخاری ۳، ۱
۱۵؎ بخاری ۲۶۹

میں بھی اٹھا اسی طرح وضو کیا اور ایک طرف نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شفیق اور مہربان آقا نے مجھے پکڑ کر دائیں طرف کر لیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ سو گئے۔ پھر جب اذان ہوئی تو اسی طرح نماز کیلئے تشریف لے گئے اور جدید وضو نہ فرمایا۔[16]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

حضور محبوب مکرم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں سوئے ہوئے تھے۔ شب کو میں نے محسوس کیا کہ بستر پر نہیں ہیں ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اچانک میرے ہاتھ آپکے مبارک پاؤں پر پڑے۔ اس وقت آپ سجدے میں تھے۔ اور زباں پر یہ دُعا جاری تھی۔

اعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔[17]

رمضان پاک میں اعتکاف فرمانا بھی آپکے معمولات میں داخل تھا۔ چنانچہ مسجد کے اندر اعتکاف کی حالت میں آپ سر مبارک میرے حجرے کے اندر کر دیتے، میں سر مبارک دھوتی اور کنگھا کرتی۔[18]

نجی محفلیں

حقوق زوجیت تمام حقوق سے مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ شریک حیات بیوی رنج و راحت میں رفیق اور غمگسار ہونے کی حیثیت سے اپنے عمر بھر کے ساتھی عزیز ترین خاوند سے وہ باتیں کہہ سکتی اور منوا سکتی ہے جو کسی دوسرے کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتیں۔ یہ بیوی کو عطا کردہ اسلام اور صالح فطرت کے معاشرتی و ازدواجی حقوق ہیں۔

ازواج مطہرات بھی اپنے ان پاکیزہ فطری حقوق سے آگاہ تھیں ادب و احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مطالبات بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا کرتی تھیں اور وہ پیکر رحمت اس بات کا ذرہ برابر برا نہیں مناتے تھے۔

حقوق کی پیشی کا ایک ایسا ہی روز سعید تھا جب حجرے میں تشریف فرما ہو کر میں

[16] بخاری ۱۶ – [17] ترمذی ۱۸۷ – [18] بخاری ۲۸۱ = ۲۷۲

کے گرد ازواج ہالہ بنا کر بیٹھ گئیں اور اپنے مطالبات کی فہرست پڑھنا شروع کر دی محبوب مسکراتے اور محظوظ ہوتے رہے اور انہیں دامن رحمت پر مچلنے کا اور موقعہ فراہم کرتے رہے۔ اچانک عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آواز گونجی آپ کا شانۂ اقدس نبوی ہی کی طرف تشریف لا رہے تھے۔

انکی آواز سننے کی دیر تھی کہ سب پردے کے پیچھے بھاگ گئیں۔ افراتفری اور بھاگ دوڑ کے اس منظر پر محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرائے بغیر نہ رہے۔ عمر فاروق اعظم تشریف لائے تو آپکے لب لعلیں پہ جانفزا تبسم رقصاں تھا۔ شیدائے ادائے نبوت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس دلنواز مسکراہٹ پر قربان ہو گئے اور اس بے پایاں مسرت کی وجہ پوچھی۔

بتایا "تیری آمد سے پہلے یہ خواتین اپنے اپنے مطالبات دہرا رہی تھیں۔ مگر جونہی تمہاری آواز سنی بے اختیار ہو کر بھاگ گئیں۔ مجھے انکی اس حالت پر تعجب ہو رہا ہے کہ تم سے کتنا جھجکتی رہیں۔

فاروق اعظم نے روئے سخن ازواج کی طرف کر کے بلند آواز سے فرمایا

"اے اپنے آپ کی دشمن معزز خواتین! کیا یہ اچنبھے کی بات نہیں کہ آپ مجھ سے جھجکتی ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں جھجکتیں حالانکہ ہمارے آقا اس بات کے زیادہ مستحق ہیں۔

انہوں نے پردے کی اوٹ ہی سے جواب دیا۔

" بے شک ہمیں آپ سے جھجک آتی اور شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ مزاج کے سخت اور تیز طبیعت ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا شفقت و رحمت اور سرچشمۂ انس و مودت ہیں۔ انکے دامن رحمت پہ جتنا ناز کریں، اتنی ہی ناز برداری فرماتے ہیں خفگی سے جھڑکتے نہیں۔ اس لئے ہم اس بارگاہِ لطف و کرم میں بات کہتے ہوئے کوئی تکلف محسوس نہیں کرتیں"۔

اس محفل میں جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہیبت و جلالت کی بات چل نکلی،

توحقائق فطرت سے آگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سربستہ راز سے پردہ اٹھایا اور اپنے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا۔

"تمہاری ہیبت خاص عطائے قدرت ہے۔ اتفاقاً اگر شیطان بھی اس راہ پہ آجائے، جہاں سے تمہارا گزر ہو رہا ہو تو وہ کنی کترا جاتا ہے۔ [19]

یہاں اس نبوی محفل کی غرض و غائت اور اجتماع کی حقیقت سے پردہ اٹھا دینا ضروری ہے کاشانۂ نبوی میں برکات و تجلیات کی نمود، رحمتِ حق کی جلوہ باری تسکین قلب اور ذہنی قرار کی دولت فراواں موجود تھی، جس کے باعث ازواج مطہرات نیم فاقہ کشی اور ظاہری عسرت کے باوجود، اور مطالبات کی پذیرائی نہ ہونے کے باوصف، دامن نبوی کے ساتھ وابستہ رہنے ہی میں عافیت و راحت محسوس کرتی تھیں، اور کبھی تنگ دستی سے پریشان ہو کر ایک لمحہ کیلئے بھی ان کے ذہن میں علیحدگی اور فرقت کا تصور نہیں آیا تھا۔

اس واسطے حجرہ مبارک میں ازواج کا یہ اجتماع اور ان کا تقاضا و مطالبہ، نبوی حیات و معاشرت میں موجود کمال درجے کی سادگی، شانِ فقر و استغنا اور زہد و ریاضت سے دل تنگ ہونے کی وجہ سے نہ تھا۔ کیونکہ صبح و شام دولتِ دنیا ان کی آنکھوں کے سامنے لٹتی تھی۔ میدانِ جہاد سے غنائم و خزائن کے ذخائر آتے۔ مگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تقسیم کر کے ہی گھر میں تشریف لاتے تھے اس لئے انہیں اس حقیقت ثابتہ کا علم ہو چکا تھا، یہ سب کچھ اختیاری ہے دولت دنیا کو گھر میں

لانا ہی گوارا نہیں۔ لہذا وہ اس سادہ زندگی پر مسرور و شاداں اور قانع ہو چکی تھیں اور رضائے حبیب کے سوا انکی اور کوئی تمنا نہ رہی تھی اس لئے یہ مطالبہ شوہر کی محبت و شفقت پر نازاں بیویوں کا مطالبہ تھا، رنجیدہ اور نالاں بیویوں کا نہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ۔

ایک دن آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

---

[19] بخاری ۵۶۵

ہم تم سے ایک بات کہنا چاہتے ہیں، مگر تم اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر عجلت سے جواب دینے کی کوشش نہ کرنا، دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا

"اے محبوب نبی! اپنی ازواج سے فرما دیجئے! اگر تم دنیاوی زندگی کی زیب و زینت کی خواہشمند ہو، تو آؤ میں تمہیں اس سے بہرہ ور کردوں، اور خوبصورتی سے چھوڑ دوں"

کیونکہ دنیاوی آرائش قبول کرنے کے بعد نبی سے کوئی تعلق نہیں رہے گا، حضرت عائشہ نے جذبات سے بھرپور رقت انگیز لہجے میں بڑے ہی پیار و ادب سے جواب دیا۔

"میرے کریم و رحیم آقا! کیا میں اس سلسلہ میں اپنے والدین سے مشورہ کرونگی یہ بھی کوئی پوچھنے اور مشورہ کرنے کی بات ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول پاک کو ہر چیز پر کروڑ بار ترجیح دیتی ہوں۔

باقی ازواج مطہرات نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی رفاقت کو ترجیح دی اور دنیاوی سج دھج کو ٹھکرا دیا۔[20]

(۳) پیار کی ریتیں

ازواج پاک کی نگاہ التفات کا نقطہ ارتکاز، جوش الفت و عقیدت کی قرارگاہ، بے پایاں محبت کی منزل مقصود، اور پر خلوص جذبات عشق و اطاعت کا مرکز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک تھی، محبوب ذات و صفات میں بے نظیر، مرتبہ و مقام میں یکتا و بے مثل اور حسن و جمال میں پیکر رعنائی و زیبائی ہو اور بڑی بات یہ کہ ایک ہو، تو محبت و دوستی کا دم بھرنے والوں اور حقوق کا دعویٰ رکھنے والوں میں رقیبانہ جذبات کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے، چنانچہ یہ جذبات وہاں موجود تھے، مگر مرتبہ و مقام سے فروتر کوئی حرکت نہ ہوتی تھی، کسی وقت تلخ ترش باتیں بھی ہو جاتیں، مگر اسی وقت دل صاف ہو جاتے

کسی کے دل میں گرہ نہ رہتی۔ ایک دن سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہاں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک خادمہ کے ہاتھ پیالے میں کچھ کھانا بھیج دیا۔ حضرت عائشہ جوش رقابت سے سُرخ ہوگئیں، نہ برداشت کر سکیں کہ کوئی دوسری بیوی انکی باری کے دن کوئی چیز بھیجے۔ چنانچہ غصّے میں آکر زور سے ہاتھ مارا، اور پیالہ توڑ دیا۔

حضور علیہ السلام نے انہیں فطری جذبات کے ہاتھوں مجبور جان کر کچھ نہ فرمایا۔ اور شکستہ پیالے میں گرا ہوا کھانا اپنے دستِ مبارک سے ڈال کر رکھدیا۔ پھر عائشہ سے کہا "تو نے عزیب صفیہ کا پیالہ ناحق توڑا ہے اب تمہاری سزا یہ ہے کہ اسے خود رکھو اور اپنا سالم پیالہ اسے دو"، اور حضرت عائشہ نے بخوشی یہ سودا کر لیا۔ کیونکہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا یعنی اپنے محبوب کو سوکن کا کھانا نہیں کھانے دیا تھا۔[۲۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلوص و وفا کی دلکش اداؤں نے انہیں مقرب اور قدآور شخصیت بنا دیا تھا۔ آقا علیہ السلام انکی بڑی قدر فرماتے اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ جس روز آپ کی باری ہوتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس روز فرحت محسوس کرتے، حضرت عائشہ کی ایسی قدر و منزلت سے متاثر ہو کر صرف حضور کی خوشی اور رضا کی خاطر حضرت سودہ رضی اللہ عنہما نے اپنی باری حضرت عائشہ کو ھبہ کر دی تھی۔[۲۲]

ایک روز جبریل امین علیہ السلام بھی عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! حضرت عائشہ کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجئے!

جب حضور نے عائشہ کو بتایا تو فرطِ ادب سے بولیں " وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ حضور کی نگاہِ پاک جن نوامیس کا مشاہدہ کرتی ہے، ہماری نگاہ انکے مشاہدہ سے قاصر ہے،[۲۳]

حضرت عائشہ کی قدر افزائی، اور قرب و حضور دیکھ کر صحابہ کرام بھی اپنے ھدایا اور تحائف انہی کی باری میں پیش کرنے لگے تھے، جس روز حضور نے عائشہ کے گھر رونق بار ہونا ہوتا وہ سوغاتیں اور چیزیں لے کر حاضر ہو جاتے

---

۲۱ بخاری ۳۳۷ - ۲۲ بخاری ۳۷۰
۲۳ بخاری ۵۸۴

یبتغون بذالک مرضات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۴ے

وہ اس طرح اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی و رضا کے طلبگار ہوتے۔

اس صورتحال نے دوسری ازواج کو غیرت و رقابت میں مبتلا کر دیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کھل کر حضرت عائشہ کے مقابلے میں آگئیں۔ حضرت عائشہ نے بھی اپنے ساتھ حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ کو ملا لیا حضرت ام سلمہ کے ساتھ حضرت زینب، حضرت میمونہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت جویریہ ہو گئیں۔ اسی طرح دو گروہوں میں رقیبانہ چشمک کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

دوسرے گروہ نے یہ تجویز پاس کی کہ جس روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ام سلمہ کے گھر جلوہ فرما ہوں، یہ عرض کریں کہ صحابہ کرام کو ہدائت کر دی جائے وہ عائشہ ہی کی باری میں تحفے ارسال نہ کیا کریں۔"

منصوبے کے مطابق حضرت ام سلمہ نے اپنی باری کے دن یہ عرض پیش کر دی مگر حضور نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ بھی کوئی جواب عطا نہ فرمایا۔ جب تیسری دفعہ اپنی باری میں انہوں نے یہی درخواست دہرائی تو آقا علیہ السلام نے فرمایا:

اے ام سلمہ! تم جانتی ہو، عائشہ کے علاوہ کسی بھی بیوی کے بستر میں ہوتا ہوں تو وحی نازل نہیں ہوتی مگر عائشہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اسکے بستر میں بھی نزول وحی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم اس کے خلاف بات کر کے مجھے اذیت نہ دو۔ حضور کی اذیت کا تصور کر کے حضرت ام سلمہ کے اعضا پر لرزہ طاری ہو گیا، اسی وقت گویا ہوئیں۔

اتوب الی اللہ عزوجل من اذاک یا رسول اللہ

(میں توبہ کرتی ہوں اللہ تعالیٰ کے حضور اس بات سے کہ آپکو اذیت پہنچاؤں)

حضرت ام سلمہ تو اس گروہ سے نکل گئیں۔ پھر اصرار کے باوجود بھی انہوں نے مزید عرضداشت کی جرأت نہ کی۔ آخر اس گروہ نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کو اس مقصد کیلئے تیار کیا۔ جب آپ عرض پرداز ہوئیں تو حضور نے اپنی صاحبزادی

۲۴ے بخاری ۳۵۰

سے فرمایا۔ الا تحبین ما احب

"اے فاطمہ! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں۔ جس سے میں محبت کرتا ہوں"
سیدہ زہرہ بتول نے عرض کی! ابا جان کیوں نہیں، اور مزید کچھ عرض کئے بغیر واپس آگئیں۔ آخر حضرت زینب بھری ہوئی شیرنی کی طرح آئیں، اور حضرت عائشہ سے لڑنا شروع کر دیا، محبوب علیہ السلام خاموشی سے حضرت عائشہ کو دیکھتے رہے۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہیں پھر انہوں نے بھی زبان کھولی اور ایسے معقول جواب دیئے کہ حضرت زینب چپ ہو گئیں۔ حضور علیہ السلام محبت کی اس معرکہ آرائی کا یہ انجام دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔

یہ بنت ابی بکر ہے، کوئی معمولی ہستی نہیں پھر اس سے کون ٹکر لے سکتا ہے[۲۶]

(۲) حضرت فاطمہ کے لئے سفارش

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارک میں خواتین عالم کی سردار خاتون جنت حضرت زہرہ بتول رضی اللہ عنہ کی کثرت سے آمد و رفت رہتی تھی ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ خاتون کی ہم سن، نہایت ہنس مکھ اور ملنسار تھیں، اس پر ماں ہونے کا محترم رشتہ بھی ساتھ تھا اس لئے دونوں گھل مل جاتیں اور دکھ سکھ کہہ لیتیں۔

ایک دفعہ کچھ ایسی سلسلہ میں حضرت سیدہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدسی حجرہ مبارک میں رونق افروز ہوئیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما نہیں تھے اس لئے اظہار مدعا کرتے ہوئے جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔

امی جان! پتہ چلا تھا، کچھ کنیزیں آئی ہیں، اس لئے حاضر ہوئی تھی کہ محترم ابا جان سے عرض کر کے ایک کنیز لے لوں، جو گھر یلو کام کاج میں میرا ہاتھ بٹا سکے یہ دیکھئے، چکی پیس پیس کر ہتھیلیوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ اب میں واپس جاتی ہوں، حضور رسالتماب تشریف لے آئیں تو میری درخواست خدمتِ اقدس میں پیش

---
۲۵ بخاری ۳۵۱ ابن سعد ۸ - ۱۷۱ - ۲۶ بخاری ۳۵۱

کر دیں۔

جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تو شفیق ماں اور خاتونِ جنت کی مونس و غمخوار حضرت عائشہ نے سیدہ فاطمہ کی درخواست گوش گزار کر دی۔ اور سفارش کی کہ فاطمہ کو ایک لونڈی ضرور مرحمت فرمائی جائے کیونکہ واقعی اشد ضرورت ہے۔

لختِ جگر کا یہ پیغام سن کر آپ اسی وقت اٹھے اور سیدہ فاطمہ کے حجرے میں تشریف لے آئے، سب حضرات سونے کیلئے لیٹ چکے تھے۔ آپ حضرت علی اور فاطمہ کے درمیان اس طرح بیٹھے کہ پاؤں مبارک علی کے سینے کو چھونے لگے جن کی دلنواز ٹھنڈک نے جناب علی کو بے خود کر دیا۔ فرمایا۔

عزیزہ! تم لونڈی کیلئے گئی تھیں، ٹھیک ہے اس سے تمہیں راحت ملے گی اور آرام نصیب ہوگا۔ لیکن کیا میں تمہیں ایسی دولت نہ دوں جو اس آرام و راحت سے بدرجہا بہتر ہو سنو! تم دونوں سونے سے پہلے تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ وظیفہ تمہیں اس دنیاوی منفعت سے زیادہ فائدہ دے گا۔

کونین کی یہ دولت عطا کر کے واپس تشریف لے آئے اور لونڈی نہ دی[27]۔

(5) یومِ عید

عید کا یوم سعید تھا، حضور نبی پاک علیہ التحیۃ والثنا اسی حجرہ اقدس میں جلوہ آرا تھے، چند چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا کر اور جنگی ترانے گا گا کر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا دل بہلا رہی تھیں، کیونکہ اس وقت آپ کمسن ہی تھیں۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روئے منور دیوار کی طرف تھا، چونکہ یہ رجزیہ ترانے تھے جن میں خلاف شرع کوئی بات نہیں تھی پھر کسی سُر تال کے بغیر گانے والی ننھی ننھی کم عمر بچیاں تھیں، دن بھی عید کا تھا، اس لئے اللہ کے محبوب نبی خاموش تھے اور انہیں کچھ نہیں فرما رہے تھے۔

---

[27] بخاری، ۵۲۵۔ ۳۹ لم: طبقات ۸: ۲۵

اچانک صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ اپنی بیٹی کی طرف گھور کر دیکھا۔ شریعت کے مزاج کے خلاف نہ ہونے کے باوجود یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکے کیونکہ بظاہر کھیل تماشا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت عائشہ کو ڈانٹ کر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے نبی پاک کے حضور میں، تم نے یہ شیطانی آلہ طرب بجانے کی اجازت دے رکھی ہے، یہ کیا نامناسب حرکت ہے؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیق کی طرف رخ انور فرمایا اور کہا

"قوموں کی زندگی میں عید کے دن آتے رہتے ہیں، آج عید کا دن ہے تہذیب و شائستگی کے دائرے میں اور جائز و شرعی حدود کے اندر رہ کر کوئی تفریح کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں، انہیں رہنے دو"

پھر آپ باہم گفتگو میں مشغول ہو گئے، اور حضرت عائشہ نے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے ان بچیوں کو چلے جانے کا اشارہ کر دیا۔

اسی روز حبشی غلام، باہر کھلے صحن میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے، مہربان و مشفق آقا نے عائشہ سے پوچھا، "کیا جنگی مشقیں دیکھو گی؟"

حضرت عائشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

حضور نے کمال شفقت سے انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ حضرت عائشہ نے چادر اوپر لے لی، اور اپنی ٹھوڑی جانِ جہان کے مبارک کاندھے پر رکھ دی اور روئے انور کے ساتھ چہرہ لگا کر جنگی کمالات کا مظاہرہ دیکھنا شروع کر دیا۔ اس شانِ قربت و خصوصی عنائت کے نورانی جھروکے سے مشقیں دیکھیں جب طبیعت سیر ہو گئی تو پیچھے ہٹ گئیں۔

(۶) حضرت عائشہ کی شانِ جود و سخا

حضرت عائشہ کے حجرے نے آپ کی مثالی سخاوت اور داد و دہش کے بھی بے شمار مناظر دیکھے کرم گستری کے ایسے ایسے نادر واقعات پیش آئے، جنہوں نے دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیا۔

۲۸ ے بخاری ۱۳۰۔ ۰۷ لم۔ ۵۵۹

حضرت عروہ بن زبیر، عائشہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ تہیہ کرلیا کہ اپنی خالہ جان کو ایسی فیاضی اور دریا دلی سے باز رکھیں گے، چنانچہ جب حاضر ہوکر حرف مدعا زبان پر لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبع فیاض اور خوئے کرم نوازی پر یہ نصیحت بہت گراں گزری، باوجودیکہ انہیں بہت عزیز اور چہیتے تھے۔ اور آپ ان کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں، مگر سخت کبیدہ خاطر ہوئیں اور حلفیہ کہا "میں قسم اٹھاتی ہوں کہ آئندہ تیرے سامنے کبھی نہیں بولوں گی"۔

عروہ کی دنیا تاریک ہوگئی، ام المومنین جیسی شفیق اور معزز خالہ کی ناراضگی نے انہیں حواس باختہ کردیا، چنانچہ آپ نے منانے کے ہزار جتن کئے مگر سیدہ عائشہ نے بالکل پذیرائی نہ بخشی انہوں نے رشتہ داروں سے سفارش بھی کرائی مگر ان کا جرم حضرت عائشہ کی نگاہ میں اتنا سنگین تھا کہ کسی کی سفارش بھی نہ مانی۔ آخر ان کی خستہ حالی اور تضرع دعاجزی پر قدرت کو رحم آگیا بات یوں بنی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ننھیال کے کچھ لوگ سیدہ عائشہ سے ملنے آئے، انہوں نے عروہ کو سمجھا دیا، جب حضرت عائشہ انہیں باریابی عطا فرمائیں، تو تم بھی چھپ کر ہمارے پیچھے پیچھے حجرہ شریف میں آجانا اور جب ہم باتوں میں مشغول ہوں تو چپکے سے اندر جاکر انکے قدموں پر گر جانا، اور گڑگڑا کر معافی مانگ لینا، آخر خالہ ہیں، دل پسیج جائے گا، اور معاف کردیں گی۔

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، حضرت عائشہ نے فرمایا بولنا تو نہیں تھا، مگر اب تمہاری صورت پہ ترس آگیا ہے۔

حضرت عروہ کی مسرت کا ٹھکانا نہ رہا، آپ نے قسم ٹوٹنے کا کفارہ ادا کرنے کے لئے سیدہ عائشہ کی خدمت میں دس غلام پیش کئے، آپ نے وہ آزاد کردیئے، اس پر بھی طبیعت سیر نہ ہوئی چنانچہ متواتر غلام آزاد کرتی رہیں یہاں تک کہ ان کی تعداد پانچ سو ہوگئی مگر تقوے کا یہ عالم تھا کہ پھر بھی مطمئن نہ تھیں۔ [۲۹]

---

۲۹ بخاری ۹۷۸ - ۳۰ البدایہ والنہایہ ۵: ۳۶۸

(۷) تین چاند

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ ایک شب حیرت انگیز خواب دیکھا کہ تین چاند میری گود میں آ گئے ہیں۔ بڑا عجیب خواب تھا، اپنے والد ماجد سے اس کا تذکرہ کیا، جو سارے عرب میں بہترین معبر کی حیثیت سے مشہور تھے، اور خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کے ماہر تصور کئے جاتے تھے۔

صدیق اکبر نے جواب دیا۔

اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ خلاصۂ کائنات اور افضل الخلائق تین انسان تیرے حجرے میں دفن ہونگے۔ ۳۰؎

(۸) باغ جنّت

یہ وہ مقدس یادیں ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقدس و معلی حجرہ مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں، جو مہکتا ہوا گلستانِ نبوت اور سرسبز و شاداب چمن زارِ رسالت تھا، جہاں انہوں نے اپنی پاکیزہ حیات مبارکہ کی دس بارہ بہاریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حد و نہایت شفقت و محبت کے زیر سایہ گزاریں۔ جہاں باہمی الفت و پیار کے سدا بہار پھول کھلتے رہے۔ اور خلوص و ایثار کی پرخلوص بزمیں سجتی رہیں۔ عشق جنوں ساماں کے ہاتھوں جوش زہانت و عیرت کی بزم آرائیاں بھی دیکھنے میں آتی رہیں اور جود و سخا کے دریا بھی بہتے رہے اور آخر میں یہی حجرہ اس محبوب اعظم و اکرم اور نبی اجمل و اطہر کی آخری آرام گاہ بنا جو اسکی اتنی بڑی اور بے مثال خصوصیت ہے جس پر عرش اعظم بھی رشک کناں ہے اور اسے جھک جھک کے بوسے دیتا ہے۔

غالباً اس حجرے کی اسی عظمت و انفرادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محبوب اکرم علیہ افضل الصلوات والتحیات نے فرمایا تھا۔

مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔

میرے حجرے اور منبر کا درمیانی ٹکڑا باغ جنت ہے

دُوسرا باب

وصال شریف سے پانچ روز پہلے

1. اخبارِ وصال
2. وصال انبیاء کی شان
3. انبیاء کی میراث
   - ا۔ مال دنیا سے نفرت
   - ب۔ دولت کے بارے میں نظریہ
   - ج۔ جود و عطا
   - د۔ عطایاتِ نبوی اور اہلبیت
4. جنت البقیع میں
5. جمعرات سے پیر تک
6. وصایا نبوی
7. سترہ نمازیں
8. وصال مبارک کی تفصیلات

ہجرت کا دسواں سال اپنی تیسری تہائی میں انقلابی تبدیلیاں لے کر آیا،
اس سال رمضان میں محبوب معظم مرشد برحق اور ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے معمول سے زیادہ یعنی بیس روز اعتکاف فرمایا اور جبرئیل امین کے ساتھ
قرآن پاک کا دو بار دور کیا۔

اخبار وصال

اسی سال آپ نے شمع ہدایت و نور کے پروانوں کے ہجوم میں فریضۂ حج ادا کیا۔ بادۂ عرفان کے متوالوں کی سرمستی، اور جادۂ ہدایت کے پُرعزم ساتھیوں کی وارفتگی دیکھ کر آپ کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ حق پرستوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر، اور طول و عرض میں پھیلے ہوئے منور و شگفتہ چہروں کی کہکشاں نے ثابت کر دیا کہ دینِ مبین تکمیلی مراحل طے کر چکا ہے، اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد عظیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ وہ پورا ہو گیا ہے۔

اس روز جمعۃ المبارک تھا اور عرفہ بھی! احرام پوش بندے سادہ اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے سب کی پیشانی اس لئے سیمائے نور بنی ہوئی تھی کہ رسالت کا مہرِ مبین ایک ناقہ پر جلوہ بار تھا۔ اور اپنے جمال ایمان آرا کی تنویروں سے دلوں کو شاد و بامراد اور مستنیر کر رہا تھا۔

اس ساعت سعید اور تاریخی لمحے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام بصد شوکت و جلال یہ مژدۂ جانفزا لیکر نازل ہوئے کہ یہ دین تکمیل کی حدوں کو چھو چکا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا [المائدہ]

"آج مکمل کر دیا میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لئے دین اسلام۔"

اس بشارت نے دلوں کے کنول کھلا دیئے۔ مگر جناب عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بین آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ان کی گہری سوچ کا دھارا ایک اور ہی سمت بہہ نکلا۔ ایک نادیدہ اور انجانی سمت، جسکا تصور ہی ہوش اڑانے اور حواس پراگندہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ جسکا سامنا کرنے کی کسی میں تاب و ہمت نہیں تھی۔ مگر اس وقت میکدۂ عشق کے بادہ نوشوں میں سے صرف جناب عمر رضی اللہ عنہ کا راہوارِ فکر ہی اس رخ پر جا سکا۔

اِس لئے وہی اشکبار ہوئے، اور خوب روئے۔ ان کے جہاندیدہ اور تحلیل و تجزیہ کے ماہر ذہن نے فوراً بھانپ لیا۔ جب دین مکمل ہو گیا تو محبوب کی جدائی کا وقت بھی قریب آگیا ہے۔

پھر انہی دنوں میں سورۃ فتح و نصرت کے نزول نے سنجیدہ و فہمیدہ ذہنوں میں مزید ارتعاش پیدا کر دیا۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح، ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔

[جب اللہ کی فتح و نصرت آگئی اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق شمولیت کرتے دیکھ لیا۔ تو اپنے رب کی حمد کر، اور استغفار کر، بے شک وہ تواب ہے]

فکر و بصیرت سے روشن دماغ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ رحلتِ نبوی کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس ذہن رسا کے مالک لوگوں میں جناب ابوبکر صدیق، جناب عمر فاروق اعظم اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

ان مقتدر اصحاب کے نزدیک یہ مژدۂ تکمیلِ دین، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لقائے الٰہی اور وصالِ ربانی کی اطلاع بھی تھا۔ اس لئے جہاں وہ مسرور و شاد کام ہوئے وہاں ہجر و فراق کی سختیوں کے جانکاہ تصور سے لرزہ براندام اور افسردہ خاطر بھی ہوئے۔

وصالِ انبیاء کی شان

ابتداء ہی میں وصالِ انبیاء کرام کی انفرادی کیفیت اور استثنائی شان کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ وصال شریف کی تفصیلات کے وقت یہ نکتہ پیشِ نظر رہے۔

اللہ کے نبی کے آخری لمحات ایک عام انسان کی موت کی طرح نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی ملک الموت علیہ السلام ان کی مرضی کے خلاف روح قبض فرماتے ہیں۔ بلکہ اللہ کی محبوب مقبول ان مقتدر ہستیوں سے اسے اجازت لینا پڑتی ہے۔ اگر وہ تیار ہو جائیں فبہا، وگرنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ہوتا ہے کہ وہ ان کی مرضی کا احترام کرے۔ مگر ان حضرات کا

۱۔ بخاری، ۵۱۲: ۶۱۵۔ ترمذی، ۲: ۱۸۲

عشق اتنا بے قرار اور شوقِ وصال اتنا شدید ہوتا ہے کہ جب پیغام آجائے تو رد نہیں کرتے، اور بڑی عجلت سے تیار ہو جاتے ہیں۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت ملک الموت حاضر ہوئے پیغمبر رعب و جلال جناب موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ کھینچ مارا، کلیمی ضرب نے آنکھ پھوڑ دی۔ اس ہیئت کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں پہنچے اور عرض کی:

" اے مالک! ایسے شخص کی روح لینے پر مامور فرمایا، جو ابھی مرنا نہیں چاہتا"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! " اے عزرائیل! موسیٰ کے دربار میں دوبارہ جاؤ اور اس سے کہو

" اگر مرنا نہیں چاہتا تو ایک بیل کے جسم پر ہاتھ رکھ دے جتنے بال ہتھیلی کے نیچے آجائیں گے اتنے سال عمر بڑھا دی جائے گی۔"

فرشتے نے آکر ساری تجویز گوش گزار کر دی۔

جناب موسیٰ نے فرمایا، اتنے سال گذار کر پھر کیا ہوگا؟

جواب دیا! پھر موت کا ذائقہ چکھنا ہوگا!

فرمایا! اگر یہ بات ہے تو ابھی روح قبض کر لو۔

ساتھ ہی جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ آپ کو بیت المقدس کے بالکل قریب پہنچا دیا جائے، جہاں صالحین، انبیاء کرام اور نیک لوگوں کی قبریں ہیں ؎۲

اسی سلسلے کی دوسری حدیث ہے:۔

عالمِ ملکوت میں جناب آدم علیہ السلام کے سامنے تمام روحیں نکال کر رکھ دی گئیں۔ ایک روح کی آنکھوں کے مابین آپ نے غیر معمولی چمک اور کشش محسوس کی، پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا: "یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے"، عرض کی: "اس کی عمر کتنی ہے"؟ جواب ملا، ساٹھ سال"، عرض کی: "میری عمر سے چالیس سال اسے دے دیئے جائیں"

کائناتِ ارواح و انوار میں یہ معاہدہ طے پا گیا۔ پھر جناب آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لے آئے آپ کی عمر شریف ایک ہزار سال تھی جب نو سو ساٹھ سال بیتے تو جناب ملک الموت آ گئے۔ آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا، ابھی میری "عمر سے چالیس سال

۲۔ بخاری، ۸۴۹۔

باقی ہیں،، فرشتے نے یاد دلایا، رکہ وہ آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دیئے تھے،،
مگر آپ نہ مانے، عالمِ بالا کی یہ بات آپ کو بھول گئی جس کا اثر آپ کی اولاد میں بھی پایا جاتا ہے[3]
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

لم یقبض نبی حتی یری مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر[4]

نبی کی روح پاک قبض نہیں کی جاتی، یہاں تک کہ جنت کی جگہ پہلے دکھادی جاتی ہے پھر اختیار دیا جاتا ہے۔ (کہ جہاں چاہے رہ لے)

یہ حقائق ثابتہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کی شانِ وصال اور ایک لمحہ کے لئے طاری ہونیوالی موت عام نوعیت کی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ بڑے ناز کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی کے پاس جاتے ہیں، اور اس کے لئے ان کو قدرت کاملہ کی طرف سے پورے اختیارات مفوض ہوتے ہیں، وہ انہیں استعمال کرتے ہیں، اور ملک الموت کو اجازت دے کر عالم قدس کی طرف پرواز فرماتے ہیں۔

انبیاء کی میراث

کسی کی موت کے بعد اس کی میراث اور اس کی تقسیم کا مسئلہ بہت نازک اور اہم ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کا ذکر کرنا ہے، اس لئے انبیاء کرام کی شانِ وصال کی انفرادیت بیان کرنے کے بعد مناسب ہے کہ انبیاء کی میراث ان کی اصل دولت اور حقیقی ثروت کی بھی وضاحت کر دی جائے: تاکہ علم و بصیرت کی روشنی میں یہ معلوم ہو سکے، کہ نبی اور رسول ہونے کے ناطے آپ نے کیا چھوڑا، اور یہ کہ جو کچھ چھوڑا وہی چھوڑنا چاہیئے تھا، اسی میں آپ کی پیغمبرانہ عظمت، نبوی انفرادیت اور بے مثال شانِ استغنا مضمر تھی۔

۱:۔ مال دنیا سے نفرت

جہاں تک دولتِ دنیا، معدنی سیم و زر، اور لعل و جواہر کا تعلق ہے، نگاہِ نبوت میں

۳۔ ترمذی ۱۷ تفسیر معوذتین۔ ۴۔ بخاری ۱۴۲/۶، باب آخر ما تکلم

اِن خزف ریزوں اور بے مایہ ذروں کی کوئی حیثیت نہ تھی، سونے کے ٹکڑوں کو کاشانۂ اقدس میں ایک رات کے لئے رکھنا تک گوارا نہ تھا۔

عصر کی نماز ہو چکی تھی کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام خلاف معمول تیزی کے ساتھ اٹھے اہل صحبت اور شب و روز کے ساتھیوں کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی، متعجب ہوئے، اور سراپا انتظار بن گئے، دیر بعد جب آپ نمودار ہوئے، تو انہیں محو حیرت اور مجسمۂ سوال دیکھکر فرمایا، کچھ سونا گھر میں پڑا ہوا تھا، مجھے یاد آگیا، پسند نہ آیا کہ وہ پڑا رہے لہذا حکم دے کر آیا ہوں کہ تقسیم کر دیا جائے۔ ۵ے

طبیعت مبارک میں سیم و زر کے لئے جو کراہت تھی - اور دل میں جو استغنا پایا جاتا تھا اس کا اندازہ اِس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "ہم تمہاری خاطر بطحائے مکہ کو زرِ خالص بنا دیتے ہیں؟" میں نے عرض کی۔ یا اللہ! مجھے اِس کی کوئی خواہش نہیں، دولت دنیا کی بہتات اور فراوانی کے برعکس میں تو چاہتا ہوں ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں جس روز بھوکا رہوں، وہ دن تضرع و مناجات، ذکر و فکر اور توجہ و استغراق میں گزرے اور جس روز تیری نعمتوں سے پیٹ بھر دں، وہ حمد و شکر میں بیتے۔ ۶ے

ایک رات چاندنی چٹکی ہوئی تھی جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منور و حسین موسم میں شہر سے باہر تشریف لے جاتے دیکھا، جذبۂ خدمت و ارادت اور وفورِ شوق نے انہیں ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ پیچھے پیچھے ہو لئے، احتیاط یہ کی کہ ایسی جگہ پر چلتے رہے جہاں چاندنی نہ تھی۔ پھر بھی محبوب کی نظروں سے نہ بچ سکے آپ نے ازراہ شفقت و محبت پاس بلا لیا اور چلتے رہے۔ شہر سے باہر نکلے تو اُحد، نمایاں ہو گیا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا،

مجھے پسند نہیں کہ اُحد کے برابر بھی سونا میرے پاس ہو تو تین دن سے زیادہ میرے پاس رہے۔ قرض کے لئے جو کچھ دینا ہو اُس کے سوا سارا خرچ کر دوں اور دائیں بائیں آگے پیچھے لٹا دوں۔ اے ابوذر! یاد رکھو، زیادہ سرمایہ دار ہی قیامت کے روز نادار و

۵ے بخاری ۱۱۸، ۶ے ترمذی ۲: ۵۸

مفلس ہوں گے البتہ وہ خوش قسمت دولت مند اس حکم اور کلیے سے مستثنیٰ ہیں جو راہِ وفا میں فیاضی و کشادہ دلی کے ساتھ بے دریغ لٹاتے ہیں۔ اور ایسے نیک بخت بہت کم ہیں ے

ب:- دولت کے بارے میں نظریہ

مال و دولت سے بے نیازی ہی کا یہ اثر تھا کہ جو کچھ آتا، فوراً تقسیم فرما دیتے اور گھر والوں کی ضرورت سے زیادہ کچھ بھی بچا کر نہ رکھتے، اس سلسلہ میں انقلابی نظریہ یہ تھا کہ حقیقت میں انسان کا مال ہی وہ ہے جو وہ راہِ حق میں خرچ کر دے، جو کچھ تجوریوں صندوقوں اور محفوظ سیفوں میں بند پڑا ہوا ہو، وہ انسان کا مال ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو وارثین اور اقربا کا حق ہے۔ جس کی حفاظت و نگہبانی کی وہ ناحق زحمت اٹھا رہا ہے۔

چنانچہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:
"تمہیں اپنا مال محبوب ہوتا ہے یا دوسروں کا؟"
عرض کی، "اپنا مال بہت محبوب ہوتا ہے"
آپ نے فرمایا: "تو سنو! تمہارا مال وہ ہے جو تم نے اللہ کے لئے کسی کو دے دیا۔ اور دوسروں کا مال وہ ہے، جو تم نے نہ دیا۔" ^ے

جو دنیا دار ہیں جن کی بھوکی آنکھ اور حریص طبیعت دولت دنیا سے بھرتی ہی نہیں، ان کی مذمت میں فرمایا:
روپے پیسے کا بندہ، کپڑے، لتے کا حریص، تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا، جسے کچھ طلائی سکے مل جائیں تو شاد کام ہو جاتا ہے۔ وگرنہ تہذیب و شائستگی کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھ کر بد کلامی پہ اتر آتا ہے۔ اور خشونت و درشتی کا مظاہرہ کرتا ہے ۹ے

ابنِ آدم کی حرص و آز اور بے لگام طمع کا تو یہ عالم ہے کہ اگر اس کے پاس سونے کی ایک وادی بھی ہو تو اس کا گرسنہ پیٹ نہیں بھرتا اور وہ ایک اور وادی کی فکر میں غلطاں

ے بخاری ۹۹ہ ^ے بخاری، ۹۵۳ ۹ے بخاری ۹۵۲:

رہتا ہے۔ مٹی ہی اس کا منہ بھر سکتی ہے۔ البتہ اگر اصلاح احوال کے لئے کوشاں ہو کر اس رذیل عادت اور ریاپن سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمالیتا ہے نا ہے

جناب حکیم بن حزام ایک صحابی تھے۔ آپ نے اُن کو بڑی فیاضی سے نوازا کیونکہ وہ بار بار سوال کرتے تھے۔ آخر آپ نے ان کو مال و دولت کی اصلیت سے آگاہ کیا۔

اے حکیم! دولت بڑی شاداب و شیریں شئے ہے۔ لیکن یہ اس کے لئے بابرکت ہوتی ہے جو اسے عزت نفس کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔ اگر انسان لالچی بن جائے اور رگڑاگری کرنے لگے تو اس کی برکت اٹھالی جاتی ہے پھر وہ اس بھوکے شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس کا پیٹ کھانے کے باوجود نہیں بھرتا۔ [11]

دولت کی منفعت و مضرت اور اس کے زہر ہلاہل و تریاق ہونے کے دونوں پہلوؤں کو اس طرح ایک دلنشیں مثال کے ذریعہ واضح کیا:

ایک گائے بھوک محسوس کرتی ہے اسے قرب و جوار میں کھانے کے لئے کوئی شئے نظر نہیں آتی۔ ایک جگہ کڑوی اور بدمزہ سوکھی گھاس پڑی ہوئی ہے۔ بدذائقہ ہونے کے باعث اسے نگلنا دشوار ہے۔ مگر بھوک مٹانے کے لئے اسے کھانے کے سوا چارہ بھی نہیں۔ چنانچہ وہ اسے کھانا شروع کر دیتی ہے۔ جب پیٹ میں قدرے رونق ہو جاتی ہے تو وہ چھوڑ دیتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ معدے پر بوجھ نہیں پڑتا، وہ آسانی سے ہضم کرکے لید پیشاب سے فارغ ہو کر سائے میں جا بیٹھتی ہے اور جگالی کرتی ہے۔

دوسری طرف ایک گائے کو سبز میٹھی اور لذیذ گھاس مل جاتی ہے، وہ ضرورت سے زیادہ کھا کر اپھارے کا شکار ہو جاتی ہے اور قرار و آرام کھو بیٹھتی ہے [12]

گھاس کی یہ دونوں قسمیں، دولت دنیا کی نمائندہ مثال ہیں۔ ان میں اس چیز کا بیان اور اشارہ ہے کہ ضرورت کے مطابق دولت دنیا کو پانے والا، ناحق رنج کشی شدائد و آلام اور شر و آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن طامع و حریص، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا امتیاز مٹا کر ہر طریقہ سے دولت سمیٹنے والا ایسی ناگہاں بلیات و آفات کا شکار

نا الف: [11] بخاری ۹۵۲ [12] بخاری ۹۵۱

ہو جاتا ہے جو اس کے تصوّر میں بھی نہیں ہوتیں مگر پر خور گائے کی طرح اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

ج:- جود و عطا:-

دنیا اور اس کے زخارف سے اس نفرت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ باران رحمت سے زیادہ سخی اور بادِ نسیم کے لطیف و خنک جھونکوں سے زیادہ کریم و فیاض تھے۔ لینے والے کو صاف محسوس ہو جاتا تھا کہ وہ ایک کرم ایجاد سخی داتا کے دوارے پہ کھڑا ہے، جہاں جود و عطا اور کرم و سخا کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا کہ شانِ عطا پہ سوالی انگشت بدنداں رہ جاتا۔

ایک اخلاص پیشہ وفا کیش خاتون نے اپنے ہاتھ سے چادر بنا کر بڑی ارادت سے پیش کی، جب آپ اسے تہبند کی طرح باندھ کر باہر تشریف لائے تو کسی صاحب نے بلا تکلف مانگ لی، آپ نے بالکل برا نہ منایا۔ اندر تشریف لے جا کر چادر اتار دی اور لا کر اسے دے دی۔ حاضرین کو سائل کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری، مگر اس نیک نیت اور نیک بخت نے کہا، چادر کا یہ تبرک میں نے کفن کے لئے حاصل کیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ [۱۳]

جناب جابر کا اونٹ سست رو، ضعیف و ناتواں تھا۔ آقا علیہ السلام کو احساس ہو گیا کہ جابر کو اس کی وجہ سے تکلیف ہو رہی، چنانچہ آگے بڑھ کر ہاتھ پھیر دیا۔ دستِ فیض رساں نے آنِ واحد میں اس کی کایا پلٹ دی۔ گویا مردہ جسم میں بجلیاں بھر دی ہوں جابر کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

فرمایا: "اے جابر اونٹ ہمارے پاس فروخت کر دو!" قیمت طے ہو گئی، جابر اونٹ لے کر دربار میں حاضر ہو گئے، آپ نے بلال سے کہا، جابر کو قیمت دے دو، جب وہ رقم لے چکے تو فرمایا: اونٹ بھی ساتھ لے جاؤ، قیمت کے ساتھ یہ بھی تمہیں بخشا۔ [۱۴]

ام ایمن کے پاس حضرت انس کے گھرانے کی کھجوریں تھیں۔ وہ انہوں نے واپس مانگیں۔ ام ایمن نے حضور علیہ السلام کے دربار میں عرض گزاری، میں دینے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ آپ کے ذریعہ مجھ تک پہنچی ہے۔

۱۳ے بخاری ۱۷۰، ۱۴ے بخاری ۲۸۲

حضور علیہ السلام ام ایمن کا بہت لحاظ فرماتے تھے، فرمایا: "ہم سے ایک درخت لے لو۔ ان کی کھجور واپس کر دو"، مگر وہ نہ مانیں۔ آخر دس درخت لے کر رضامند ہوئیں اور آپ نے بخوشی دے دیئے۔ ۱۵ے

عطایائے نبوی اور اہل بیت

نوازش و عطا کا یہ سلسلہ بہت وسیع اور پھیلا ہوا تھا۔ مگر عجب بات تھی کہ دوسروں کے لئے جہاں داد و دہش کے یہ دریا بہہ رہے تھے۔ وہاں اہل بیتِ کرام کے خاص افراد کے لئے، اس فراوانی میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ ذاتِ نبوت سے تعلق رکھنے والے ان نورانی حجروں میں ہفتوں آگ نہیں جلتی تھی۔ اور کھجور پانی پہ گزارہ ہوتا رہتا تھا ۱۶ے

سیدہ بتول فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کے لئے ایک لونڈی مانگی مگر آپ نے یہ دنیاوی آسائش مہیا فرمانے سے انکار کر دیا ۱۷ے

ایک دفعہ سیدہ زہرہ نے کانوں میں بالیاں آویزاں کر لیں۔ بازوؤں میں کنگن پہن لئے اور گلے میں ہار ڈال لیا دروازے پر پردہ لٹکا دیا۔ چند روز بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ سے واپس تشریف لائے، اپنی بیٹی کے دروازے پہ پردہ دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ پھر ہار، کنگن، اور بالیوں پر بھی نظر پڑ گئی، آپ اسی وقت واپس تشریف لے گئے۔ سیدہ سمجھ گئیں، آپ نے ہدوایا صنت کی زندگی میں ان اشیاء کی موجودگی سے ناراض ہو گئے ہیں اسی وقت اتار کے آپ کی خدمت میں بھیج دیں، آپ نے فرمایا: دنیا۔ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لئے نہیں ہے اگر اللہ کے نزدیک اس کی پرِ کاہ جتنی بھی حیثیت ہوتی تو کسی کافر کو جرعۂ آب نصیب نہ ہوتا ۱۸ے

ازواج مطہرات نے اخراجات میں وسعت کے لئے درخواست کی تو انہیں یہ نکتہ سمجھا دیا گیا کہ ان مراکزِ انوار میں دنیا کا گزر نہیں ہو سکتا، یہ تو ممکن ہے کہ ازواج کی خواہش پر ان سے ازدواجی تعلقات توڑ لئے جائیں، لیکن زہد و قناعت صبر و شکیب اور تسلیم و توکل کی قدسی روش کو نہیں چھوڑا جا سکتا ۱۹ے

۱۸ے وفاء الوفا، ۳۳۲۔

۱۵ے بخاری ۵۹۱، ۱۶ے بخاری ۹۵۶، ۱۷ے بخاری ۱۹ے قرآنِ مجید الاحزاب ۲۸-۳۳

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات، واضح ہدایات، طور طریق اور مسلسل طرز عمل سے واضح کردیا۔ کہ آپ کا دنیاوی مال و دولت سے کوئی رشتہ نہیں، نہ ان زخارف اور رنگ ریزوں سے آپ کو دلچسپی یا سروکار ہے۔ اور نبی ہونے کی حیثیت سے آپ کی شان بھی یہی ہے کہ دنیاوی مال و منال سے کوئی تعلق نہ ہو چنانچہ آپ نے اس بے تعلقی کا اعلان فرمایا اور عملی زندگی کے علاوہ زبان سے بھی بتا دیا کہ دیگر انبیأ کرام کی طرح ہماری میراث بھی زر و جواہر اور دراہم و دنانیر پر مشتمل نہیں ہے۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث، ما ترکنا صدقة [20]

ہم انبیاء کرام ایک گروہ ہیں ہماری میراث نہیں ہوتی جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ما ترکت بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة [21]

حضرت ابو ھریرہ راوی ہیں، آپ نے فرمایا!

[میرے ورثاء دراہم و دنانیر تقسیم نہیں کر سکیں گے، جو کچھ بھی چھوڑوں، ازواج کا خرچ، اور مزدور کی اجرت ادا کرنے کے بعد وہ سب صدقہ ہو گا۔

شیعہ کتب میں بھی اسی مفہوم کی احادیث ملتی ہیں۔

ان العلماء ورثة الانبیاء، ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر

{اصول کافی، باب العالم والمتعلم من لا یحضرہ الفقیہ، ۲: ۲۴۶}

[بے شک علماء حضرات انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ انبیاء کرام کی میراث دینار و درہم کی صورت میں نہیں ہوتی۔ البتہ وہ علم کی میراث دے کر جاتے ہیں، تو جس نے اس سے حصہ حاصل کیا، اس نے حظ وافر پا لیا]

---

[20] بخاری ۵۲۶ - [21] بخاری ۳۸۹۔

جنت البقیع میں

دینِ حق کی تکمیل کا ربانی اعلان ہو چکا تھا جس سے اہلِ نظر نے سمجھ لیا تھا۔ حضور کے وصال کا وقت قریب آگیا ہے۔

اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ آپ کی طبیعت ناساز رہنے لگی۔ ہجرت کے گیارہویں سال کا آغاز ہوا تو محرم شریف کا سارا مہینہ بخیر و عافیت گزر گیا، صفر کی بائیس تاریخ تک بھی طبیعت مبارک ٹھیک رہی۔ لیکن اس کے بعد آپ نے مزاج شریف اور طبیعت اقدس میں کچھ تبدیلی محسوس کی، چنانچہ معمولات میں چند چیزوں کا اضافہ فرمالیا۔ اول شہدائے اُحد کے پاس تشریف لے گئے۔ جنہوں نے خونِ ناب دیکر عزیمت و حریت اور ایثار و سرفروشی کی تاریخ میں ایک رنگین و حسین باب کا اضافہ کیا تھا۔ ان کی دورِ ابتلاء کی خدمات اور جلیل قربانیاں ایسی نہ تھیں جنہیں فراموش کیا جا سکتا، چنانچہ آپ ایک طرح ان کی خدمات اور عظمتوں کا اعتراف کرنے اور انہیں اعزاز بخشنے کے لئے بار بار تشریف لے گئے، اور وہاں حاضرین و موجودین پر بھی واضح کر دیا۔ یہ محسنینِ امت، غازیانِ اسلام اور خدام دین ہیں انہوں نے اس وقت حق خدمت ادا کیا جب مخالفت و عناد اور عدوان و سرکشی کی تند و تیز اور منہ زور آندھیاں چل رہی تھیں۔ اور عداوت و مخالفت کا سیلاب روکنا دشوار تھا۔

روایات سے ثابت ہے۔ اہلِ اُحد پر آپ نے نماز جنازہ بھی ادا فرمائی [۲۲] ہے یہ ان شہیدوں کے ساتھ آپ کے بے انتہا پیار اور شفقت کی علامت تھی۔ جیسے ایک رحیم و کریم اور شفیق باپ بوقتِ رخصت اپنے اطاعت گزار اور فرمانبردار بچوں کے ساتھ جی بھر کے پیار کرتا ہے۔ اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے دعاؤں کا صلہ دیتا ہے

اہلِ اُحد کی طرح جنت البقیع کے ساکنوں کی قسمت بھی جاگ گئی۔ یہاں بھی آپ کی آمد و رفت کا سلسلہ بڑھ گیا۔

---

۲۲ بخاری ۱۷۹

ایک رات آپ نے اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا۔ نصف شب بیت چکی تھی، فرمایا میرے ساتھ جنت البقیع چلو۔ حکم ربانی ہوا ہے کہ جاکر ان کے لئے استغفار کروں، خراماں خراماں وہاں پہنچے۔

پہلے شہر خموشاں کی نیک بخت روحوں کو سلام کیا۔

" السلام علیکم یا اہل المقابر! تمہیں یہاں کا امن و سکون اور یہاں کی راحت و عافیت مبارک ہو۔ زمین پر بسنے والے تو اس سے محروم ہیں۔ تیرہ و تار شب کی مانند بھیانک فتنے ان کی تاک میں ہیں، جن کا سلسلہ ٹوٹنے والا نہیں، اور بعد والا فتنہ پہلے سے خوفناک، دہشت انگیز اور روح فرسا ہے۔ مگر تمہیں ان سے کوئی اندیشہ نہیں "

ادھر سے فارغ ہوئے، تو ابو مویہبہ کی طرف رخ کیا۔ اور آنیوالی بات بتائی۔

اے ابو مویہبہ! رب قدیر و قیوم کی طرف سے خزائن دنیا کی چابیاں مجھے عطا کر دی گئی ہیں اور اختیار دے دیا گیا ہے۔ چاہے تو ہمیشہ کے لئے دنیا ہی میں رہوں۔ یا اپنے رب کریم کے حضور پہنچ جاؤں "

ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فکر و ذوق کے مطابق ایک عاشق صادق کی طرح عرض کی! آپ ہم غریبوں ہی کے جھرمٹ میں رہنا منظور فرمالیں۔ عشاق کی بے قرار اور ترستی نگاہیں جمال جہاں آرا سے متمتع ہوتی رہیں گی۔ دھڑکتے دل دولت دیدار سے مسرور و شادکام اور بامراد ہوتے رہیں گے۔ کسی کو وقت نہیں ہوگی۔ اور جلووں کی بارات، بے حجاب رہے گی۔ حسن نبوت کا فیض عام اور جمال رسالت کی نگاہ پر ور تنویروں سے قلب و روح کو گرمانے کا سلسلہ محبت قائم رہے گا۔"

آپ نے فرمایا! اے ابو مویہبہ! اب یہ بات نہیں ہوگی۔ عشق اس منزل میں داخل ہو چکا ہے جہاں اب کسی اور کی گنجائش نہیں۔ میں نے وصال ربانی کو اختیار کر لیا ہے اب وہ دن دور نہیں۔ جب عشق تمام عارضی بندھن توڑ کر حسن لازوال اور جمال حقیقی کے انوار میں مستغرق ہونے کے لئے پرواز کناں ہو جائے گا۔

اہل بقیع کے پاس آپ نے کافی وقت گزارا، ان کے لئے دعائے مغفرت کی پھر

آپ واپس تشریف لائے۔ اسی روز صبح کے وقت مرض شدت اختیار کر گیا۔ [۲۳] ربیع الاوّل کا مہینہ شروع ہو گیا۔ مگر طبیعت مبارک نہ سنبھلی یہاں تک کہ جمعرات کا وہ تاریخی دن آ گیا۔ جس کے بعد پانچویں روز آپ وصال حق سے شاد کام و بامراد ہو گئے

جمعرات سے پیر تک

جمعرات کا یہ دن اہل مدینہ کے لئے، جذب و سوز، اضطراب و بے قراری تصورات ہجر و فراق کی سوزش اور قیامت کے مناظر لے کر طلوع ہوا۔ جب انصار کو یہ علم ہوا کہ ان کے محبوب مہمان، اور جند جان سے پیارے مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم صاحب فراش ہو گئے ہیں۔ تو انہیں ہر بات بھول گئی۔ اس اذیت ناک خبر کے جانگداز صدمے نے نڈھال کر دیا۔ سب کچھ چھوڑ کر مسجد نبوی میں اکٹھے ہو گئے۔ اور ایام گذشتہ کی سہانی یادوں کے چراغ جلا کر، رونا شروع کر دیا۔ حسرت و یاس اور درد فراق سے اٹھنے والی ٹیسوں نے فغاں و فریاد کی صورت اختیار کر لی اور ساری فضا غمناک ہو گئی۔

حضرت ابوبکر اور عباس ادھر سے گزرے، عاشقان جمال اور یاران وفا کیش کا یہ حال زار اور گریۂ پیہم دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ جب پتہ چلا کہ درد نہاں اور سوزش دروں نے یہ حالت بنا دی ہے تو خاصے متاثر ہوئے۔ اور حضور علیہ السلام کو جا کر صورت حال سے آگاہ کیا۔

آقا علیہ السلام انصار کے جذبۂ ایثار، حسن سلوک اور خلوص و وفا سے آگاہ تھے۔ اس اطلاع نے آپ کو بے قرار کر دیا۔ اسی وقت حکم دیا کہ پانی کے سات منہ بند مشکیزے لائے جائیں تاکہ دید کے ترسے ہوئے احباب انصار کو جمال طلعت سے شاد و بامراد کریں، اور الوداعی خطبہ کے علاوہ انہیں تسلی بھی دیں۔

---

[۲۳] ابن ہشام ۴: ۳۲۰۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۲۲۴۔ حجۃ اللہ علی العالمین حضرت نبہانی۔ ۷۰۵

ممبر پر جلوہ فرما ہو کر سب کو پاس بلایا۔ اس وقت آپ نے سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ جو تیل کی وجہ سے چکنی ہو چکی تھی۔ یہ منظر اہل نظر کے لئے بڑا رقت انگیز اور پرسوز تھا۔ کاروانِ عشق و مروت کے تمام مسافر آہیں ضبط کر کے اور آنسو روک کر بیٹھ گئے۔

آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"مدینہ منورہ کے قدیم باشندے، یہ انصار، جنہوں نے انسانی تاریخ میں ایثار و قربانی اور ذوق و شوق کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ زندگی کے بے رنگ خاکوں میں اپنے حسنِ عمل خلوص و پیار اور وفاداری کی دلکش اداؤں سے جبین رنگ بھرا ہے۔ میں ان کے بارے میں تمہیں اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ اپنے حقوق و فرائض اور ذمہ داریوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ اب ان کے حقوق ہمارے ذمہ باقی ہیں بعد میں بننے والے امت کے نگہبان کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کا قدر و مرتبہ پہچانے اور انہیں دل کھول کر نوازے، یہ میرے جان و جگر، ناقابل اعتماد، محرم راز دوست اور وفادار ساتھی ہیں۔ اگر ان سے لغزش بھی ہو جائے تو معاف کر دے۔[۲۴]

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں سے جہاں چاہے رہے، اس نے آخرت کو پسند کر لیا ہے"

ابھی حضور کی زبان مبارک سے اتنی سی بات نکلی تھی کہ جناب ابو بکر کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بات کی گہرائی تک پہنچ گئے کہ حضور اپنے متعلق بیان فرما رہے ہیں۔

حاشیہ ۲۴ — [۲۴] بخاری، ۵۳۶۔

حدیث میں انصار کے لئے کرشی و عیبتی کے الفاظ آئے ہیں۔ کرش، معدہ، اولاد اور جماعت پر بولا جاتا ہے۔ عیبۃ زنبیل کو کہتے ہیں، اور عام طور پر اس سے گہرا دوست معتمد علیہ ساتھی اور وفادار یارِ غار مراد لیا جاتا ہے۔ حدیث میں یہی معنی مراد ہیں۔

محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب صدیق کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا۔

"صدیق صبر کرو!" پھر لوگوں کو ان کے ان کے شخصی فضائل کی طرف متوجہ کیا۔

" ابوبکر کے سب سے زیادہ احسانات میرے اوپر ہیں۔ اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ان کو بناتا لیکن میں اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں، البتہ ہماری اسلامی اخوت و مودت قائم ہے۔" [۲۵]

اے لوگو! اس مسجد کی تمام کھڑکیاں بند کردو، ابوبکر کی کھڑکی کے سوا اب یہاں کسی کی کھڑکی کھلی نہیں رہے گی۔ [۲۶]

اس وقت لوگوں کے سامنے جناب صدیق کے خصائص اور ذاتی محاسن کا تذکرہ بے معنی نہیں تھا۔ دور اندیش ذہن اسی وقت پا گئے کہ یہ صدیق کی خلافت و نیابت کی طرف واضح اور قطعی اشارہ ہے۔

آخر میں آپ نے چند حقائق سے پردہ اٹھایا

انی فرطکم، وانا شهید علیکم وانی واللہ لانظر الی حوضی الآن وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض، وانی واللہ ما اخاف من بعدی ان تشرکوا ولکنی اخاف ان تنافسوا فیها [۲۷]

"میں تمہارا ناظم و مددگار ہوں، میں تم پر گواہ بھی ہوں۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، اس وقت میرا حوض میری نگاہوں کے سامنے ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں عطا فرما دی گئی ہیں۔ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے۔ البتہ دنیا پر ریجھ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔"

یہاں بھی آپ نے شہدائے احد کو فراموش نہ کیا۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔

---

[۲۵] ابن الاثیر، ۲: ۳۱۹ [۲۶] ایضاً۔ [۲۷] بخاری، ۵۰۸:۵۷۸:۵۸۵

وصایا نبوی

حجرۂ نبوی میں ہجوم یاراں ہو گیا۔ سب پروانوں کی طرح شمع ہدایت ونور کے گرد بیٹھ گئے، حضور کا مرض ان کے صبر وقرار پر بجلی بن کر گرا ہوا تھا۔ انہیں اس وقت اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت، آرام وراحت اور تندرستی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلوص ووفا کے ان حسین پیکروں کو دیکھا، غمگین وافسردہ صورتوں پہ بے اختیار پیار آگیا۔ ضعف ونقاہت کے باوجود فرمایا، "لوح وقلم کا انتظام کرو، تاکہ کچھ لکھا دوں تا کہ تم غلط روی اور بھٹکنے سے بچ جاؤ گے۔"

آپ کی اس وقت جو حالت تھی اسے دیکھتے ہوئے، لکھنے لکھانے اور سننے سنانے کی تکلیف دنیا کسی طرح موزوں نہ تھا۔ پھر تیئس سالہ تبلیغی زندگی میں آپ متبعین کو تمام نشیب وفراز سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس آخری وقت میں کسی نئے اور اہم اضافے کا امکان نہ تھا۔ حالات بتا رہے تھے کہ کتاب اللہ پر عمل کے تاکیدی اور مکرر حکم کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے۔ اس لئے آپ کی تکلیف کو ملحوظ رکھتے ہوتے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درد مندی اور عاجزی سے کہا:

"یا رسول اللہ! ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ آپ کچھ لکھوانے کی زحمت وتکلیف نہ فرمائیں

چونکہ یہ بات معقول اور تجویز حسب حال تھی، اس لئے آپ نے مزید کچھ نہ کہا،

جیسے آپ عمر فاروق اعظم کی پسندیدہ اور مناسب رائے سے متفق ہو گئے ہوں، اور سمجھ لیا ہو کہ حاضرین میری منشا پا گئے ہیں، اس لئے تاکیدی حکم لکھوانا کوئی لازمی نہیں ہے اسی جگہ کچھ دوسرے حضرات نے جناب عمر کی رائے سے اختلاف کیا، اور اپنا خیال ظاہر کیا کہ:

حضور نے غلبۂ مرض کی حالت میں یہ بات نہیں کہی ہے، بلکہ آپ ہوش وحواس

میں ہیں، اس لئے محض آپ کی تکلیف کے خیال سے بات ملتوی کرنا مناسب نہیں ہے،
بہتر ہے دوبارہ پوچھ لیا جائے، اگر واقعی کوئی ضروری بات ہوئی تو ارشاد فرما دیں گے۔
چنانچہ جب وہ دوبارہ استفسار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "تم لوگ چلے جاؤ"[۲۸] یہ
یہ واضح اشارہ تھا کہ فاروقِ اعظم کی صائب رائے کے ساتھ کلی اتفاق ہو چکا ہے
ورنہ آپ کی ذاتِ اقدس سے کسی اہم حکم کو ترک کر دینے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاشیہ

یہ واقعہ مختلف احادیث کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف راویوں نے اس واقعہ کی مختلف کڑیاں بیان کی ہیں۔ اگر ہوشمندی سے ان کڑیوں کو یکجا کیا جائے تو وہ نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور سب کچھ بے غبار ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عتبہ کی روائت میں جناب فاروقِ اعظم کی تجویز کا ذکر ہے جو آپ نے حضور کی حالت مبارک دیکھ کر پیش کی۔ اس کے برعکس سعید بن جبیر کی روائت میں دوسرے خیال کے حضرات کی رائے کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے جناب عمر کی رائے کے مقابلہ میں پیش کی تھی۔

یعنی جب فاروقِ اعظم نے کہا "حسبنا کتاب اللہ" تو ان حضرات نے اختلاف کیا اور کہا اَھَجَرَ کیا حضور نے یہ بات بلا ارادہ اور غلبہ مرض کی حالت میں کہہ دی ہے؟ ان کا خیال تھا، یہ بات نہیں۔ بلکہ حضور ہوش میں سب کچھ فرما رہے ہیں۔ اس لئے دوبارہ پوچھ لو "استفھموہ"۔ اگر رضامندی کا اظہار کر دیں تو حکم پہ عمل کرو۔ لیکن جب پوچھا گیا۔ تو آپ نے فاروقِ اعظم کی رائے کو ترجیح دی، اور کچھ نہ لکھوایا۔

ہمارے خیال میں اس واقعہ میں شکوک و شبہات کی گنجائش اس لئے نکلی ہے کہ اس کی کڑیوں کو ملانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ یعنی حاضرین کے سلسلہ کلام اور سوال و جواب کی نوعیت پر غور نہیں کیا گیا۔ اس طرح جو ایک گروہ کا جواب ہے وہ جناب عمر کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے حالانکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جناب عمر کا ارشاد نہیں ہے بلکہ ان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲۸؎ بخاری ۶۳۸

ان ایام میں حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے بھی فاروق اعظم ہی کی رائے کی پیروی کی اور آپ کے آرام و سکون کا پورا پورا خیال رکھا، اور کوئی چیز لکھانے کی تکلیف نہ دی۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

امرنی ان آتیہ لطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی نفسہ، قلت احفظ واعی ۲۹؎

"مجھے حکم دیا، لکھنے کی چیزیں لے کر آؤ، کچھ لکھ دیں، جس سے امت بھٹکنے سے بچ جائے مجھے خدشہ لاحق ہوا، (حالت نازک ہے) ایسا نہ ہو میرے پیچھے آپ کا وصال ہی ہو جائے، اسی خیال سے عرض کی، حضور! زبانی ارشاد فرمادیں، میں یاد رکھوں گا۔ چنانچہ آپ نے نماز، زکوٰۃ، اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ان دنوں آپ کی یہ وصیت بھی تھی۔

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم ۳۰؎

مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو، اور آنے والے وفود کو اسی طرح نوازو جس طرح میں نوازا کرتا تھا۔ آپ نے امت کو انتشار و تفرقہ سے بچانے کے لئے جناب صدیق اکبر کے حق میں خلافت کی وصیت کرنے کا ارادہ بھی فرمایا چنانچہ حاضرین کو حکم دیا: ادعوا الی ابا بکر وابنہ لکے لا یطمع فی امر ابی بکر طامع ولا یتمناہ متمن ۳۱؎

"ابوبکر اور ابن ابی بکر کو بلاؤ، تاکہ کوئی حریص اور خواستگار خلافت، ابوبکر کے مقابلے میں اس کی تمنا اور آرزو نہ کرے۔"

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ)

کے جیسا کتاب اللہ کے جواب میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اھجر کہہ کہ آپ پر حجت قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وگرنہ ایک ہی شخص سے یہ دونوں جملے صادر ہوں بالکل بے معنی سی بات ہے۔

۲۹؎ البدایہ والنہایہ ۵: ۲۲۸ - ۳۰؎ بخاری ۶۳۸، ۳۱؎ بخاری، ۸۴۶ -

آپ نے عبدالرحمٰن کو حکم دیا۔

ائتنی بکتف اولوح حتی اکتب لابی بکر کتابا لا یختلف علیہ احد ۳۲؎

[لوح وقلم لاؤ تاکہ ابوبکر کے لئے وصیت لکھ دوں۔ اور کوئی اختلاف نہ کر سکے]

پھر فرمایا ابی اللہ والمومنون ان یختلف علیک یا ابابکر ۳۳؎

[اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کی خلافت پر اختلاف سے انکاری ہیں]

مگر بوجوہ اس وصیت مبارک کو تحریری صورت میں نافذ نہ فرمایا، تاکہ خلافت منصوص ہو کر نبوت ہی کی طرح واجب الاتباع نہ ہو جائے۔ نیز شورائی اور ملوکیت سے پاک نظام حکومت کے لئے دروازہ کھول دیا۔ اس کے علاوہ صدیق کی وجیہہ شخصیت عمر و تجربہ اور ہمہ گیر مقبولیت سے آپ کو یقین تھا کہ خلافت کے لئے ان ہی کا انتخاب ہو گا۔ خاص کر جب کہ آپ نے واضح اشارات سے اہل الرائے اور زیرک حضرات کو یہ بات سمجھا دی تھی۔

حال ہی کی بات تھی کہ ایک عورت آئی۔ آپ نے اسے پھر کسی دن آنے کا حکم دیا۔ چونکہ حالت نازک تھی اس لئے بوڑھی خاتون نے پوچھا

ارأيت ان جئت ولم اجدک

"اگر آؤں، اور آپ نہ ہوں، تو پھر کس کی خدمت میں حاضری دوں؟"

فرمایا ان لم تجدینی فاتی ابابکر ۳۴؎

اگر مجھے نہ پاؤ، تو ابوبکر کے پاس آجانا۔

چنانچہ حضرت عباس جیسے دانا و فہیم سمجھ گئے تھے کہ حضور علیہ السلام اور عوام کا رجحان طبع جناب صدیق کی طرف ہے اس لئے آپ نے حضرت علی سے کہا۔ چند روز بعد آپ کسی کی رعایا بن جائیں گے۔ اذهب بنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنسأله فیمن هذا الامر ان کان فینا علمنا ذالک و

۳۲؎ ایضاً۔ ۳۳؎ ایضاً ۳۴؎ البدایہ والنہایہ، ۲۲۸۔

وان کان فی غیرنا علمناہ ۳۵ے

[میرے ساتھ حضور کے دربار میں چلئے، تاکہ خلافت کے بارے میں پوچھ لیں ہمیں ملنی ہے تو بھی پوچھ لیں اور اگر کسی اور کو ملنی ہے، تو بھی آگاہ ہو جائیں]

حضرت علی تیس پینتیس سال کے نوجوان تھے۔ انہیں بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر حضرات، صدیق اکبر جیسے جہاندیدہ، سن رسیدہ باوقار اور سنجیدہ آدمی کے مقابلے میں ان کو ترجیح نہیں دیں گے، صدیق اکبر کی موجودگی میں تو منتخب ہونے کا امکان ہی نہیں، بعد میں انتخاب ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر صدیق کی موجودگی کا لحاظ فرما کر حضور علیہ السلام الصلوٰۃ نے خلافت دینے سے انکار فرما دیا تو پھر بعد میں بھی اس کا حصول ناممکن ہو جائے گا، اس خیال کے پیش نظر آپ نے حضرت عباس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔



حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

جمعرات کے روز آپ نے زندگی کی آخری نماز پڑھائی۔ یہ مغرب کی نماز تھی جس میں آپ نے سورہ والمرسلات کی تلاوت فرمائی ۳۶ے

اس کے بعد پیر کے دن تک آپ نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہ لا سکے صرف ہفتہ کے روز حضرت عباس اور علی کے ہمراہ مسجد میں گئے اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

جمعرات ہی کے دن جب عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو مرض کافی شدت اختیار کر چکا تھا۔ بخار سے جسم مبارک گرم تھا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے بدن مبارک پر ہاتھ رکھا تو محسوس ہوا بخار بہت تیز ہے۔

۳۵ے بخاری، ۶۳۹ ۔ ۳۶ے بخاری، ۶۳۷

میں نے عرض کی، "حضور! شدید حرارت ہے۔ ہاتھ نہیں لگ رہا۔"

فرمایا، "انبیاء کو جس طرح اجر زیادہ دیا جاتا ہے، اُسی طرح ان پر تکالیف بھی زیادہ نازل ہوتی ہیں۔" [۳۷]

رات بھیگ گئی، لوگ مسجد میں نماز کے لئے انتظار کرتے رہے، مگر آپ تشریف نہ لائے۔ جب قدرے سکون محسوس ہوا تو دریافت فرمایا۔

"کیا لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟"

جواب دیا گیا، "حضور کے منتظر ہیں۔"

فرمایا، "پانی تیار کر دو!"

پانی حاضر کیا گیا تو آپ نے غسل فرمایا۔ مگر پھر طبیعت متغیر ہو گئی۔ اسی طرح تین بار ہوا۔ آخر آپ نے حکم دیا، "ابوبکر سے کہو نماز پڑھا دیں" [۳۸]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

"یارسول اللہ! ابوبکر بڑے رقیق القلب، حساس اور نرم مزاج کے آدمی ہیں خالی مصلیٰ دیکھ کر طبیعت پر قابو نہ رکھ سکیں گے۔ اس لئے کسی اور کو حکم دیں کہ یہ خدمت بجالائے"

آپ نے حضرت عائشہ کی مداخلت نظر انداز کر کے پھر وہی حکم دیا

مروا ابابکر فلیصل بالناس

حضرت عائشہ نے جناب حفصہ سے کہا، "آپ بھی میری سفارش اور تائید کریں، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو امامت کی اس خدمت عظمیٰ کے لئے مامور فرمائیں"

حضرت حفصہ نے جناب عائشہ کے کہنے کے مطابق آپ کی خدمت میں یہ بات پیش کر دی، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراض ہو کر فرمایا!

"تم صواحبات یوسف کا کردار ادا کر رہی ہو، جو ہم نے کہا ہے، وہی کرنا پڑے گا، اس میں ترمیم و تبدیلی نہیں ہو سکتی، ابوبکر ہی سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔" [۳۹]

۳۸۔ بخاری، ۹۵۔ ۳۷۔ البدایہ والنہایہ ۵: ۲۳۷

عرض معروض کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ انہیں پتہ چل گیا یہ حتمی اور معنی خیز فیصلہ ہے۔ چنانچہ جناب صدیق کو اس حکم اور فیصلے سے مطلع کر دیا، ارشاد کے مطابق جب وہ خالی مصلے کی طرف بڑھے تو چیخیں نکل گئیں۔ یارائے ضبط نہ رہا، جناب عمر سے کہا۔

"آپ امامت کے فرائض انجام دیں"

مگر جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور کہا:

"اس فضل و شرف کے آپ ہی زیادہ مستحق ہیں۔

چنانچہ جناب صدیق ہی نے نماز پڑھائی۔

انہی ایام کی بات ہے، حضرت عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں۔

ہم لوگ دربارِ رسالت میں حاضر تھے کہ حضرت بلال نے آکر عرض کی،

"نماز کا وقت ہو گیا ہے۔"

حکم دیا، ابوبکر ہی سے کہو نماز پڑھاویں!"

ابن زمعہ اطلاع دینے کے لئے باھر آئے دیکھا جناب ابوبکر موجود نہیں تھے،

انہوں نے جناب فاروق اعظم سے کہا، "آپ نماز پڑھائیں!"

جناب فاروق اعظم نے سمجھا، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

چنانچہ وہ آگے بڑھے، اور نماز کی نیت باندھ لی۔ جب اللہ اکبر کہا، تو ان کی بھاری اور بلند آواز سے مسجد کی فضا گونج گئی۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ آواز سنی تو بہت مضطرب ہوئے خفگی کے عالم میں فرمایا۔

این ابوبکر یابی اللہ والمسلمون

"ابوبکر کہاں ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرمانبردار بندے اس وقت یہ منصب عظیم اس کے سوا کسی اور کو دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"[۳۹]

ایک روائت میں ہے۔ آپ نے فرمایا:

لا، لا، لا یصلی للناس الا ابن ابی قحافۃ [۴۰]

---

۳۹ ۔ البدایہ والنہایہ، ۵ : ۲۳۳

نہیں، نہیں، نہیں ابن ابی قحافہ ابوبکر صدیق کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھا سکتا۔
یہ حکم آپ نے بڑی جلالت اور رعب کے ساتھ دیا

جب صدیق اکبر آئے تو جماعت ہو چکی تھی حکم کے مطابق آپ نے دوبارہ نماز پڑھائی، ان کی امامت کے لئے یہ خصوصی اہتمام، یہ نکتہ واضح کرنے کے لئے کافی تھا، کہ جانشینی اور خلافت و نیابت کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب ابن زمعہ پر برس پڑے، "میں نے تو سمجھا تھا حضور نے نماز پڑھانے کے لئے کہا ہے، وگرنہ کبھی اتنی جرأت نہ کرتا"

ابن زمعہ بولے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تھا۔ البتہ میں نے جب صدیق کو موجود نہ پایا، تو آپ سے کہہ دیا۔[۴۲]

ہفتہ کے روز کچھ افاقہ ہوا۔ اہل بیت گرد و پیش بیٹھے ہوئے تھے کہ جناب سیدہ بتول فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا اس انداز سے تشریف لائیں کہ آپکی باوقار اور شاہانہ چال بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چال اور رفتار کے مشابہ تھی۔

والد بزرگوار نے لاڈلی دختر بلند اختر کو اپنے پاس بٹھا لیا، پھر فرمایا،

جبرئیل امین نے اس بار دو دفعہ قرآن پاک کا دور کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اب یہاں سے رخصت اور وصال ربانی کا وقت قریب ہے، تم غم نہ کرنا، میرے بعد سب سے پہلے تمہارا ہی وصال ہوگا، میں تمہارے لئے نافع، مددگار، ناظم و مدبر ہوں۔ "نعم السلف انا لك"، پہلے جا کر تمہاری بہتری اور آسائش و فلاح کا سامان کروں گا"، سیدہ کے ٹپ ٹپ آنسو بہنا شروع ہو گئے بیٹی کو آبدیدہ دیکھا تو خوشخبری دی۔

اما ترضين ان تكونى سيدة نساء اهل الجنة

"کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خواتین جنت کی سیدہ ہونے کا اعزاز حاصل ہو؟"
یہ بشارت عظمیٰ پا کر، سیدہ کے ہونٹوں پر خوشی سے مسکراہٹ پھیل گئی۔[۴۳]

---

[۴۰] ابن ہشام، ۴: ۳۳۰ - [۴۱] البدایہ والنہایہ ۵: ۲۳۲ - [۴۲] ابن ہشام ۴: ۳۳۰

ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ نے مسجد میں جا کر نماز ادا فرمانے کا خیال ظاہر کیا حضرت عباس نے سہارا دے کر اٹھایا۔ دوسری طرف مولا علی ہو گئے۔ کچھ دور جا کر جناب علی کی جگہ حضور کے غلام حضرت ثوبان نے بھی سہارا دیا۔ ۳ہے پھر کچھ دیر کے لئے حضرت اسامہ بھی اس خدمت میں شریک ہوئے۔ چنانچہ حضرت عباس گھر سے لے کر مسجد تک ایک طرف رہے۔ اور دوسری طرف مختلف حضرات آتے جاتے رہے اس طرح آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت ظہر کی جماعت کھڑی تھی جناب صدیق بڑے انہماک و خشوع کے ساتھ نماز پڑھا رہے تھے۔

حضرت عباس نے حضور کو مصلے پر بٹھا دیا۔ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادب سے کچھ پیچھے ہٹ گئے، باوجودیکہ آپ امام تھے مگر اس انداز سے ارکان نماز ادا کئے کہ پہلے حضور رکوع و سجود فرماتے، اس کے بعد آپ حضور کی تقلید و اتباع فرماتے، اس شانِ ادب و نیاز کے ساتھ آپ نے نماز پڑھائی، اور کائنات کے سرور و جہاندار اور محبوب رب کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی اقتداء میں نماز پڑھی، یہ حضرت ابوبکر صدیق کی وہ منفرد و قابلِ فخر فضیلت ہے، جو تمام امت میں آپکو سب سے نمایاں اور ممتاز کرتی ہے۔ ۵ہے

آخری ایام میں وقت کے اولوالعزم اور عظیم پیغمبر کا کسی نیک بخت کے پیچھے نماز ادا کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے جس سے بڑھ کر کسی اعزاز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۶ہے

۳ہے بخاری، ۵۱۲۔ ۴ہے بخاری، ۳۹۶ حجۃ اللہ علی العالمین، ۷۰۷

۵ہے البدایہ والنہایہ، ۴ ۲۳۴ : ۲۳۶ = بخاری ۵۹۵ ۔ ۶ہے البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۳۶۔

ان ایام میں کبھی مرض میں تخفیف ہو جاتی، اور کبھی اچانک تکلیف بڑھ جاتی، اس حالت میں بھی آپ نے ازدواجی عدل و انصاف کو نظر انداز نہ فرمایا، چنانچہ ازواج پاک کی جو باریاں مقرر تھیں، اس کے مطابق سب کے گھروں میں جاتے رہے، حالانکہ آپ کی خواہش تھی کہ حضرت عائشہ ہی کے گھر میں رہیں مگر آپ نے حق تلفی گوارا نہ کی، صرف یہی پوچھتے رہے، "میں کل کہاں ہوں گا؟" آخر ازواج نے آپکی خواہش کا احترام کرتے ہوئے خود ہی اجازت دے دی، کہ آپ مستقل طور پر اب عائشہ ہی کے ہاں قیام فرمالیں۔[۷]

پیر کے روز طبیعت مبارک میں کافی سکون تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حسب دستور نماز فجر پڑھا رہے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا دیا، نمازیوں کی صفیں ترتیب وار قائم تھیں، اللہ کے بندے آپکی تبلیغ وہدایت کے مطابق بحضور رب العالمین نہایت عجز و خضوع کے ساتھ کھڑے تھے، اور اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی بندگی بجا لا رہے تھے۔ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کامیاب تعلیمات کے یہ اثرات اور حسین نتائج دیکھ کر مسرّت سے مسکرا دیئے، برق تبسم نے سرمستانِ بادۂ عشق کو مسرور و بے خود کر دیا، انہیں ایسا محسوس ہوا کہ صحیفۂ قرآن کھل گیا ہے، یا حسنِ کامل مجسم صورت میں بے حجاب سامنے آگیا ہے۔ قریب تھا کہ وہ سب کچھ بھول کر نمازہی توڑ دیں اور اس جان پرور منظر سے مسحور ہو کر جلوہ گاہِ حسن کی تجلیات میں کھو جائیں۔ کہ محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا۔[۸]

صحابہ کرام کی جان میں جان آئی اور وہ خوش ہو گئے کہ اب ان کے آقا رو بصحت ہیں اور مرض کا غلبہ جاتا رہا ہے، چند روز سے وہ جو کاروبار چھوڑ چھاڑ کر بیٹھے ہوئے تھے اپنے اپنے کام کاج کی طرف نکل گئے، خود صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قریبی گاؤں سنح چلے گئے، جہاں ان کا گھر بار تھا۔[۹]

---

۷ بخاری ۶۴۰ ۸ بخاری، ۱۶۰، البدایہ والنہایہ۔ ۵: ۲۳۵
۹ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۴۴

وصالِ مبارک کی تفصیلات

اپنے محبوب و مہربان اور محسن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور و پرسکون اور ہشاش بشاش دیکھ کر کاشانۂ نبوی کی منور فضا میں مسرت کی جو دلنواز بہار آگئی تھی، وہ تھوڑی دیر بعد اچانک غم و کرب کے شدید اور اذیت ناک احساسات میں بدل گئی، افسردگی اور درد و اضطراب کے جانکاہ اثرات نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، چند لمحے پہلے چہروں پر چھاجانے والی بشاشت یکدم کافور ہوگئی، اور مستقبل کے پرہول تصورات نے ماحول کو حد درجہ غمگین اور سوگوار بنا دیا۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت شریف یکایک بدل گئی، جان نثار رفیقہ حیات، محبوب ترین غمگسار جناب طاہرہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس نازک اور آخری وقت میں اپنی اس متاعِ بے بہا کو بے قرار ہو کر سینے کے ساتھ چمٹا لیا،

اپنے بخت رسا پر نازاں اور عطائے الٰہی پر شاداں اس عظیم و جلیل اور بیش قدر و بے مثل دولت کونین کو اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ، بانہوں میں سمیٹ کر اور ساری دنیا سے چھپا کر خاموش بیٹھ گئیں۔

محبوبِ برحق ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب بھی طبیعت ناساز ہوتی۔ تو قرآن پاک کی آخری دو سورتیں معوذتین پڑھکر اپنے جسم پاک پر پھونک مارا کرتے تھے، اور ہاتھوں پہ دم کر کے سارے بدن پر پھیرا کرتے تھے۔ اس آخری وقت میں یہ سعادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی۔ انہوں نے معوذتین پڑھ کر حضور پاک کو دم کرنا شروع کر دیا۔ [۵۰]

اس عالم میں محبوب اکرم نے آنکھیں کھولیں، کونین کے خزائن و دفائن کی روحانی ملکیت رکھنے والے سرورِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے، اس حالت میں جو سوال کیا،

۵۰۔ بخاری، ۶۳۹

وہ فقر و استغنا اور زہد و ریاضت کی زریں تاریخ کا ایک مثالی اور نورانی باب ہے جس سے طبعِ بے نیاز، اور وصالِ مقربین کے قدسی آداب کا پتہ چلتا ہے۔

استفسار فرمایا:

"گھر میں سات دینار موجود تھے وہ کہاں ہیں؟ انہیں صدقہ کر دو"

حکم دے کر پھر آنکھیں بند کر لیں، اہل بیت بے چین و مضطرب ہو گئے، وہ آپ ہی کی طرف متوجہ رہے، اور سات دیناروں کو کوئی اہمیت نہ دی، کہ اتنی حقیر رقم کسی وقت بھی کسی کی جھولی میں ڈالی جا سکتی ہے۔ اس وقت تو سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ حضور کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا تھا۔

آپ نے پھر آنکھیں کھولیں، اور فرمایا:

" وہ سات دینار صدقہ نہیں کئے، علی سے کہو، انہیں تقسیم کر آئے"

اس دفعہ بھی مسئلہ کی سنگینی کی طرف کسی کی توجہ نہ گئی، مگر جب تھوڑی دیر بعد تیسری دفعہ بھی یہی حکم سنایا، تو حضرت عائشہ سمجھ گئیں۔ فقرِ غیور اور طبعِ سخا پیشہ کو منظور اور گوارا نہیں ہے کہ گھر میں سات دیناروں کے ہوتے ہوئے بھی اپنے ذوالجلال والاکرام رب سے ملے، چنانچہ وہ دینار جناب علی رضی اللہ کو دیئے، انہوں نے باہر جا کر خیرات کئے، تب حضور علیہ السلام کو چین اور سکون آیا۔[51]

حرم نبوت کے حظیرۂ قدس میں شانِ استغنائے رسالت کی بدولت، ایام گذشتہ کی طرح اس روز بھی، علائق دنیوی سے بے نیازی بلکہ بیزاری اور نفرت و کراہت سے حالت یہ تھی کہ پیر کی شب جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑوس سے ادھار تیل لیکر دیا روشن کیا تھا۔[52]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے قادر و قیوم رب کے مکرم و برگزیدہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی چاہت اور وارفتگی کے ساتھ، اسی طرح لے کر بیٹھی ہوئی تھیں، کہ ان کے بھائی جناب عبدالرحمان اندر داخل ہوئے، ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھا، حضور مکرم نے عبدالرحمان

---

[51] حجۃ اللہ علی العالمین ۷۰۶ - [52] ایضاً

کے ہاتھ پر نگاہیں گاڑ دیں، راز دار حیات اور مزاج شناس رسول حضرت عائشہ کو علم تھا کہ آپ مسواک کے بڑے شوقین اور طہارت و صفائی کے بے حد پابند ہیں، سمجھ گئیں مسواک فرمانا چاہتے ہیں، پوچھا تو اثبات میں سر ہلا دیا انہوں نے دانتوں میں چبا کر مسواک کا صوف بنایا، ریشے نکل آئے تو دھوئے بغیر حضور نے لے لیا اور بڑی لگن کے ساتھ دانتوں پہ پھیرنا شروع کر دیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں آپ نے اسی اہتمام اور حسین انداز کے ساتھ مسواک فرمایا، جیسے پہلے فرمایا کرتے تھے ۵۳؎

یہ نادر و نایاب اور قابلِ فخر اعزاز حضرت عائشہ کے حصّے میں آیا کہ حضور نے ان کا چبایا ہوا مسواک دھوئے بغیر استعمال کیا، اور آخری وقت میں ان کا تھوک حضور اکرم کے کوثر آگیں تھوک مبارک کے ساتھ ملا۔ اس بے حد و بے غایت شرف و اکرام کا احساس آپکو بھی تھا، جس کا اظہار بعض اوقات فرما بھی دیتی تھیں جس کا انداز یہ ہوتا تھا۔ ان من نعمۃ اللہ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی فی یومی وفی بیتی وبین سحری ونحری و ان اللہ جمع بین ریقی وریقہ ۵۴؎

[یہ اللہ پاک کی مجھ پر نعمت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال اس روز ہوا جب میری باری تھی، اور آپ میرے گھر میں میری بانہوں میں تھے، پھر یہ کہ میرا اور آپ کا تھوک آخری وقت میں اللہ پاک نے جمع کر دیا]

پاس ہی پانی کا پیالہ پڑا ہوا تھا، آپ بار بار اس میں ہاتھ مبارک ڈال کر روئے زیبا پر پھیرتے تھے اور زبان مبارک پہ یہ کلمات تھے لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات ۵۵؎

جب طبیعت مبارک گھبراتی تو چہرۂ انور پر پڑی ہوئی چادر ہٹا دیتے، اور امت کو یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلنے سے روکنے اور انکی ضلالت و

۵۳؎ بخاری، ۶۴۰ - ۵۴؎ البدایہ ۲۳۹ - ۵۵؎ بخاری، ۶۴۰

گمراہی اور غلط روی کے انداز پر متنبہ کرنے کے لئے بار بار فرماتے۔

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد ۵۶ے

[اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، جنہوں نے قبور انبیاء کو مسجدوں میں تبدیل کر ڈالا]

اِن ہی حالات و حرکات میں آواز مبارک گلوگیر ہو گئی، حضرت عائشہ نے دیکھا کہ چشمانِ حق بین اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ اور زبان پر یہ آیت ہے۔

مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین ۵۷ے

حضرت عائشہ نے اندازہ لگا لیا کہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے، اور وہ وقت آ گیا ہے جب اللہ کے نبی کو دنیا و آخرت میں سے کہیں بھی رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے، مگر وہ آخرت ہی کو قبول و اختیار کرتے ہیں اور وصال الٰہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۵۸ے

ان کے کان باقاعدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ نگاہیں چہرۂ اقدس پر گڑی ہوئی، لب لعلیں کی ہر جنبش اور زیر و بم کا، بڑی بے قراری سے مطالعہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے سنا ذوق و شوق کی فراوانی، اور محبت الٰہی کی شدت نے اب ان کلمات کی صورت اختیار کر لی تھی۔

اللھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ ۵۹ے

تمنائے وصل اور شوق فراواں نے درِ اجابت و قبول پہ دستک دی اور جبریل امین علیہ السلام بڑے ادب و نیاز اور احتیاط کے ساتھ ملک الموت کے ہمراہ تشریف لے آئے وہ تین دن سے اسی طرح تشریف لا رہے تھے۔ ہفتے کے روز آ کر انہوں نے پوچھا تھا،

یا رسول اللہ! اللہ پاک نے تمام تر اعزاز و اکرام کے ساتھ مجھے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے اور اس علاّم و خبیر نے پوچھا ہے کہ اے حبیب! اب کیا حال ہے؟

۵۶ے بخاری ۶۳۹، ۵۷ے بخاری ۶۳۸۔ ۵۸ے البدایہ ۲۴۰، ج ۵ = ابن اثیر ۳۲۱/۲
۵۹ے ،، ،،

اتوار کے روز بھی وہ اسی طرح اللہ الکریم کی طرف سے عیادت و مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے آج پھر ملک الموت کے ہمراہ حاضر ہو گئے اور حرف مدعا یوں بیان کیا:

یا احمد! یا رسول اللہ! یہ ملک الموت دربار عالی میں حاضر ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔

ملک الموت آگے بڑھے اور عرض کی، آقا! فرستادۂ رب کریم ہوں، ارشادِ خداوندی ہے ہر معاملہ میں میرے حبیب کی اطاعت و پیروی کر، اور جو حکم دیں بجالا اب آپ ارشاد فرمائیں یا رسول اللہ! یہاں قیام فرمانے کا ارادہ ہے۔ یا عالم قدس کی طرف مراجعت فرما ہونے کے لئے تیار ہیں۔

حضور پاک سرور اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محرم خاص جبریل امین علیہ السلام کی طرف دیکھا، گویا اس آسمانی وزیر سے مشورہ درکار ہو۔ وہ بولے۔

میرے محبوب کریم! رب کریم آپ کا مشتاق ہے۔

یہ سن کر شوق وصل کئی گنا ہو گیا، اس محبت کے بے کنار سمندر میں تموج اور زبردست تلاطم پیدا ہو گیا، جو سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں موجود تھی۔ اسی وقت بغیر توقف کے فرمایا

فامض یا ملک الموت ۔ اے فرشتے اپنا کام کر۔ [60]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بدستور سینے کے ساتھ چمٹائے بیٹھی تھیں، حضرت ام سلمہ کا ہاتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدرِ انور پر تھا، کہ زبان مبارک سے الرفیق الاعلیٰ کی صدائے دلنواز بلند ہوئی، اور روح مبارک حسبِ قانونِ الٰہی ایک لمحہ کے لئے جدا ہو کر ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی اور بحضور رب الانام حاضر ہو گئی۔

نبیا کو بھی موت آئی ہے، مگر ایسی کہ فقط آنی ہے۔

کل نفس ذائقۃ الموت

چہار طرف ایسی پاکیزہ اور لطیف خوشبو پھیل گئی جس سے کسی کے مشام جاں آشنا نہیں تھے [61] روحانی نکہتیں اور غیبی برکتیں، اس طرح ہم آغوش ہوئیں کہ فضا کی کیفیتیں ہی بدل گئیں۔

---

[60] یوسف نبہانی، حجۃ اللہ علی العالمین، ۲۰۸، بحوالہ طبقات ابن سعد۔ [61] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۴۱

تیسرا باب

روضۂ اقدس میں

(۱) اصحابِ عشق کو صدمہ

(۲) بیعت خلافت

ا۔ غسل و تکفین کے وقت صدیق و فاروق سقیفہ کیوں پہنچے؟

ب۔ مسئلۂ خلافت کو اہمیت دینے کی وجہ

ج۔ فوری انتخاب کا سبب

(۳) غسل و تدفین



اصحابِ عشق کو صدمہ

جب مدینہ منورہ کے کوچہ و بازار میں یہ روح فرسا اور ہراس آگیں خبر پھیلی کہ انکی جان، جانِ ایمان، قرارِ روح، شہِ خوباں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا وصال ہوگیا ہے تو سننے والوں پر سکتہ طاری ہوگیا محبوب کی رس گھولنے والی مترنم اور شیریں آواز سے آشنا کانوں نے اس خبر کو سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عشق سے لبریز دل اس ہوشربا خبر کے معاملے میں بے یقینی، تذبذب اور ناقابل برداشت درد و اضطراب کا شکار ہو گئے۔ اور حسن بے حجاب کا بے محابا اور باادب دیدار کرنیوالی مقدس آنکھوں تلے اندھیرا چھاگیا، الم و غم دل اور سوزشِ دروں سے سینے پھٹ گئے اور ہر کوئی دیوانوں کی طرح جگر تھام کے رہ گیا۔

عشق کے جس مقام پر یہ یارانِ وفاکیش اور اخلاص پیشہ احباب و اصحاب پہنچے ہوئے تھے وہاں محبوب کی موت اور جدائی کا تصور تک حریف محبت و وفا بن چکا تھا بوئے الفت جسد خیال میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ غیبت و عدم حضور اور لاتعلقی کے مظہر تمام منفی خیالات، جنس ناآشنا بن گئے تھے اور لافانی محبت نے عظمتوں کی معراج کو چھولیا تھا، چنانچہ جب ہجر و فراق کی یہ اندوہناک خبر کوہِ الم بن کر انکے خرمن عشق و محبت پر گری تو سب پر بے یقینی کی کیفیت طاری ہوگئی، اور انکی باوفا محبت نے اس خبر کی صحت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ کوہِ وقار و حلم اور دنیائے عرب کے شہرت یافتہ جواں ہمت دلاور، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ذوقِ حضور و مستی کی اس غیر اختیاری کیفیت کی تند و تیز رو میں بڑی تیزی سے بہہ گئے اور عشقِ جنوں ساماں کے ہاتھوں مجبور ہو کر تیغ براں تھام لی اور اسے منبر پر لہرا کر کہا "جس کی زباں سے یہ سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں

ل البدایہ والنہایہ: ۵: ۲۴۲

اسس آختہ تلوار سے اسکی گردن اتار دوں گا"۔ ۲ے

اس جانکاہ واردہ کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ اتنا شدید اور بھرپور رد عمل ناگزیر تھا۔ جس سانحہ کیلئے وہ ذہنی و جذباتی طور پر تیار نہ تھے وہ اچانک رونما ہوا نتیجہ یہ نکلا کہ فکر و فہم کی قوتیں معطل ہوگئیں دماغ صدمے کے ناقابلِ برداشت جھٹکوں سے مفلوج اور جگر پارہ پارہ ہوگیا، حواس پر دیوانگی و بیگانگی سی چھاگئی جیسے متاعِ ہوش وخرد لٹا بیٹھے ہوں۔ خود رفتگی کا ایسا عالم طاری ہوا کہ خود اپنی ذات کا بھی ہوش نہ رہا اور سب کچھ فراموش کر بیٹھے مدینہ منورہ میں قیامت آگئی ہر طرف محشر کا سماں بپا ہوگیا۔ کسی کو تن بدن کا ہوش نہ رہا ناگہاں ٹوٹنے والی اس قیامت خیز خبر نے دلوں کی دنیا زیروزبر کر ڈالی اور سینے اندوہ غم سے سلگ اٹھے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مرد جلیل کے خطاب و بیان نے، اہلِ عشق و محبت کے اس تاثر کو اور گہرا کر دیا، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فوت نہیں ہوئے ہیں "جناب فاروق اعظم نے بڑے جوش و جذبے کے عالم میں حاضرین سے خطاب کیا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں وہ جھوٹے ہیں عنقریب ہمارے آقا تشریف لائیں گے اور ان منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے موسیٰ علیہ السلام بھی تو کوہِ طور پر تشریف لے جاکر واپس آ گئے تھے۔ اسی طرح ہمارے نبی اکرم بھی آئیں گے اور اہل نفاق کو سزا دیں گے"۔ ۳ے

چونکہ یہ خیالات تمام سامعین کے جذبات و احساسات کے عکاس اور ان کے عشق کے تقاضوں کے مطابق تھے اس لئے سب متاثر ہوئے۔ اور ان ہی کے گرد جمع ہو گئے۔

اس وقت تک کانِ بصیرت و معدنِ فراست اور کاروانِ ذوق و مستی کے سالارِ اعظم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گاؤں سنح سے واپس نہیں آئے تھے آپ وہیں تھے کہ پیچھے یہ قیامت ٹوٹ پڑی۔

۲ے شمائل ترمذی، ۲۹۔ ۳ے بخاری ۵۱۷

سالم بن عبید بھاگم بھاگ سنح پہنچے[4] اور جناب صدیق کو وحشت آثار حالات سے آگاہ کیا۔آپ بلاتوقف مسجد نبوی میں پہنچے، فاروق اعظم بدستور اپنے حال میں مست وہی خطبات دہرا رہے تھے۔ جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاملہ کی نزاکت اور سنگینی کو ایک ہی نظر میں بھانپ لیا۔

گھوڑے سے اتر کر سب سے پہلے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کے اس منور اور تاریخی حجرے میں پہنچے جہاں محبوب دوجہاں علیہ اطیب التحیۃ والثنا نے وصال فرمایا تھا آپکے چہرہ انور سے چادر ہٹائی، سیمائے نور پر بوسہ دیا[5] اور اشکبار آنکھوں سے اپنے محبوب کو دیکھ کر کہا۔

وانبیاہ ! واصفیاہ ! واخلیلاہ !

"میرے ماں باپ قربان! آپ ہر حالت میں کتنے پاکیزہ اور حسین وطیب ہیں"[6]

پھر آپ باہر تشریف لائے، فاروق اعظم سے کہا "بانیں بند کرو"، مگر وہاں اپنے ہوش میں کون تھا، جو ان کی بات سنتا۔

جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود رفتہ اور زبردست صدمے سے نڈھال ان عشاق کی یہ بدلی ہوئی کیفیت اور دگرگوں حالت دیکھ کر سمجھ گئے، انہیں ہوش میں لانے کیلئے کاہگر اور موثر تدبیر کی ضرورت ہے، جس بحر بے خودی میں غوطہ زن ہیں وہاں سے انہیں کسی حقیقت کبریٰ اور اصلیت ثابتہ کا ادراک ہی واپس لا سکتا ہے چنانچہ زرخیز ذہن نے چارہ گری کی، حکمت ربانی نے ایک بلیغ نکتہ دل حزیں میں القا فرمایا اور آپ یوں گویا ہوئے۔

"تم ایک معبود برحق کے پرستار ہو، جبین سجدہ وعبادت اسی کے حضور جھکاتے ہو، وہ حی وقیوم ہے خالق ومعبود ہے اس کیلئے فنا اور موت نہیں، وہ کبھی نہیں مرے گا، جب تم اس حقیقت سے آگاہ ہو اس انقلابی اور صادق نظریے کے قائل ہو، پھر آج تمہیں یہ بات کیوں بھول گئی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[4] البدایہ والنھایہ: ۵: ۲۴۴۔ [5] بخاری ۶۴۰: البدایہ والنھایہ، ۵: ۲۴۲۔

[6] ذیتی دحلان، "درر سنیہ"، : ۳۳۔

اللہ کے رسول ہیں اسکے بندے اور مخلوق ہیں، معبود اور الہٰ نہیں، جب وہ الہٰ اور معبود نہیں عبادت کے لائق نہیں تو پھر آپ کے وصال و انتقال کے بارے میں شک کی کیا گنجائش ہے۔ کیا تم حضور کی عبادت کرتے ہو۔ جب یہ بات نہیں تو جان لو موت کے ذائقے سے محفوظ ہونا صرف اللہ کی شان ہے باقی مخلوق کو یہ ذائقہ چکھنا ہے اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ ذائقہ چکھ لیا ہے اب آپکی حیاتِ ظاہری اور آپکے دیدار عمومی کا دور ختم ہوگیا ہے آج کے بعد یہ نعمت خاصانِ امت اور برگزیدہ احوال سے بہرہ یافتہ حضرات ہی کو ارزانی ہوگی۔

کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، آپ دوبارہ تشریف لاکر منافقین کے دست و بازو کاٹیں گے یہ خیال صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اسلامی تصورات سے ہم آہنگ ہے، بلکہ جوشِ جنوں کی پیداوار اور جذبۂ بے خودی کے اثر کا نتیجہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان قدسی اس بات سے بلند ہے کہ آپ دوبارہ موت کا ذائقہ چکھیں، ایسا کبھی نہیں ہوگا، آپ اسی شان اور انہی کیفیات کے ساتھ ہمارے سامنے کبھی تشریف نہیں لائیں گے۔ جن کیفیات وحالات کے ساتھ آپ ہم میں اب تک موجود تھے

پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَمَا محمّد الا رسُول قد خلت من قبله الرسُل

محمّد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم اللہ کریم کے رسُول مقبول ہیں آپ سے پہلے بھی رسُولانِ کرام گزر چکے ہیں۔

جناب صدیق نے اپنے اس خطبہ میں بڑے زوردار الفاظ استعمال کیے۔

من کان یعبد محمّدا فان محمدا قد مات
ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یمُوت

جو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ احی ولا یموت ہے۔

ے بخاری، ۵۱۷: ۶۴۰: ابن ھشام ۴: ۳۳۵: کامل ابن اثیر، ۲: ۳۲۴

یہ زبردست اور انوکھا انداز بیاں یہ نکتہ ذہن نشیں کرانے کیلئے تھا کہ حضور پاک اطہر و اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معبود نہیں ہیں تاکہ امت میں یہ غلط عقیدہ راہ نہ پا جائے کہ آپ دوبارہ واپس تشریف لائیں گے۔ معبود کا تصور اجاگر کرکے آپنے بے خود عشاق کو بہت بڑے فتنے سے بچا لیا چنانچہ وہ پرستاران حق، میکدۂ وحدت کے سرمست بادہ خوار، ہوش میں آ گئے۔ شرعی ضابطے سوچ کے زاویوں میں آئے تو حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا مگر یہ صورت، ہجر و فراق اتنی حوصلہ شکن، ہوشربا اور ناقابلِ برداشت تھی کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مردِ جلیل نڈھال ہو کر گر پڑے ^۸^

حضرت سیدہ زہرہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا درد و کرب اظہار و بیاں سے باہر ہے، رسول کی حیثیت ہی نہیں، رشتہ ابوت کی نسبت سے بھی آپ کو صدمہ تھا چنانچہ دہرے غم اور دہرے صدمے نے آپ کا درد سوا کر دیا۔ جسے آپ نے الفاظ میں یوں بیان کیا۔

صبت علیّ مصائب لوانها
صبت علی الایّام صرن لیا لیا

"جو مصائب و آلام مجھ پر ڈالے گئے ہیں، اگر روشن اور منور دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ سیاہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے"۔ حضور کی پھوپھی جان حضرت صفیہ کا غم اس شعر سے نمایاں ہے۔

الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا
وکنت بنا برا ولم تک جافیا

"یا رسول اللہ! آپ ہماری تمناؤں اور امیدوں کا مرکز تھے آپ خوئے جفا سے ناآشنا بڑے ہی مہربان تھے"۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہارِ غم میں دل چیر کے رکھ دیا انکے ایک ایک شعر میں وہ سوز و کرب ہے۔ جسے ایک وارفتہ دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔

بطیبۃ رسم للرسول ومعهد
منیر وقد تعفو الرسوم وتهمد

---

۸ ؎ بخاری۔ ۱/۶۴۱ — ۹ ؎ شرح جامی

مدینہ طیبہ ہی میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا کاشانہ اقدس اور آپکی کچھ نشانیاں ہیں اور نشانیاں بعض اوقات مٹ بھی جاتی ہیں۔

ولا تمتحی الآیات من دار حرمۃ
بھا منبر الھادی الذی کان یصعد

لیکن حرم نبوی کی نشانیاں کبھی نہیں مٹ سکتیں وہاں ہادی اکرم کا منبر شریف بھی موجود ہے جس پر آپ چڑھا کرتے تھے۔

بھا حجرات کان ینزل وسطھا
من اللہ نور یستضاء و یوقد

وہاں حجرے بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا "نور" رہتا تھا اس نور سے تابانی اور روشنی حاصل کی جاتی تھی۔

نورا اضاء علی البریۃ کلھا
من یھد للنور المبارک یھتدی

اس نور نے سارے جہان کو روشن کر دیا تھا، اس مبارک نور تک جسے رسائی نصیب ہو جائے۔ وہ ہدایت پالیتا ہے

کان الضیاء وکان النور نتبعہ
بعد الالہ وکان السمع والبصرا

وہ سراپا ضیا اور "نور" تھے خدا تعالیٰ کے بعد ہم ان ہی کی پیروی کرتے تھے وہ ہمارے چشم و گوش تھے۔

لم یترک اللہ منا بعدہٗ ابدا
ولم یعش بعدہٗ انثیٰ ولا ذکرا

خدا کرے، اب آپکے بعد ہم میں سے کوئی مرد، عورت زندہ نہ رہے

تاللہ ما حملت انثیٰ ولا وضعت
مثل الرسول نبی الامۃ الھادی

1 ابن ہشام ۴: ۴، ۳

اللہ کی قسم! اس امت کے رسول ہادی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مثل کسی ماں نے کوئی بچہ نہیں جنا ہے نہ اٹھایا ہے۔

ولا بری اللہ خلقا من بریتہ
اوفی بذمتہ جار او بمیعاد
من الذی کان فینا یستضاء بہ
مبارک الامر ذا عدل وارشاد

اس مبارک، عادل، رہنما اور "مظہر لغیرہ" نور سے زیادہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے اور وعدہ وفا کرنے والا اللہ پاک نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا۔



بیعتِ خلافت

مدینہ منورہ کے افق پر غم و اضطراب کے

بادل بدستور سایہ فگن تھے، تمام مسلمان اندوہِ فراق سے گھائل دل پہلو میں دبائے اور پژمردہ اداس چہرے لٹکائے آجا رہے تھے، قلب و روح کی پر سکون کائنات پر ناگہاں ٹوٹنے والے اس ناقابلِ برداشت ذہنی صدمہ نے انہیں جس کرب و بلا سے دوچار کر دیا تھا، اس کی شدت اگرچہ کم ہونے والی نہ تھی تاہم حقوق و فرائض اور شرعی ضابطوں سے آشنا قدسی حضرات نے خود کو سنبھال لیا اور درد کی ٹیس پہلو میں دبائے خاموشی سے غسل و تدفین کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

جب اہل محبت اپنی زندگی کے سب سے نازک دور سے گزر رہے تھے، اور انہیں گردو پیش کا کچھ ہوش نہ تھا۔ اس وقت انتہائی نازک لمحات میں اہل نفاق کو مسلمانوں کی عظمت و معراج اور شان قدسی سے انتقام لینے کا موقعہ ہاتھ آگیا انہیں اپنی ریشہ دوانیوں اور دسیسہ کاریوں کیلئے اس سے زیادہ موزوں اور مناسب وقت پھر نہیں مل سکتا تھا چنانچہ وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کیلئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے انصار کے کان میں جاکر پھونک دیا۔

"تم اسلام کے محسن و مددگار ہو، تم سے زیادہ اس کی نیابت و قیادت کا حقدار اور کوئی نہیں، اگر اس وقت خلافت کیلئے کوشش کر لو تو آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔"

سادہ مزاج انصار وقتی طور پر اس خوش رنگ نعرہ کے فریب میں آ گئے چونکہ واقعی اسلام کی درخشاں خدمات کے اعزاز سے بہرہ ور تھے اس لئے سمجھ بیٹھے کہ خلافت کیلئے دعویٰ کرنا غیر مناسب نہیں۔ عویم اور معن بن عدی اسی وقت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سر ابھارنے والے اس نئے فتنے

کے خدوخال سے آگاہ کیا [11] منافقین اور مخالفین اسلام کی نیتوں سے آپ بخوبی واقف تھے، سمجھ گئے دشمن نے موقعہ کی نزاکت کو بھانپ لیا ہے۔ مگر اس وقت سستی کرنا، اور سب کچھ حالات کے سپرد کر کے بیٹھے رہنا، قومی خودکشی اور اس کی مکمل تباہی کے مترادف ہے۔ چنانچہ بلا توقف اٹھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا۔ انصار کی چوپال سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچے وہاں حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہونے کی وجہ سے چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، جناب زید بن ثابت اور حباب بن منذرِ جیسے ذی عزت اور مقتدر حضرات بھی موجود تھے۔

حباب بن منذر نے جب مہاجرین کے عظیم نمائندوں کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا،

"مہاجرین کا امیر اپنا ہو گا ہم اپنا امیر انصار سے چن لیں گے،" [12]

ابھی ان کی آواز فضا میں گونج ہی رہی تھی کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں حباب کی تائید کی۔

انا جذیلها المحکک و عذیقها المرجب [13]

میں خلافت کی اہلیت رکھنے والا، اور اسکی ذمہ داریوں کو سنبھالنے والا دانا و توانا شخص ہوں۔ ع م

جناب صدیقِ اکبر نے جب ان دو سرداروں کی گفتگو سنی تو سمجھ گئے معاملہ نازک صورت

حاشیہ

[13] عربی زبان میں جذیل محکک لکڑی کے اس مضبوط تنے کو کہا جاتا ہے جسے خارش زدہ اونٹوں کیلئے زمین میں نصب کر دیتے ہیں، اور اونٹ اس کے ساتھ اپنا جسم رگڑ کر راحت پاتے ہیں۔

عذیق مرجب وہ شاخ ہوتی ہے، جسے میوہ دار ٹہنی کے نیچے سہارا دینے کیلئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ شاخ پر میوہ جھکنے نہ پائے۔

یہ بلیغ محاورہ استعمال کرنے سے جناب سعد کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس منصب جلیل کیلئے ہر لحاظ سے موزوں اور اہل ہیں۔

[11] البدایہ، ۵: ۲۴۶۔ [12] ایضاً، ۵: ۲۴۷ [13] البدایہ، ۵: ۲۴۶

اختیار کر گیا ہے۔ اور اسلام کے دشمن، مسلمانوں میں نفاق و انتشار کا بیج بونے کیلئے ان مقدس لوگوں کو اپنا آلہ کار بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اب یہاں ایسے حقائق سے پردہ اٹھانے کی ضرورت ہے جو انہیں تسلیم ہوں، اور اپنی فطری سلامت روی کے باعث یہ انہیں قبول کر لیں۔

چنانچہ آپ نے فرمایا:

اکابرینِ انصار! آپ اتنی جلدی اتنا اہم فیصلہ نہ کریں۔ یہاں صرف انصار ہی کا نہیں بلکہ سارے عرب، عالم اسلام اور اس کے مستقبل کا سوال ہے۔ اس منصب کیلئے ایسی ہر دلعزیز شخصیت کی ضرورت ہے جو سب کیلئے یکساں قابلِ قبول ہو، اور یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ مہاجرین اپنے گوناگوں فضائل کی وجہ سے آپکی قیادت تسلیم نہیں کریں گے اس طرح فتنہ فساد برپا ہوگا۔ آپ اپنے فیصلے پر نظرثانی کریں اور اسلام کیلئے خلفشار کا بیج نہ بوئیں جسے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔

حاشیہ

غسل و تکفین کے وقت صدیق و فاروق، سقیفہ کیوں پہنچے؟

انصار مدینہ نے اسلام اور مہاجرین کی، جس خلوص اور بے مثال قربانی کے ساتھ خدمت کی تھی۔ اور اس کے ساتھ وہ قبائلی سیاست اور انتظامی شعور سے بھی بہرہ ور تھے، ان نمایاں خدمات اور صلاحیتوں کے ہوتے ہوئے، ان کے دل میں حصول خلافت و نیابت کا خیال پیدا ہو جانا ایک فطری بات تھی، لیکن ان کی حکومت کے قیام کے ساتھ جو مفاسد رونما ہوتے ملکی امن و امان تباہ ہوتا۔ اور ملک کو ہر طرف سے خطرات و تصادم کے شعلے اپنی لپیٹ میں لے لیتے، اور کوئی طریقہ کارگر نہ ہوتا اس کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پورا احساس تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے عرب قریش کے سوا کسی کی بالادستی اور حکمرانی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے۔ اس لئے جب معلوم ہوا کہ انصار جمع ہو رہے ہیں تو دونوں حضرات لپک کر وہاں

انصار ایک لمحہ کیلئے ورطۂ حیرت وتفکر میں ڈوب گئے، یہ رخ ان کی نظر ول سے اوجھل ہی ہوگیا تھا۔ وہ اس اسلام کیلئے ابتلاء و آزمائش کا سبب بننا کسی طرح گوارا نہ کر سکتے تھے جسے انہوں نے جان وجگر کی بازی لگاکر پروان چڑھایا تھا۔ چنانچہ بر وقت ہوش میں آگئے، سب سے پہلے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گویا ہوئے جو اس نکتے کی گہرائی تک پہنچ چکے تھے۔

حاشیہ

پہنچے اور انہیں بڑی دانشمندی وتدبر سے تمام نشیب وفراز اور ضد کی صورت میں اس پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا، اللہ کا کرم ہوا حضرات انصار کے ذہن میں یہ بات آگئی، وہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئے اور اپنی خلافت کا خیال دل سے نکال کر بڑی فراخ دلی اور جوش ایمانی سے اپنے مہاجرین وقریشی بھائیوں کی اطاعت کے آگے سر خم کرنے کیلئے آمادہ ہوگئے۔

حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کارنامہ، ان کے تدبر وشعور گہری فراست اور حکمت عملی کا زندہ اور جاندار ثبوت ہے اور ان کی معاملہ فہمی و باریک بینی اور دقت نظر پر دلالت کرتا ہے مگر حیرت ہے کچھ ذہن اس عظیم تاریخی کارنامہ کی اہمیت گھٹانے اور عمرین کریمین کی موثر وفعال شخصیت کا تصور دھندلانے اور ان کا امیج خراب کرنے کیلئے، اسے غلط، مکروہ اور منفی رنگ میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

جب جسدِ اطہر غسل وتکفین کیلئے رکھا ہوا تھا، اور تدفین کی رسومات کی تیاریاں ہورہی تھیں، اس نازک وقت میں وہ سب کچھ چھوڑ کر سقیفہ بنو ساعدہ میں کیوں پہنچے اور غسل وتکفین میں کیوں حصہ نہ لیا؟"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر بات میں رنگ بھر کر واقعہ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے تو نہ صرف اس کی حیثیت ختم ہو جاتی اور صداقت وواقعیت کی روح مجروح ہو جاتی ہے، بلکہ یہ ان مخلص اور بے غرض محسنوں کی سیمیں پیشانی پر ایک بدنما دھبہ اور نہ مٹنے والا داغ بھی بن جاتی ہے۔

باقی حاشیہ آگے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، مہاجرین کے ساتھ نسبی تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں ان کی سیادت تسلیم ہے، ہم جس طرح پہلے دین کے انصار تھے، اب بھی دین کے انصار اور خادم بن کر ہی رہیں گے، ہمیں خلافت و امارت کی کوئی طلب نہیں۔

فنحن انصار اللہ کما کنا انصار اللہ[14]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قائل کرنے کے لئے فرمایا:

آپکو یاد ہوگا ایک مرتبہ آپکی موجودگی میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش ولاۃ ھذا الامر[15]

خلافت کی ذمہ داری قریش ہی کو سونپی جا سکتی ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے یہ ارشاد اچھی طرح یاد ہے

حاشیہ

لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس اعتراض کی آب و تاب، صرف سخن سازی اور مغالطہ آمیزی ہی کی مرہونِ منت ہے، جسے ایک حقیقت شناس، حالات پر گہری نظر رکھنے اور حقائق و واقعات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ذہن کیلئے حل کر لینا کچھ مشکل نہیں۔

کیونکہ یہ بڑی سادہ سی بات ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل و کفن کا انتظام کرنا بہرحال بنو ہاشم اور اہل بیت نبوی کی ذمہ داری اور انہی کا کام تھا ان کے سوا کوئی اس فرض میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لئے غسل کے وقت باقی تمام حضرات باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس غمناک و دل گیر ماحول میں پتہ چلا کہ انصار سقیفہ میں جمع ہو رہے ہیں۔ اور اپنی بے پناہ خدمات کے زیر اثر ان میں حصول خلافت کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ تو جناب صدیق و عمر یہ سن کر موہوم و متوقع خطرات کے تصور سے بے قرار ہو گئے امت کی راہ میں پیدا ہونے والی ایک ہولناک مشکل کے خیال نے پریشان کر دیا کسی توقف اور سستی کے بغیر اٹھے سقیفہ میں پہنچے۔

[14] بخاری ۱، ۵۱۸، من فتح الباری۔ [15] فتح الباری، بخاری ۱، ۵۱۸، البدایہ والنہایہ ۵: ۲۴۷

حضرت صدیق اکبر نے فرمایا جب یہ تمام حقائق آپکے علم میں ہیں تو پھر آپ اس نہج سے ہٹ کر کیوں سوچ رہے ہیں، اب ہوش میں آئیں، دیکھیں ابوعبیدہ اور عمر فاروق جیسے مدبر و جہاندیدہ قریشی بزرگ آپکے سامنے موجود ہیں، ان کی بیعت کر لیں۔

جناب فاروق اعظم نے جواب دیا، جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں، اس کا سربراہ بنتے ہوئے مجھے تو شرم آتی ہے، میری کیا مجال ہے ایسے قابل و فائق شخص کے ہوتے ہوئے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھال لوں، البتہ آپ سے بڑھ کر اس منصب جلیل کا کوئی اہل نہیں، اس لئے میں سب سے پہلے شرف بیعت حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہوں۔



صفحہ گذشتہ کا حاشیہ

اور انصار کرام کو سمجھا بجھا کر صحیح موقف کا قائل کر لیا اور اپنی ہوشمندی، بیدار مغزی اور دوراندیشی سے ان تمام خطرات کا راستہ بند کر دیا، جو افتراق و انتشار، نفاق و حسد اور فتنہ و فساد کا در مفتوح بن سکتے تھے اگر یہ حضرات کرام سستی کرتے اور مغموم و دل گرفتہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے رہتے، اور دوسری طرف اکابر انصار اپنا امیر منتخب کر لیتے، یا بالفرض بعد میں حق خلافت سے دستبردار نہ ہوتے، تو ملکی اور انتظامی امور میں جتنی دشواریاں اور الجھنیں پیش آتیں آسانی سے ان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اس مفسدہ اور مصیبت پر قابو پانے اور سر ابھارنے سے پہلے اس کا سر کچلنے کا سہرا بہرحال حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فطانت و مآل اندیشی اور حکمت عملی کے سر ہے، کہ انہوں نے شر و فساد کے بھیانک عفریت کو بوتل سے نکلنے ہی نہ دیا، اور اعلائے کلمۃ اللہ خدمت اسلام اور فلاح امت کے خالص دینی جذبے کے تحت، بڑی بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے، وقت ضائع کئے بغیر مجمع انصار میں پہنچ کر حالات پر قابو پا لیا۔

باقی حاشیہ آگے

جناب عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اکابرین انصار بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آگیا۔ سارے شہر میں آپکے انتخاب کی دھوم مچ گئی، لوگ مطمئن اور پرسکون ہو گئے کیونکہ یہ انتخاب توقعات کے عین مطابق اور ہر لحاظ سے موزوں ترین تھا۔ چنانچہ دوسرے روز جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمومی بیعت لینے کیلئے ممبر پر جلوہ فروز ہوئے تو لوگ پروانہ وار لپک پڑے۔



حاشیہ

مسئلہ خلافت کو اہمیت دینے کی وجہ

خلافت کے مسئلہ کو اہمیت دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک تک اسلام ایک نظام اور دستور حیات کی حیثیت سے ملک میں نافذ ہو چکا تھا۔ اور ایک ریاست کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ چونکہ اس اسلامی، فلاحی اور ربانی مملکت کے قیام سے کئی طاغوتوں اور فرعون سرشت لوگوں کی امیدیں اور حسرتیں تشنۂ تکمیل رہ گئی تھیں۔ ان کی آرزوؤں کے پھول مرجھا کر ان کی نامرادی کے گلے کا ہار بن گئے تھے۔ اور وہ اس ملک پر اپنی حکومت واقتدار کے جو حسین خواب دیکھا کرتے تھے وہ پریشان ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ ریاست اپنی قائم ودائم صورت میں انہیں بالکل نہیں بھاتی تھی۔ وہ اسکی تخریب دنباہی کے درپے رہتے تھے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرت سے ان کے منصوبے پوشیدہ نہیں تھے۔ چونکہ ایسے منافقین کو ریشہ دوانیوں کیلئے اس سے زیادہ زریں موقعہ میسر نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے متوقع خرابیوں کے وجود میں آنے سے پہلے ہی جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ موقعہ واردات پر پہنچ گئے۔ اور انصار کو سمجھایا اور غلط عناصر کا آلہ کار بننے سے روکا اس طرح ان لوگوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ جو ان کی عدم موجودگی میں انصار یا کسی اور کے جذبات بھڑکا کر اسلام کی ترقی اور وسعت سے انتقام لے سکتے تھے۔ (باقی حاشیہ آگے

اس موقعہ پر ان حضرات سے سب سے پہلے جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا۔

اے اکابرین قریش و انصار!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ اب آپ کے جانشین و نائب کی حیثیت سے حضرت ابوبکر کو چن لیا گیا ہے۔ آپ نماز کے ساتھی اور مصاحب خاص ہیں انکے فضل و کمال کے تعارف کی ضرورت نہیں اس لئے آگے بڑھو، اور بیعت کر و[16]

حاشیہ

ایسے حضرات سے بھی خطرہ تھا جو حال ہی میں اسلام لائے تھے۔ اور جن کے مزاج سے قبائلی عصبیت اور خاندانی نخوت نہیں گئی تھی۔ وہ اپنے مزاج کی افتاد اور جبلت کے ردّ عمل سے مجبور ہو کر کوئی غلط فیصلہ کر کے نئے فتنوں کا پہاڑ کھڑا کر سکتے تھے۔ اس کی ایک مثال حضرت ابوسفیان کی وہ تجویز بھی ہے۔ جو آپ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کی تھی کہ اگر آپ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے خلافت حاصل کرنے کیلئے قوت کے طلبگار ہوں تو میں جنگ آزما سواروں سے یہ وادی بھر سکتا ہوں۔

مگر جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھڑک دیا۔ کہ تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کے مفاد میں نہیں ہے، میں اس قسم کی فوجی قوت کا خواہش مند نہیں ہوں تمام مسلمان ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ چاہئے ان کے اجسام اور دیار دور، دور ہوں مسلمانوں کے سر کاٹنا تو منافقین کا شیوہ ہے ہمارے نزدیک جناب ابوبکر اس منصب عظیم کے بخوبی اہل ہیں۔ اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم ان کو کبھی یہ منصب نہ سونپتے (الاستیعاب ۲: ۶۸۹)

انہی پیش آمدہ خطرات کا احساس کرتے ہوئے جناب ابوبکر نے قطعی تساہل سے کام نہ لیا۔ اور سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع کی خبر سن کر اس خطرہ سے امت

(باقی حاشیہ آگے)

[16] البدایہ والنہایہ ۵: ۲۴۸

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے تو پوچھا۔

اے نبی اکرم کے حواری اور پھوپھی زاد بھائی!

کیا آپ بیعت نہیں فرمائیں گے۔ کیا مسلمانوں میں تفرقہ و اختلاف پیدا کرنے کا ارادہ ہے۔

حاشیہ 

کو بچانے کے لئے وہاں پہنچنا اپنا فرض سمجھا۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی وہاں حاضری بڑی مبارک ثابت ہوئی۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اچانک انتخاب عمل میں آیا۔ وہ بے مثال انتخاب ثابت ہوا۔ جس نے امت کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا۔

فوری انتخاب کا سبب

اس فوری انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ جناب صدیق اکبر کی مقناطیسی اور ہر دلعزیز شخصیت پہلے ہی سب کے دلوں میں کھبی ہوئی تھی۔ وہ آپ کی ذاتی خوبیوں سے آگاہ تھے۔ پھر آپ کے فضائل و خصائل بھی ان سے پوشیدہ نہ تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ امامت کیلئے آپ کو مصلے پر کھڑا کیا تھا۔ ابی اللہ والمومنون کہہ کر اہل فہم کو کتنا بتا دیا تھا۔ کہ نیابت انہی کا حق ہے۔ پھر اسلام میں اولیت و سبقت کی سعادت بھی آپکو حاصل تھی اس لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کسی کو تردد نہ ہوا بلکہ اس انتخاب پر وہ بے حد خوش ہوئے۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خلافت کی خواہش نہ تھی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق صرف قریش سے خلیفہ کا انتخاب چاہتے تھے۔ سقیفۂ بنو ساعدہ میں بھی وہ اسی جذبے کے ساتھ آئے تھے کہ کہیں غیر قریشی کا انتخاب عمل میں نہ آجائے۔ جس کے باعث بعد میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مگر آپ کے تقویٰ و طہارت اور شخصیت و فضیلت کے سامنے کسی کی ہستی جچتی ہی نہیں تھی۔ جسکی وجہ سے نگاہ انتخاب آپ ہی کی طرف اٹھ گئی۔ آپ نے بھی یہ بوجھ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا،

یا خلیفۂ رسول اللہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ پھر حضرت زبیر نے بیعت فرمائی۔

اسی طرح جناب شیر خدا مولا علی رضی اللہ عنہ نے بھی کسی جبر و تکدر، بدمزگی اور کراہت کے بغیر، بدل و رغبت بیعت فرمائی۔ ۱۷ے

حاشیہ

اسی لئے اٹھایا تاکہ شور و شر کا دروازہ بند ہو جائے۔ اور کچھ دیر پہلے جو حادثات متوقع ہو گئے تھے۔ ان کا امکان نہ رہے۔

انہ رضی اللہ عنہ انما قبل الامامۃ تخوفا ان یقع فتنۃ اربی من ترکہ قبولھا (البدایۃ ۵ : ۲۴۸)

سیدنا مولا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی ڈر سے خلافت قبول کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔

واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیھا وحملتمونی علیھا (نہج البلاغۃ ۳۴۷، ۵۱۹)

(خدا کی قسم مجھے خلافت کی کوئی رغبت اور حکومت کی خواہش نہ تھی البتہ تم نے مجھے اسکی دعوت دی اور یہ بوجھ مجھ پر لاد دیا۔)

جب حالات ایسے ہوں کہ عہدہ امارت قبول نہ کرنے سے شر و فساد کا اندیشہ ہو تو ایسے موقعہ پر امارت قبول کرنا اہل اللہ کی سنت رہی ہے۔

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے ایسے موقعہ پر خود کہہ کر منصب لیا تھا۔

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم

(اے عزیز مصر! مجھے زمینی خزانوں کا مالک بنا دے۔ میں دیانت دار اور اور دانا و علیم مدبر ہوں۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تسئال الامارۃ فانک اذا اوتیتھا عن مسئلۃ وکلت الیھا

۱۷ے البدایہ والنہایہ ۵ : ۲۴۹

(باقی حاشیہ آگے)

غسل وتدفین

اہل بیت کرام کیلئے فرمانِ نبوی یہ تھا کہ بذات خود غسل دیں۔ اس کام میں فرشتوں کی معاونت بھی شامل ہوگی۔ تین سفید کپڑوں میں تکفین کا انتظام کریں۔ جہاں وصال ہو

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ)

وان اوتیتھا عن غیر مسئلۃ اعنت علیھا: بخاری ۱۰۵۸

{حکومت کی طلب نہ کر کیونکہ جب طلب کے ساتھ ملے گی تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی خدا کی طرف سے اعانت شاملِ حال نہ ہوگی۔ اور جب تجھے بے طلب ملے گی تو خدا کی طرف سے تجھے اس کی ذمہ داریاں نباہنے کی طاقت بھی نصیب ہوگی۔}

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے طلب و خواہش خلافت کی ذمہ داری ارزانی ہوئی۔ فرمودۂ نبوت کے مطابق قدرت خداوندی نے ہر قدم پر ان کی دستگیری فرمائی اور عنایات و توفیقات سے اس طرح نوازا کہ ڈھائی سالہ عہد خلافت برکات و سعادات کی علامت کبریٰ بن گیا



ضروری نوٹ ۱۷

شیعہ ذہن اس ناقابل تردید، روشن حقیقت کے قبول و تسلیم سے انکاری ہے اسے مطمئن اور مسلمہ دلائل سے قائل و آگاہ کرنے کیلئے "قصۂ فدک اور بیعت حضرت علیؓ" میں اس موضوع پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمومی بیعت میں شرکت کی تھی جو سقیفہ بنو ساعدہ کے بعد لی گئی، پھر آپ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کی عیادت میں مصروف ہو گئے اور چھ ماہ اسی طرح بیت گئے جس سے بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ آپ نے بیعت نہیں کی، چنانچہ آپ نے تجدید بیعت کے ساتھ یہ غلط فہمی دور کر دی

اسی جگہ دفن کریں ۔ جسد اطہر قبر کے پاس رکھ کر کچھ دیر کیلیے وہاں سے ہٹ جائیں، یہاں فرشتے نماز درود کا ہدیہ پیش کریں گے ۔ پھر اہل بیت کے بعد تمام لوگوں کو اجازت ہو گی۔ کہ گروہوں کی صورت میں الگ الگ صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کریں ۔ اس کے بعد خواتین یہ سعادت حاصل کریں گی ۔ اور آخر میں بچے داخل ہونگے [18]

ارشاد نبوی کے مطابق مولا علی جناب عباس اور ان کے دونوں صاحبزادے جناب قثم اور فضل اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چہیتے صحابی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک غلام صالح کمرے میں داخل ہوئے ۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ ایک انصاری حضرت اوس نے دیوار کے پیچھے سے رقت بھرے لہجے میں التجا کی، "اے حضرات والا تبار !! کچھ ہماری خدمت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے ۔ حضور نبی کریم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کی سعادت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے۔۔ جناب علی المرتضے کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کو بھی اندر بلا لیا ۔ [19]

عرس نامی کنویں سے پانی لایا گیا ۔ بیری کے پتے ڈال کر اسے ابالا گیا، اب وہ نازک مرحلہ آیا جس کے لئے قدم قدم پر رہنمائی کی ضرورت تھی ۔ ان کے سامنے کوئی عام جسد پاک نہیں تھا۔ جس کے کپڑے اتار کر عام دستور کے مطابق غسل کی رسم ادا کر دیتے ۔ ان کے سامنے بے مثل نبی اکرم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسم قدس پڑا تھا۔ جس کی شان جلالت و منفرد شوکت و حشمت اور ہر لحاظ سے بلند و بالا حیثیت سے بخوبی آگاہ تھے ۔ اس لئے بحر تفکر میں غوطہ زن ہو گئے ۔ لیکن غیبی معاونت نے مسئلہ حل کر دیا ۔ فرمودہ نبوی کے مطابق یقیناً فرشتے عقیدت و احترام کے تمام تقاضوں کے ساتھ وہاں موجود تھے ۔

آواز آئی ! لاتجردوا عن رسول اللہ قمیصہ [20]

(حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص اتارنے کی جرأت وکوشش مت کرو)

اس واضح ہدائیت واشارہ کے بعد حضرت عباس نے چادر تان لی حضرت اسامہ

---

[18] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۵۳ ۔ [19] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۶۰
[20] ایضاً

اور صالح جن کو شقران بھی کہتے ہیں۔ جسم اطہر پر پانی ڈالنے لگے۔ مولا علی نے قمیص کے نیچے ہاتھ ڈال کر ملنا شروع کر دیا۔ جناب عباس، فضل اور قثم جسم اقدس کو منقلب کرنے میں ان کا ساتھ دیتے رہے۔ بڑے ادب، انتہائی احتیاط و احترام اور محبت و پیار کی انتھاہ گہرائیوں کے ساتھ ان یاران سعادت مند نے غیرت مہر وماہ اور رشک بہار و نکہت پیکر نور کو غسل دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جمال و کمال کی تمام ترادائوں کے ساتھ طہارت و نظافت کی بے مثال و بے نظیر شان دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ آخر ان کی زبان انور سے نکل ہی گیا۔ بابی ما اطیبک حیا و میتا [21]

(میرے ماں باپ نثار! آپ عالم دنیا اور عالم برزخ کی دونوں زندگیوں میں کس قدر پاکیزہ و لطیف اور طیب و طاہر ہیں۔)

پھر جسم اطہر کو خشک کر کے تین سفید کپڑوں کا کفن پہنایا گیا۔ اس اہم فرض سے فراغت پر سوال پیدا ہوا کہ تدفین کہاں عمل میں آئے؟ بعض احباب کی رائے یہ تھی جنت البقیع موزوں ترین جگہ ہے۔ جہاں آپ کے رشتے دار پہلے ہی مدفون ہیں۔ مگر یہاں مسئلہ انفرادی شان کا تھا۔ آخر یہ مسئلہ بھی نبی اکرم علیہ اطیب الثناء کا ارشاد گرامی ہے۔

لا یقبض النبی الا فی احب الامکنۃ الیہ [22]

"جو مقام اللہ کے نبی کو بہت محبوب ہو۔ اس کا وصال وہیں ہوتا ہے"۔

اس اصول خاص کے مطابق حجرہ عائشہ ہی میں قبر تیار کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اب پھر یہ سوال اٹھا کہ قبر کس شکل کی تیار کی جائے؟ کیونکہ وہاں دو قسم کی قبور بنانے کا رواج تھا۔ حضرت ابوطلحہ لحد والی قبر تیار کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ضریح بنایا کرتے تھے۔ حضرت عباس نے دونوں کی طرف آدمی روانہ کر دیئے اور دعا کی یا اللہ! تجھے اپنے محبوب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جس قسم کی قبر محبوب ہو۔ اسی قسم کی قبر تیار کرنے والا آدمی ملا دے۔

چنانچہ حضرت طلحہ ملے اور انہوں نے حجرہ پاک میں ملحد قبر تیار کی جسم پاک قبر کے

---

[21] ایضاً ۵: ۲۶۱ - [22] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۶۶

کنارے رکھ دیا گیا۔ پھر ہدائت کے مطابق ملائکہ رحمت کو درود وسلام کے مہکتے گلدستے پیش کرنے کی مہلت دی گئی۔ اس کے بعد اہل بیعت کی باری آئی۔ عام مومنین کے بعد خواتین و صبیان نے سلام عقیدت کے نذرانے گزارے۔

یہی درود وسلام نمازِ جنازہ کے قائم مقام تھا۔ یہ نماز اس معروف صورت میں ادا نہ کی گئی جیسی کہ مروج ہے اور نہ ہی کسی کو امامت کی خدمت سونپی گئی۔ بلکہ نیاز مند حجرے کے ایک دروازے سے اندر آتے اور صلوٰۃ وسلام پیش کر کے دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔

اس تصور و عقیدے کے ساتھ کہ ہمارے عظیم نبی زندہ و باحیات ہیں، سلام محبت اور خراجِ عقیدت پیش کرنے والے کثرت سے آتے رہے۔ چونکہ ہجوم مشتاقاں کثیر تھا۔ اس لئے صلوٰۃ وسلام کا یہ سلسلہ پیر کی دوپہر سے لیکر منگل کی شام تک کسی توقف اور رکاوٹ کے بغیر جاری رہا۔ آخر منگل کی شام بھی ڈھل گئی۔ اور تدفین کی تیاری کرتے کرتے آدھی رات گزر گئی۔

نصف شب کے بعد وہی حضرات قبر میں اترے جنہوں نے غسل دینے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی تھی۔ دستورِ شریعت اور قانونِ الٰہی کے مطابق مسنون طریقے سے کمال احترام و عظمت کے ساتھ تدفین کی تمام اسلامی رسوم بجالائے۔ ایک انصاری نے دھڑکتے دل اور جذبات سے چھلکتی آنکھوں کے ساتھ لحد کے اوپر نو اینٹیں نصب کیں۔ اور پھر باہر آ گئے۔ دردِ غم سے پھٹ جانے والے سینوں میں آہیں دبا کر، دیدۂ اشکبار کے ساتھ مٹی ڈالی۔ کوہان کی صورت میں قبر بنائی اور وارفتۂ عشق نبوی جناب بلال مؤذن و مقربِ نے پانی کا چھڑکاؤ کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں۔

مَاعلمنا بدفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی سمعنا صوت المساحی من جوف اللیل من لیلۃ الاربعاء [۲۳]

۲۳؎ البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۷۰

(ہمیں تدفین کا علم اس وقت ہوا جب ہم نے منگل کے بعد بدھ کی رات کو نصف شب بیتنے کے بعد بیلچے چلنے کی آواز سنی۔)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں۔

سحری کے وقت حضرت بلال نے جب فجر کی اذان کہی تو غم سے کلیجے پھٹ گئے۔ مسجد سے ہر طرف سے آہ و فغاں اور گریہ و زاری کی آوازیں آنے لگیں۔ سارا مدینہ ہل گیا۔ اور لوگ اس طرح روئے گویا صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمرے میں واپس آئے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے اس سوال نے ان کا جگر پارہ پارہ کر دیا۔ کہ

"اے انس! اپنی محبت کی متاع گراں بہا دفن کر کے تم واپس کیسے آ گئے"؟

ایک روائت میں ہے۔ آپ نے درد نہاں کا اظہار اس طرح فرمایا۔

تمہارے دلوں نے مجسم رعنائی و زیبائی نورانی ذات پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کیا؟[25]

پھر غم و اندوہ کے کوہ گراں تلے دبا ہوا دل لئے آپ تربت شریف پر حاضر ہوئیں قبر شریف کی مٹی لیکر آنکھوں سے لگائی۔ اور بے تحاشا رونا شروع کر دیا۔ اسی عالم میں درد و سوز میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار زبان مبارک پر جاری ہو گئے۔

ماذا علی من شم تربة احمد

ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

جس نے احمد پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تربت اطہر کی مٹی سونگھ لی ہے۔ اب اگر زندگی بھر وہ کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی حرج اور ضرورت نہیں۔

صبت علیّ مصائب لو انها

صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر اتنی کٹھن مصیبتیں ٹوٹی ہیں۔ جو اگر روشن دنوں پر ٹوٹتیں تو وہ تاریک راتوں میں تبدیل ہو جاتے

۲۵؎ بخاری ۲، ۱۴۱، ۶ ۔ ۲۶؎ شواہد الحق، ۹۴: ۴۹ الانوار المحمدیہ ۵۹۳

چوتھا باب

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

آپ کا وصال اور تدفین

ا:۔ سوانح و فضائل ب:۔ مقام صدیق
ج:۔ سیاسی اور دینی بصیرت د:۔ صدیق و علی رضی اللہ عنہما کے باہمی روابط

(۱) قصہ فدک

(۲) فدک کا پس منظر

ا:۔ قومی آمدن ب۔ صداقت نبوت ایک علامت
ج:۔ اسلام سے خوفناک انتقام د:۔ رائی کا پربت
ھ:۔ مسئلہ فدک کا بگاڑ و:۔ صداقت و عصمتِ نبوت پر حملہ
ز:۔ تحریک اسلامی پر ناکامی کا الزام
ح:۔ اہل بیت کی توہین ط:۔ عنکبوتی دلائل کا جواب
ی:۔ آئیت قرابت کا جواب ک:۔ آئیت وراثت کا جواب
ل:۔ آئیت وصیت کا جواب

(۳) وصال سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا

(۴) بیعت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۱۔ بیعت کے حق میں حقائق وشواھد
۲۔ اقرار بیعت ۳۔ تجدید بیعت
۴۔ اعتراف فضل وکمال ۵۔ بیعت سے بے رغبتی
۶۔ بیعت میں اکراہ کا فسانہ اور واقعات کی روشنی میں اس کا تجزیہ

(۵) وصال و تدفین

سوانح و فضائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ حق کے بعد امت کی متفقہ رائے عامہ نے منشائے الٰہی اور ارادۂ نبوی کے عین مطابق، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ رسول اور نائب حق کی حیثیت سے انتخاب کیا۔

ارشادِ نبوی ہے۔

لاینبغی لقوم فیھم ابوبکران یؤمھم غیرہ [1]

"کسی قوم کے لئے جائز نہیں ہے، ان میں ابوبکر ہوں اور کوئی دوسرا امام بنے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چند پشتوں کے بعد حضور نبی کریم کے مبارک سلسلہ نسب کے ساتھ مل جاتا ہے، آپ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو ڈھائی سال چھوٹے تھے، اور اسی محلے میں سکونت در ہائش رکھتے تھے، جس میں کاشانۂ نبوی تھا، ہمسائیگی اور رشتہ داری کے باعث بچپن ہی سے جان پہچان اور دوستی ہوگئی تھی جس نے زمانۂ شباب میں باہمی محبت اور پائیدار الفت کی صورت اختیار کر لی فکری سلامت روی، کردار و عمل کی یکسانی تلاش حق، جستجوئے یار، کفر آلود ماحول سے نفرت اور ایک صحت مند انقلاب لانے کی تڑپ، اور ایسی ہی دیگر مشترک اقدار نے اس محبت کو نقطۂ عروج پر پہنچا دیا تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایثار اور پرخلوص رفاقت کے ساتھ، دم واپسین تک اس عہد وفا کو نبھایا، جس کا اعتراف خود حضور محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔

مالاحد عندنا ید الا وقد کافیناہ ماخلا ابابکر فان لہ عندنا ید یکافئہ اللہ یوم القیامہ [2]

"ہم نے صدیق اکبر کے سوا سب کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے اس کا احسان

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب۔ [2] ترمذی، ۲: ۲۰۷

باقی ہے، قیامت کے دن اللہ کریم اس کی جزا دیں گے۔"

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس محبت کا جواب، ویسی ہی محبت ادا ئیت کے ساتھ دیا، چنانچہ کوئی دن نہ گزرتا تھا کہ صبح و شام اپنے اس حبیب لبیب کے گھر رونق افروز نہ ہوتے ہوں ۳ے

الفت صدیق کی معراج یہ ہے کہ

ایک روز محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک ناساز دیکھ کر خود بیمار ہوگئے پھر جب قدسی مسیحا، تیمارداری کیلئے ان کی بالیں پہ تشریف لائے تو روئے زیبا دیکھ کر صحت یاب ہوگئے۔ اور وارفتگی میں یہ شعر پڑھنے لگے۔

مرض الحبیب فزرتہ فمرضت من اسفی علیہ
شفی الحبیب فزارنی، فشفیت من نظری الیہ

"دوست بیمار ہوا تو میں گیا، اس کی حالت دیکھ کر، غم سے خود بستر پر گر گیا وہ شفایاب ہوکر میری تیمارداری کیلئے آیا۔ تو اسے دیکھ کر میں بھی تندرست ہوگیا"، ان کے عہد محبت و وفا کی داستان ساری زندگی پر محیط، اور رفاقت و صداقت کی تاریخ بہت طویل، درخشاں اور قابلِ رشک ہے، جس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ نصِ قطعی میں اسکی شہادت اور ہماری گواہی موجود ہے یعنی

اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا ۴ے

دونوں غارِ ثور میں تھے اور نبی اپنے صحابی اور ساتھی سے
کہہ رہے تھے، دل گیر نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ صدیقی رفاقت ہی کی شان ہے، کہ جو اس کا انکار کرے، وہ ایمان و ایقان سے اپنا حصہ کھو بیٹھتا ہے۔ امت کے اہل فقہ و علم کا فیصلہ ہے۔

من انکر صحبتہ ابی بکر فقد کفر لانکارہ۔ کلام اللہ ۵ے

جس نے صدیق اکبر کی صحابیت کا انکار کیا وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے کلام اللہ کا انکار کیا۔

۴ے سورہ التوبہ، آیت ۴۰ ۵ے عمدۃ القاری، ۱۶: ۱۷۳ ۳ے بخاری، ۶۸

اجمع المفسرون علی ان المراد بصاحبه فی الآیۃ ھو ابو بکر
وقد قالوا من انکر صحبۃ ابی بکر کفر لانہ انکر النص الجلی۔

"مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت میں "صاحبہ" سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ انکی صحابیت کا منکر کافر ہے، کیونکہ اس سے قرآن پاک کی نص صریح کا انکار لازم آتا ہے"۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کے پایۂ بلند، مقام خاص، قرب و حضور اور بارگاہ نبی میں آپکی عزت و منزلت کا اندازہ اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے

لوکنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر ولکن صاحبکم خلیل اللہ[6]

"اگر کسی کو اپنا خلیل خاص بنانا ہوتا تو اس اعزاز بخشی کیلئے صدیق اکبر کو منتخب کرتا لیکن تمہارے صاحب تو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں"۔

عمدۃ القاری میں ہے

خلیل، اس دائم الحضور، اور تصور و ادراک سے غائب نہ ہونے والے دوست کو کہتے ہیں جس کے سوا دل میں کسی کی گنجائش نہ ہو من لا یتسع قلبہ لسواہ نبوت کی شان رفیع کے پیش نظر، اس مفہوم و معنی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیل بن سکتے ہیں۔

لیکن خلیل کا ایک اور مفہوم بھی ہے جو ہمراز اور واقف اسرار ساتھی کا مترادف ہے اس مفہوم کے اعتبار سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیل ہیں چنانچہ عمدۃ القاری میں ابوالحسن سے ایک حدیث مروی ہے

انہ لم یکن نبی الا وقد اتخذ من امتہ خلیلا، وان خلیلی ابوبکر الا وان اللہ اتخذنی خلیلا۔ کما اتخذ ابراھیم خلیلا۔

ہر نبی اپنی امت میں سے ایک خلیل بناتا تھا، اور میرے خلیل ابوبکر ہیں۔ نیز اللہ پاک نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ جس طرح جناب ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔

---

[6] ترمذی ۲: ۲۰۷

مقامِ صدیق

حضورِ مربیٔ اعظم، معلمِ انسانیت، نبیٔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نگاہ خاص، خلت و محبت، طویل رفاقت، اور گہری مثالی دوستی ہی کا اثر تھا کہ حضرت صدیقِ اکبر کے ظاہر و باطن، فہم و بصیرت اور نقطۂ نظر میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا جس کے مظاہر و شواہد، اکثر دیکھنے میں آتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں کچھ ہدایا و تحائف پیش کئے، لیکن اس انداز سے کہ کسی کو پتہ نہ چلے اور ساتھ ہی عرض کی۔

للہ عزوجل عندی معاد

میں رضائے الٰہی کیلئے پھر بھی کچھ نہ کچھ پیش کروں گا۔

اتنے میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بھی نذرانہ، عقیدت لے کر حاضر ہوئے لیکن اسے پوشیدہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، اور ساتھ ہی عرض کی

یا رسول اللہ! هذه صدقتی ولی عند اللہ معاد

یہ میرا مال حاضر ہے، اور اس کا اجر میں اللہ تعالیٰ سے لوں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی پیشکش کے اس نمایاں فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ مابین صدقتیکما کما بین کلمتیکما۔

تم دونوں کے صدقات میں [قبولیت و پذیرائی اور اجر و ثواب کے لحاظ سے] اتنا ہی فرق ہے جتنا دونوں کے طریقۂ پیشکش اور اندازِ گفتگو میں ہے۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کیلئے فنڈ کی فراہمی کے موقعہ پر اپنا کل اثاثہ، سارا متاع و منال پیش کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ جواب دیا۔

ابقیت لہم اللہ و رسولہٗ

اہل خانہ کیلئے خدا اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

ے ترمذی ۔ بخاری، ۱۸۸

یہ صدیقی شان کا عکاس حسین جواب، آپ کی فراست و بصیرت کے زاویۂ خاص اور حکمت و بینش کے چشمۂ آبِ حیواں سے خاص طور پر فیض یاب ہونے کا مظہر و نمائندہ ہے۔ اسی طرح یہ زندگی آموز، حکمت سے لبریز ارشاد بھی آپ کے قربِ حق دوامِ حضور، اور مقام صدیقیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

یا معشر المسلمین! استحیوا من اللہ عزوجل فوالذی نفسی بیدہٖ انی لاظل حین اذھب الی الغائط فی الفضاء متقنعا بثوبی استحیاء من اللہ تعالیٰ ؎

اے اسلامی رفقاء و برادران!

اللہ تعالیٰ سے حیا کیا کرو، بخدا جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں جنگل میں حوائج سے فراغت کیلئے جاتا ہوں تو شرم و حیا کی وجہ سے چہرہ ڈھانپے رکھتا ہوں

سیاسی اور دینی بصیرت

نبوی تربیت نے دین کے معاملہ میں آپ کو بڑا حساس، جرات مند اور مداہنت ناپذیر بنادیا تھا دنیاوی معاملہ فہمی اور سیاسی شعور و تدبر کے ساتھ دینی بصیرت میں اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اول وہلہ میں اس نتیجے تک پہنچ جاتے جہاں اکابر کی نگاہیں دیر بعد پہنچتی تھیں۔

آپ کی ذات میں پوشیدہ اس جوہرِ فرد اور وصف خاص کا مظاہرہ اس وقت ہوا، جب آپ زیبِ اورنگِ خلافت ہوئے۔

شر پسند، جاہ طلب، اور فتنہ طراز ہر جگہ اور ہر معاشرے میں ہوتے ہیں، عہدِ نبوی ہی میں مسیلمہ کذاب، طلیحہ اسدی اور اسود عنسی جیسے کذاب پر پرزے نکالنے لگے تھے، وصال حبیب کے بعد، موقعہ غنیمت جان کر دعوائے نبوت کے ساتھ میدان میں آگئے کچھ لوگوں نے ادائیگی زکات سے معذوری ظاہر کی، اور کچھ آزاد طبع یا عصبیت زدہ، قانون کی بالادستی اور اصول کی حکمرانی سے بچنے کیلئے، فتنہ و فساد پر آمادہ ہوگئے، غرض شورش پسند اور ہنگامہ پرست بے قید عناصر نے مل کر قیامت

صغریٰ برپا کر دی۔

یہ وقت اتنا نازک اور حوصلہ شکن تھا کہ بڑے بڑے اکابر اور آہنی عزم و ارادہ رکھنے والوں کے پتے بھی پانی ہو گئے، اور انہوں نے فتنہ و فساد کی آگ فرو کرنے کیلئے وقتی طور پر ان لوگوں کے مطالبات ماننے اور انہیں بعض رعایات دینے کا مشورہ بھی دے دیا۔ مگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس رائے سے متفق نہ ہوئے اور اس شدید ردِ عمل کے ساتھ اس مشورے کی مزاحمت کی کہ

" منکرین زکوٰۃ اگر ایک رسی بھی روک لیں گے، جسے عہدِ رسالت میں ادا کیا کرتے تھے، تب بھی ان کے ساتھ قتال و جہاد کروں گا" ؎

کیونکہ آپکے نزدیک اسلام کے ایک اہم اور بنیادی رکن کا انکار، سارے دین، سارے نظام اور اس کی ساری تعلیمات کے انکار کے مترادف تھا۔

چنانچہ آپ نے منکرین کے خلاف فوجی کارروائی کی۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی طرف جرار لشکر روانہ کئے اور اعدائے دین کی سرکوبی کیلئے بے شمار دستے بڑی سرگرمی و مستعدی کے ساتھ ترتیب دئے، جن کی کامیابی نے آپکے موقف کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

صدیق و علی کے قلبی روابط

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقام ختم نبوت اور ارکانِ دین کے تحفظ کی اہمیت کا اس درجہ احساس تھا کہ نبوت و دین کے منکرین کے خلاف عساکرد افواج کی تیاری کے سلسلے میں بذاتِ خود مدینہ طیبہ سے باہر نکلے تاکہ انکی قیادت کر کے مخالفینِ اسلام کا استیصال کریں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر گھوڑے کی لگام تھام کر بڑے پیار سے آپکے جلو میں چلنے لگے اس ہم رہی و اندازِ رفاقت اور ہم رکابی نے محبت و خلوص کی ان کہی داستانوں کو جنم دیا، جو دوستی کی معراج اور وفا شعاری

؎ ترمذی۔ بخاری، ۱۸۸

کی حسین روائیت ہیں، جب آپ کو معلوم ہوا کہ لشکر کی قیادت کر کے تو دشمن کے مقابل جانا چاہتے ہیں تو اس فیصلے کو سیاسی حکمتِ عملی کے خلاف سمجھتے ہوئے یہ مشورہ دیا اور پھر اس پر اصرار کیا کہ

ان یرجع الی المدینۃ وان یبعث لقتال الاعراب غیرہ [8]

" مدینہ لوٹ چلیں اور دشمن کی سرکوبی کیلئے کسی اور موزوں شخص کو بھیج دیں "

ابن کثیر نے دارِ قطنی کے حوالے سے لکھا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا۔

الی این یاخلیفۃ رسول اللہ، شم سیفک ولا تفجعنا بنفسک وارجع الی المدینۃ فوالذی لئن فجعنا بک لایکون للاسلام نظام ابدا [9]

اے خلیفہ رسول! آپ کدھر جا رہے ہیں؟ تلوار نیام میں ڈال لیں، اور مدینہ واپس لوٹ چلیں، خدا کی قسم! اگر آپ کی ذات مبارک کو کچھ ہو گیا۔ تو پھر اسلام ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے کبھی نہ ابھر سکے گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مخلص یارِ وفاشعار کی بات مان لی، اور واپس تشریف لے آئے

مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں جو لشکر ترتیب دیا گیا، اس کے جرنیل حضرت خالد رضی اللہ عنہ تھے آپ نے اس کے گھر پہنچ کر اس عظیم و خطرناک فتنے کا سر کچلا اور میدانِ جنگ سے مالِ غنیمت کے ساتھ کچھ لونڈیاں مدینہ طیبہ روانہ کیں، ان میں سے ایک کنیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے حبیبِ لبیب ہم مشرب رفیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی مرحمت فرمائی، جسے حضرت شیرِ خدا کے نامور فرزند حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ الفت و محبت کی یہ پُر خلوص اور نہ مٹنے والی روائیتیں قائم ہوتی، اور الفت و یگانگت کی یہ حسین داستانیں مسلسل جنم لیتی رہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا۔ در و دیوار،

[8] البدایہ والنہایہ، ۶: ۳۱۵ [9] کامل ابن اثیر، ۲۲م

کوچہ و بازار اور مساجد و مساکن اس کی جان نواز و لطیف خوشبو سے برابر مہکتے رہتے

ایک دن عصر کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفہ اوّل، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ، گلی سے گزر رہے تھے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نظر آ گئے، جو بچوں کے ہمراہ کھیل میں مصروف تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے والہانہ انداز سے لپک کر اس پیکرِ حسن و جمال کو اپنی گود میں اٹھالیا، سر منہ کے بوسے لئے اور کہا۔

اے سراپا جمال! تم علی پر تو بالکل نہیں ہو، ساری شکل ہمارے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی ہے [1]

اس اظہارِ محبت و اخلاص کے دوران، جناب علی رضی اللہ عنہ کے مقدس ہونٹوں پر برقِ تبسم رقصاں رہی۔

ایک ایسا ہی روز سعید تھا۔

جب سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ رفیق دم ساز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے، کوئی وجہِ تبسم نہ پاکر، جنابِ علی رضی اللہ عنہ پہلے متعجب اور پھر گویا ہوئے

"اے صدیق! آپکے ہونٹ ہمیشہ متبسم رہیں، بتائیں تو سہی اس وقت مسکرانے کا کیا سبب ہے؟"

"ایک بات یاد آگئی تھی، جس نے رویں رویں میں مسرت بھر دی، آپ کو یاد ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ جنت میں وہی جائے گا جسے علی اجازت اور ٹکٹ دیں گے" اس شانِ جلیل کے تصور سے جھوم گیا ہوں، کیا سہانا اور باوقار منظر ہوگا جب آپ جنت کے ٹکٹ تقسیم کر رہے ہونگے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر کہا۔

آپ کا فرمان بالکل بجا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا تھا کہ علی انہی سعادتمند کو ٹکٹ دیں گے، جسکے دِل میں صدیق کی محبت ہوگی۔"

---

[1] بخاری ۱: ۵۰۱ - ۵۳۰ - [10] البدایہ والنہایہ، ۶: ۳۲۵

شیعی روایات میں بھی اس محبت اور دوستی کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نامعلوم شخص کے کچھ اوصاف بیان فرمائے، جس سے حضرت صدیق اکبر کے دل میں اس مرد خدا کو دیکھنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ اس محفل نور میں آ گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یہی وہ باکمال و عالی مرتبہ شخص ہے، جسکی عظمت سے ہم نے ابھی پردہ اٹھایا تھا" یہ سن کر حضرت صدیق نے بڑی ہی مسرت اور بے انتہا چاہت کا مظاہرہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں مبارک دی۔ (کشف الغمہ ۱: ۱۵۴)

بخ، بخ، یا ابا الحسن! واین مثلک یا ابا الحسن

واہ! مرحبا! اے ابوالحسن! آپ کی مثل کون ہے

یہی محبت تھی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کا گرویدہ بنایا ہوا تھا، جس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا رہتا تھا۔

ایک دفعہ اپنے رفیق خاص اور جگری دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے پناہ انس اور تعلق خاطر کا مظاہرہ اس طرح فرمایا، کہ اپنے نومولود فرزند ارجمند کا نام ابوبکر رکھ دیا۔ [کشف الغمہ، ۱: ۵۹۰

یہی وہ صاحبزادے تھے، جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ کربلا کے دشت ریگ زار میں پہنچے، اور حق و باطل کے اس تاریخی و ناقابل فراموش معرکہ میں لاتعداد یزیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر واصل بحق ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات اور رشتہ ہائے الفت ایک اٹل حقیقت اور تاریخی فیصلہ ہیں، جنہیں غلط رنگ دے کر بدلنا یا مسخ کرنا ممکن نہیں، لازوال محبت کے ان حسین رشتوں کو مشکوک بنانے کی کوشش یا سازش بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی درخشاں آفتاب کی روشنی کو چھپانے کی بے کار کوشش یا احمقانہ سازش کرے۔

قصۂ فدک

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دیانت و فرض شناسی، احساس ذمہ داری، تجربہ کاری اور فراست و بصیرت کے آسمان رحمت نے ساری امت کو ابر رحمت کی طرح ڈھانپ لیا، اور ہر طرف محبت کی فراوانی اور اخوت کی جہانگیری قائم کر دی، چند ہی روز بعد پیروان اسلام محسوس کرنے لگ گئے کہ زمام خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں دے کر انہوں نے برکات کے خزانوں کے دہانے کھول لئے ہیں اور زندگی کی عظیم ترین سعادت حاصل کر لی ہے۔

ان ایام میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کاروبار خلافت اور انتظامی امور میں بہت زیادہ مصروف و منہمک رہے کسی طرف توجہ دینے یا کسی سے ملنے کی فرصت ہی نہ ملی، حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی علالت اور ناسازئ طبع کی خبر، اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء کے ذریعہ، برابر آپ تک پہنچتی رہی، جو حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے بعد تصویر غم بن گئی تھیں، اور ہر کسی سے ملنا جلنا اور دنیاوی معاملات میں حصہ لینا ترک کر دیا تھا، مگر آپ مصروفیات کی وجہ سے وہاں بھی نہ جا سکے، لشکر اسامہ کی روانگی، منکرین دین کا استیصال، جھوٹے نبیوں کا مقابلہ، بے دین و بد چلن عناصر کے ساتھ ٹکر، پھر داخلی اور خارجی انتظامات یہ سب مسائل اپنی اپنی جگہ مکمل توجہ اور منصوبہ بندی چاہتے تھے جن میں مشغولیت نے فرصت نہ دی، مگر جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت بھی ایسا مسئلہ نہ تھا، جسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ چنانچہ اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی ڈیوٹی لگا دی، کہ تمام وقت حضرت فاطمہ زہراء بتول رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں رہیں، اور ان کی خدمات بجالائیں [1]

ایک روز حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا فرستادہ آپکے دربار خلافت میں حاضر

---

[1] جلاء العیون: ۱۵۵

ہوا کہ سیدہ فرماتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فدک، خیبر، اور بنو نضیر کے جو باغات چھوڑے ہیں وہ حضور علیہ السلام کی میراث ہیں۔ مجھے ان میں سے حصہ دیا جائے۔ ان فاطمۃ ارسلت الی ابی بکر تسأله میراثها من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما افاء اللہ علی رسولہ تطلب صدقۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم التی بالمدینۃ و فدک وما بقی من خمس خیبر ۲

یہ ایک غیر متوقع اور اچانک مطالبہ تھا، کیونکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جانتے تھے، نبی کی حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی میراث درہم و دنانیر کی صورت میں ہے ہی نہیں، آپ جو کچھ چھوڑ گئے ہیں، وہ آپکے فرمان وارشاد کی رو سے صدقہ ہے جس میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔ آپ نے سمجھ لیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا علم نہیں، یا آپ نے اس کا کوئی اور مطلب لیا ہے چنانچہ ان پر حقیقت منکشف اور واضح کرنے کیلئے کہا آپکی ذات پاک سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں، میری جائداد حاضر ہے آپ اس میں بلا تکلف تصرف فرما سکتی ہیں مگر جہاں تک خیبر اور فدک کے باغات کا تعلق ہے ان میں میراث جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اقدس ہے۔

لا نورث ما ترکنا فهو صدقۃ

حاشیہ ع

روائت شیعہ میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے۔

واموال واحوال خود را، از تو مضائقہ نمے کنم، آنچہ خواہی بگیر تو سیدۂ امت پدر خودی انکار فضل تو کسے نمے تواند کرد، وحکم تو نافذ است در اموال من اما در اموال مسلماناں مخالفت گفتہ پدر تو نمے توانم کرد۔ حق الیقین، ملا باقی مجلسی ۲۳۱

میں اپنا مال پیش کرنے میں کسی تکلف یا بخل سے کام نہیں لوں گا، جو چاہے لے لیں، اپنے باپ کی امت کی سیدہ ہیں، میں آپکے فضل و کمال کا انکار نہیں کر سکتا آپ کا حکم میرے مال و دولت میں بلا تکلف نافذ ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے مال میں آپکے ابا جان کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا

---

۲ بخاری، ۵۲۶

ہم وارث نہیں بنائے جاتے، جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

انما یاکل آل محمد من ھذا المال..... ولیس لھم ان یزید وا علی الماکل [۳]

(آل محمد اس مال سے کھا تو سکتی ہے مگر کھانے سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی)

میں اس فرمان نبوی کی روشنی میں ان باغات کی پیداوار سے اسی طرح حصے ادا کرتا رہوں گا، جس طرح آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے، لیکن میراث کی صورت میں انہیں تقسیم کرنے کی جرأت نہیں کروں گا، کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ کے ارشاد اور سنت کے خلاف ہے اور میں سنت کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

انی واللہ لا اغیر شیئا من صدقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم التی کانت علیھا فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولا عملن فیھا بما عمل فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۴] بات چونکہ معقول اور مستند تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے یا کسی سے فرمان نبوی کے خلاف فیصلہ کرانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں اس لئے خاموش ہو گئیں، پہلے کونسی دنیاوی دولت اور زخارف و آرائش کی دلدادہ تھیں، یا شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتی تھیں کہ افسردہ خاطر ہوتیں، اللہ پاک نے دل بے نیاز کو ہر طرح کے لالچ اور دولت دنیا کی محبت سے خالی کر دیا ہوا تھا۔ اس لئے بعد میں جو چار یا پانچ مہینے زندہ رہیں، اس مطالبے کا اعادہ نہ کیا بلکہ نام تک نہ لیا۔

فھجرت ابا بکر فلم تزل مھاجرتہ حتی توفیت [۵]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس مال کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہ کی اور تا وفات اس مطالبے کو چھوڑے رکھا۔

"ھجرت ابابکر" اور بعد والے الفاظ کا ماحصل و مفہوم یہی ہے کہ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا نے دوبارہ اس سلسلہ میں حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی گفتگو نہ فرمائی یہ مطلب نہیں کہ آپ نے حضرت صدیق اکبر سے ملنا جلنا

---

۲ ۔ بخاری ص ۵۲۶ ۔ ۳ ۔ بخاری ۵۲۶ ۔ ۴ ۔ ایضاً

۵ ۔ بخاری ۳۵ کشف الغمہ ۲ : ۳۳

چھوڑ دیا، کیونکہ آپ پردہ دار خاتون تھیں، کاشانہ، اقدس کی چہار دیواری میں رہتی تھیں آزادانہ غیر مردوں کے ساتھ ملنے یا کہیں آنے جانے یا بے روک ٹوک وہاں کسی کے آنے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، پھر کسی کو چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان الفاظ کا یہی مطلب ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال اور مطالبہ چھوڑ دیا۔

اہل شیعہ کی اپنی وقیع کتب میں اسی مفہوم کی صراحت ہے۔

کشف الغمہ میں ہے۔

هجرته فاطمة فلم تكلمه فى ذالك حتى ماتت [۲: ۳۳]

"حضرت سیدہ نے ان کو چھوڑ دیا اور پھر اس مال کے بارے میں کوئی کلام نہ فرمایا۔ یہانتک کہ فوت ہو گئیں" آپ کو اس سلسلہ میں کوئی ناراضگی بھی نہیں رہی تھی۔ جیسا کہ بے بنیاد افسانہ تراشا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے موقف کے ساتھ کلی اتفاق ہو گیا تھا۔ اور حقیقت کی گہرائی تک پہنچنے کے بعد راضی ہو گئی تھیں چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس پر تشریف لائے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ کی اجازت سے آپ کو اندر بلا لیا، آپ نے احوال دریافت کرنے کے علاوہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے دل کی مزید تسلی اور انکی خوشنودی کیلئے فدک کے باغات کا بھی ذکر فرمایا اور اطمینان دلایا کہ میرے اس اقدام میں ذاتی منفعت یا غرض کو کوئی دخل نہیں جیسا کہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے میرے پیش نظر صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور فرمان ہے اور خدا تعالی اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رضا ملحوظ ہے۔ میری آج تک کی زندگی پر نگاہ ڈال لیجئے

واللہ ما تركت الدار والمال والاهل والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله ومرضاة رسوله ومرضاتكم اهل البيت ...... ثم ترضاها حتى رضيت [۶]

[۶] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۸۹ = ابن سعد، ۸: ۱۷

خدا کی قسم، گھر بار، مال و دولت، اہل و عیال اور خاندان، اللہ اور رسول کی رضا اور اے اہل بیت! تمہاری خوشنودی کیلئے چھوڑا ہے۔ پھر آپ نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہ کو راضی کیا اور آپ راضی ہو گئیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی کی تائید و تصدیق شیعی مرویات سے بھی ہوتی ہے شرح بحرانی میں ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: انا معاشر الانبیاء لا نورث ذھبا ولا فضة ولا ارضا ولا عقارا ولکنا نورث الایمان والحکمة والعلم والسنة وعملت بما امرنی ونصحت

میں نے حضور سے سنا ہے ہم انبیاء کسی کو زر و سیم اور زمین و جاگیر کا وارث نہیں بناتے، علم و ایمان اور حکمت و سنت کا وارث بناتے ہیں، مجھے حضور نے جو حکم دیا ہے خلوص نیت کے ساتھ اس پر عمل کروں گا،

کان رسول اللہ یاخذ من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منه فی سبیل اللہ ولک ان اصنع بها کما کان یصنع فرضیت۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی پیداوار سے آپ کو خوراک مہیا فرمایا کرتے تھے، باقی رقم بانٹ دیتے یا مجاہدوں کو گھوڑے خرید دیتے تھے میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں، جو حضور کرتے تھے ویسا ہی کروں گا۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔

شرح نھج البلاغہ میسم بحرانی ۵: ۱۰۷

حجاج السالکین کی روائت کا ملخص بھی یہی ہے

ان ابابکر لما رای ...... انقبضت عنه .... اتاھا فقال لھا: صدقت یا ابنة رسول اللہ فیما ادعیت ولکنی رایت رسول اللہ یقسمھا فیعطی الفقراء والمساکین بعد ان یوتی منھا قوتکم... فقالت: افعل فیھا کما کان رسول اللہ یفعل فیھا قال: اشھد اللہ علی ان افعل فیھا ما کان یفعل ابوک۔ فقالت واللہ لتفعلن فقال واللہ لافعلن فقالت اللھم! اشھد! فرضیت بذالک

۶؎ البدایہ والنہایہ ۵: ۲۸۹۔ ابن سعد ۸: ۱۷

فدک کا پس منظر

اور اس کی حقیقت پر ڈالے گئے دبیز پردوں کے مصنوعی تار و پود کی اصلیت

یہ باغ کیا تھا؟ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دربار خلافت میں جس کا مطالبہ کیا اس کا پس منظر اور تمام تفصیلات جاننا ضروری ہیں۔

کیونکہ اس حقیقت سے ہر کوئی آگاہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی نبی عبد کی حیثیت سے گزاری، آپ کو شاہانہ زندگی کی پیشکش بھی کی گئی، قیصر و کسریٰ کی عیش پرستی اور ترفہ و آسودگی کے افسانے بھی سنائے گئے مگر آپ نے فقر و مسکنت اور صبر و قناعت پر شاہانہ تمکنت اور ملوکانہ رعب داب کو کبھی ترجیح نہ دی۔

جس کی مثال تاریخ میں اس حیرت افزا صورت کے سامنے موجود ہے کہ وصال کی شب دیئے میں تیل بھی نہیں تھا جو ہمسایہ سے قرض لے کر جلایا گیا [1] اور آپ کی زرہ اس وقت ایک یہودی کے پاس چند سیر جو کے عوض مرہون تھی [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، گھر میں سات دینار موجود تھے، جو وصال سے پہلے ہی آپ نے صدقہ کروا دیے، اور وصال شریف کے بعد کاشانہ نبوی کی یہ حالت تھی کہ بھرے طاق میں تھوڑے سے جو پڑے ہوتے تھے۔

ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باغ فدک کی صورت میں وہ کونسی جائداد اور جاگیر تھی۔ جس کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ کیا؟

اس الجھن کا حل اور سوال کا جواب، مختلف پہلوؤں سے باغ فدک کا مطالعہ کرنے اور اس کی ابتدائی کیفیت اور پس منظر جاننے میں پوشیدہ ہے، اس لئے ہر

---

[1] حجۃ اللہ علی العالمین، للنبہانی ۷۵۴ - [2] بخاری، ۱۴۱/۲

زاوئے اور ہر پہلو سے اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

قومی آمدن

جب مدینہ منورہ میں ایک اسلامی ریاست کی تشکیل ہوئی، تو اپنی شان و حیثیت کے مطابق، سرکاری اخراجات اچانک کئی گنا بڑھ گئے، سفراء و ضیوف کی آمد، تحائف و ہدایا، آلاتِ حرب اور جنگی گھوڑوں کا حصول، تبلیغ و اشاعت کیلئے وفود کی روانگی، اور اسی نوع کی بے شمار ہنگامی ضروریات' نے جنم لے لیا، لیکن اخراجات کی اس بھرمار کے باوجود اس نو تشکیل ریاست کی کوئی مستقل قومی آمدن معرض وجود میں نہ آئی۔

غزوات و حروب کا سلسلہ شروع ہوا تو "مال غنیمت" سے یہ ضروریات پوری ہونے لگیں، زمانہ جاہلیت میں مال غنیمت کی تقسیم کا کوئی مہذب اور انصاف پر مبنی نظام نہ تھا، جسکے ہاتھ جو کچھ آتا وہ اڑا لیتا، جو بچ جاتا، وہ جرنیل کی حرص و ہوس کی نذر ہو جاتا۔

جنگ بدر میں اس دیرینہ رسم کا اعادہ ہوا۔ تو انہیں سمجھا دیا گیا کہ اب یہ زمانہ جاہلیت نہیں، بلکہ دور اسلام ہے، اب پرانی بدنظمی کی روائت نہیں دہرائی جائے گی، مال غنیمت خدا اور رسول کا ہے۔

قل الانفال للہ والرسول [9]

خدا اور رسول جس طرح حکم دیں گے، اس کے مطابق تقسیم عمل میں آئے گی۔
پھر تقسیم کا نظام مقرر فرمایا۔

واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل [10]

جان لو! غنیمت کے چار حصے تو لشکر کے لئے ہیں، لیکن پانچواں حصہ خدا اور رسول کا ہے، اللہ کے رسول اسے رشتہ داروں، یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں گے۔

9ے انفال، آیت ۱۔ 10ے انفال، آیت ۴۰

اس پانچویں حصے سے آپ نے تمام سرکاری اور نجی اخراجات پورے فرمانا شروع کر دیئے۔ چونکہ اخراجات زیادہ تھے اس لئے آپ نے ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی کنیز عطا فرمانے سے انکار کر دیا، تاکہ اس کی قیمت سے دیگر ضروریات پوری کی جا سکیں۔ پھر مالِ غنیمت کے بعد "مالِ فے" بھی قومی آمدن کے ذرائع میں داخل ہو گیا۔

مالِ فے، اس مال کو کہتے ہیں، جو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بتایا۔ یہ بھی خدا اور رسول کا مال ہے، جو اہلِ قرابت، یتامی مساکین اور مسافرین پر خرچ کیا جائے گا۔

ما افاء اللّٰہ علی رسولہ من اهل القری فللّٰه وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ و ابن السبیل کے لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم [11]

اور اتنے ڈھیر سارے، مختلف حیثیتوں اور ضرورتوں کے لوگوں پر خرچ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس طرح دولت چند اغنیا کے ہاتھوں میں جمع نہیں ہوگی، بلکہ گردش میں رہے گی۔

ہجرت کے پانچویں سال، بنو نضیر کے علاقے پر تسلط حاصل ہوا، ساتویں سال خیبر کا نواحی علاقہ "فدک" فتح ہوا، یہ دونوں باغات پر مشتمل تھے، چونکہ جنگ کے بغیر حاصل ہوئے اس لئے انہیں مالِ فے میں شمار کیا گیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم کے مطابق مصارف کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں وہی حیثیت دی، جو کسی ریاست میں قومی آمدن، خزانہ عامرہ، بیت المال یا فلاحی فنڈ کو دی جاتی ہے۔ ضرورت کے مطابق اہل و عیال کیلئے لے کر باقی سارا مال سرکاری کاموں اور مسلمانوں کے فلاحی منصوبوں پر خرچ فرما دیتے۔

ان مصارف پر احکام ربانی کے مطابق اخراجات کی تفصیلات یہ ہیں: فاما بنو النضیر فکان حبسا لنوائبه واما فدک لا بناء السبیل واما خیبر فجزاها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ثلاثه اجزاء جزئین بین المسلمین وجزء نفقة اهله [12]

---

[11] الحشر: ثابت ۔ [12] ابو داؤد: ۱۳ام

بنونضیر کا مال ہنگامی ضروریات کیلئے تھا، فدک کی آمدن مسافروں کیلئے وقف تھی، خیبر کی پیداوار کے تین حصے کئے جاتے، ایک حصہ سے گھر کا خرچ چلایا جاتا اور دو حصے مسلمانوں میں بانٹ دیئے جاتے۔

کوئی علاقہ فتح ہو تو وہ کسی سربراہ کی ملکیت تصور نہیں کیا جاتا، یونہی قومی دولت، یا فلاحی فنڈ بھی کسی حکمران کا ذاتی مال نہیں سمجھا جاتا، بلکہ قوم کی مقدس امانت ہوتا ہے، جسے اسی توقع کے ساتھ اس کے سپرد کیا جاتا ہے کہ وہ اس میں خیانت نہیں کرے گا۔ چنانچہ جو اس میں خیانت کرے، مثلاً اہل حاجت اور مستحقین کو نظر انداز کر کے اپنوں کو نوازے یا اسے فلاحی منصوبوں پر خرچ کرنے کی بجائے اپنی ذات پر خرچ کرے تو اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

یہ فلاحی فنڈ کسی سربراہ کی میراث بھی نہیں ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد میں تقسیم ہو جائے، بلکہ اس کے بعد وہ اس کے جانشین اور نائب کے تصرف میں آجاتا ہے یہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اسے دیانت کے تقاضوں کے مطابق انہی مدات میں صرف کرے۔

ایک دنیا دار مگر دیانت دار سربراہ سے بھی ایسی دھاندلی کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ قومی امانت اپنے عزیزوں کو ھبہ کر جائے، وراثت بنادے، یا تمام رشتہ داروں کو نظر انداز کر کے صرف ایک منظورِ نظر کو دے دے، پھر اللہ کے مکرم اور عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی توقع کب ممکن ہے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس توقع اور اپنی شان کے عین مطابق فرمایا۔ لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ [۱۳]

میرے ورثاء ایک دینار اور درہم بھی تقسیم نہیں کر سکیں گے، ازواج کے اخراجات اور حکام کے وظائف کے بعد جو کچھ بچے گا وہ صدقہ ہوگا۔

۱۳۔ بخاری، ۳۸۹، ۲۳۴

عصمت وصداقت نبوّت کی ایک علامت

حضور علیہ السلام نے بڑی وضاحت کے ساتھ منصب نبوّت کی اس نرالی اور خصوصی شان سے آگاہ کر دیا، کہ نبوّت کے عظیم منصب پر فائز اللہ کا مقبول و برگزیدہ نبی دنیا میں دولت و ثروت کے انبار لگانے کیلئے نہیں آتا۔ اس کے پیش نظر مقاصد کا محور صرف رضائے الٰہی، اخروی نجات و کامیابی اور دین کی بے لوث تبلیغ و اشاعت ہوتی ہے اس سے ہٹ کر وہ اپنی زندگی میں دنیاوی مقاصد زر و سیم، عیش و نشاط اور تن آسانی و جسمانی راحت کیلئے کوئی کام نہیں کرتا، نہ خود مال جمع کرتا ہے اور نہ پیروکاروں کو ترغیب دیتا ہے، نہ اولاد کے لئے دولت کے ڈھیر چھوڑتا ہے، اس حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے فرمایا۔

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ (بخاری، ۵۲۶)

(ہم انبیاء کرام کا گروہ اس خصوصی اعزاز سے بہرہ ور ہے، کہ ہماری وراثت تقسیم نہیں کی جاتی، جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے)

اس مفہوم کے بے شمار ارشادات ہیں، انکے تنوع اور ان میں پائی جانے والی تاکید سے پتہ چلتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس چیز کو بڑا زور دے کر بیان فرمایا ہے اور وقتاً فوقتاً اس حقیقت کبری کے رُخ زیبا سے نقاب کشائی کی ہے تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، اور بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو۔ خود شیعہ کتب میں بھی اس حدیث اور مفہوم و معنی کی تائیدات موجود ہیں۔ مثلاً۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر [۱۴]

[علماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں، انبیاء کرام درہم اور دینار کا وارث نہیں نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جس نے یہ پالیا اس نے وافر حصّہ حاصل کرلیا]

---

[۱۴] اصول کافی، باب العالم والمتعلم

ان العلماء ورثة الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیثھم من احادیثھم فمن اخذ بشئ منہ فقد اخذ حظا وافرا [15]

اہل علم ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں، وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ اپنی احادیث وارشادات کا وارث بناتے ہیں جس نے اس میں سے کچھ حاصل کر لیا، اس نے بہرۂ وافر پا لیا

اس نکتہ پر زیادہ زور اسی لئے دیا، تاکہ ماننے والوں کو مقام نبوت کے استغنا کا شعور حاصل ہو جائے۔ سب جان لیں کہ دعوائے نبوت ذاتی آسائش یا اعزہ واقارب اور اولاد کی آسودگی وخوش حالی کیلئے نہیں کیا گیا۔ بلکہ مقصود نظر ایک ہی ہے۔ جو دنیا وآخرت کی قدروں کو نظر انداز کر کے، دنیا کے زخارف پر مرتکز نہیں ہوتا۔

اس میں یہ اشارہ بھی پنہاں تھا کہ دنیا اندوزی سے بے نیازی، صداقت نبوت کی ایک نمایاں اور واضح علامت ہے سچا نبی اولاد و اقارب اور اپنی ذات کیلئے کچھ دولت اور چندے جمع نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے۔

لا اسئلکم علیہ من اجر۔ میں اپنی تبلیغی کوششوں کی تم سے جزا طلب نہیں کرتا۔

جو شخص اپنے ماننے والوں کو جائداد سے کمائی اور پیداوار سے حصہ دینے پر مجبور کرے، یا ان پر ذاتی اغراض کیلئے ٹیکس لگائے اور ان سے فنڈ کا مطالبہ کرے یا دنیا میں جائداد بنا کے اور پسماندگان کو امیر کبیر بنا کے جائے۔ اس کے بارے میں جان لو، وہ دنیا پرست، پیشہ ور، خود غرض اور مکار ہے شریف اور قابل تکریم انسان بھی نہیں، خواہ ظلی بروزی نبی ہونے ہی کا دعوی کرتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کا ہر دور، اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ آپ نے کسی لمحے بھی دولت دنیا کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ سونا، چاندی مال ومتاع کے ڈھیر بھی لگ جاتے، تو شام ہونے سے پہلے پہلے تقسیم فرما دیتے۔

---

[15] اصول کافی، باب صفۃ العلم وفضلہ

آپ کا یہ گرامی قدر ارشاد ان حقائق اور آپکے قلب انور میں موجود پاکیزہ و بے مثال اور مستغنی و بے نیاز جذبات کا آئینہ دار ہے۔

ما احب ان لی مثل احد ذھبا انفقہ کلہ الا ثلثۃ دنانیر [16]

احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو سارا خرچ کر دوں گا، اور تین دیناروں کے سوا کچھ بھی رکھنا گوارا نہیں کروں گا۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ نماز عصر کیلئے صفیں آراستہ تھیں، آپ عجلت سے نکلے اور تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے، حیرت و تعجب کے آثار صحابہ کرام کے چہروں سے ہویدا تھے، آپ نے ان کا تعجب اور تردد زائل کرنے کیلئے فرمایا۔

کنت خلفت فی البیت تبرا من الصدقۃ فکرھت ان ابیتہ فقسمتہ [17]

گھر میں صدقہ کا سونا پڑا ہوا تھا، گوارا نہ ہوا کہ رات گھر میں رہے اس لئے تقسیم کر کے آیا ہوں۔

یہ سادگی، بے تکلفی، دنیائے دوں سے نفرت و بے نیازی ہر دور میں اسی جذبہ و جلال کے ساتھ قائم رہی، عیش و عشرت کو خود پسند فرمایا نہ اپنے احباب و اقارب کی توجہ اس کی طرف مبذول ہونے دی یہانتک کہ عزیز ترین بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر یلو کام کاج کیلئے ایک کنیز تک نہ دی، تاکہ محنت مشقت کی عادت میں کمی اور فرق نہ آجائے۔

محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت پاک، سیرت عالیہ اور عظیم اخلاق کا یہ وہ پہلو ہے جس کی عظمت کی درخشانی کے آگے اسلام کے بداندیش اور بدخواہ کی آنکھیں بھی چندھیائی ہوئی ہیں اور وہ حیران ہیں کہ اس سیرت و کردار اور زہد و ریاضت کے کس پہلو کو تنقید و اعتراض کا نشانہ بنائیں، ہزار ٹکریں مارنے کے باوجود انہیں سر پھوڑنے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

نبوی زندگی کی حیرت افزا سادگی پر نظر ڈال کر انہیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسی پہلو سے آپ کی صداقت آشکار ہوتی ہے اگر صادق نہ ہوتے تو ضرور محلات، دولت کے انبار

---

[16] بخاری، ۱۸۹۱ [17] بخاری ۱۸۰، ۱۱۳

جاگیریں اور دنیا کی آسائشیں چھوڑ کر جاتے، بیٹی فاطمہ حسن حسین نواسوں اور دیگر رشتہ داروں کو اتنا نواز تے کہ پشتیں سرشار اور امیر کبیر ہو جاتیں، مگر ایسا نہ کیا، کوئی دنیاوی اثاثہ اور روپے پیسے کی صورت میں کوئی ورثہ نہ چھوڑا جو اس حقیقت کا غماز ہے کہ آپ صادق اور سچے نبی ہیں۔

اسلام سے انتقام کی سازش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انبیاء کرام کی وراثت کے بارے میں یہ ارشاد، اہل دنیا کی میراث سے بالکل علیحدہ اور انوکھا طرزِ عمل، زندگی بھر عیش و آسائش سے پرہیز، اور زہد و ریاضت سے لگاؤ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا سے بے نیازی کی یہی شان منصب نبوت کے شایان، اور اس کی رفعتوں کے لائق ہے۔ اسی سے نبوت کی صداقت آشکار ہوتی ہے اور دنیا والے حرف گیری اور عیب چینی سے باز رہتے ہیں، اور نظریہ وجان کے دشمن بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے، کیونکہ ان کے پاس اعتراض اٹھانے کیلئے کوئی نکتہ ہی نہیں ہوتا جسے بنیاد بنا کر، یا جس کا کمزور سا سہارا لے کر، وہ اپنے مفروضات اور من گھڑت اعتراضات کی عمارت کھڑی کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بدخواہوں اور دشمنوں نے جب انتقام کی ٹھانی اور انہیں اعتراض کیلئے اسلام، ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے نائبین و خلفاء میں کوئی رخنہ دکھائی نہ دیا تو انہوں نے اعتراض و تنقید کی گنجائش پیدا کرنے کیلئے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی کمین گاہ سے حملہ کیا کہ آپ جاگیردار تھے۔ مزروعہ اور قابل کاشت زمین خاصی بڑی مقدار میں آپ نے وراثت میں چھوڑی تھی، اس دعوے اور اعتراض سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب آپ کا بہت بڑا جاگیردار ہونا ثابت ہو جائے گا۔ تو وہ عظمتیں اور صداقتیں از خود دھندلا جائیں گی جو آپکی شان فقر و زہد اور استغنا سے ثابت ہوتی ہیں مگر ستم یہ ہے کہ دشمن عیار نے اپنا یہ گھناؤنا اور مکروہ مقصد براہِ راست اعتراض سے حاصل نہیں کیا بلکہ ایسی پیر پیچ اور پیچیدہ راہ اختیار کی جس سے

اسے اسلام، عظمت اسلام، بانیٔ اسلام اور اہل اسلام سب سے انتقام لینے کا موقعہ مل گیا، اور ایک تیر سے اس نے سب کو شکار کر ڈالا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے :- اسلام کا درخشاں آفتاب، فاران کی جلوہ بار چوٹی سے پوری قوت و توانائی کے ساتھ ابھر آیا تو اندھیارے چھٹ گئے، باطل سائے مٹ گئے، یہود و نصاریٰ اس سیلاب نور کی تاب نہ لا سکے، حسد و عداوت کی آگ میں جلنے لگ گئے۔ بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علیٰ من یشاء من عبادہ، فباءو بغضب علیٰ غضب، وللکفرین عذاب مھین [البقرہ ۹۰]

بدترین صورت کے ساتھ انہوں نے اپنے نفسوں کا تبادلہ کر لیا کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے ساتھ کفر کرنے لگ گئے، حسد صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے حبیب پر فضل فرمایا ہے جس کی شان ہی یہ ہے کہ جس پر چاہتا ہے، فضل فرماتا ہے۔ اس جلن کے باعث وہ دوہرے عذاب کے مستحق ہو گئے اور ایسے کافروں کیلئے ذلت آمیز عذاب ہے۔

یہود کے ایک فتنہ پرداز سبائی ذہن نے اسلام، عظمت اسلام، بانیٔ اسلام اور اہل اسلام سے خوفناک، ہوشربا دور رس، نتیجہ خیز اور نہایت ہی انگیز انتقام لینے کیلئے سازش، جوڑ توڑ اور منافقت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے ایک ایسا گروہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا جو محبت اور اپنائیت کی آڑ میں اسلام کے حسین خاکے کو مضحکہ خیز بنا دے اور علانیہ ایسی باتوں کا پرچار کرے جو مد مقابل اور دشمن کے روپ میں کہی جائیں تو کوئی ان پر کان نہ دھرے اور دشمن سمجھ کر مرنے مارنے پر اتر آئے، مگر دعوائے محبت کے ساتھ کہی جائیں تو نہ صرف وہ مخالفانہ کارروائی سے باز رہے، بلکہ کہی گئی باتوں پر غور کرنے پر بھی مجبور ہو جائے، اس طرح مسلمانوں میں انتشار بے تعلقی اور افراتفری کا بیج بو دیا جائے۔

رائی کا پربت

باغ فدک کی صورت میں دشمن کو اپنے منصوبوں کی تکمیل اور کامیابی کی جھلک نظر آگئی، اس نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے دیکھ لیا کہ صرف اس ایک مسئلہ کو غلط رنگ دے کر اور بگاڑ کر پیش کرنے سے اسلام کی عظمتوں اور اس کی مقتدر شخصیتوں تک سے خوفناک انتقام لیا جا سکتا ہے۔

اسلامی تحریک و انقلاب کو ناکام ثابت کیا جا سکتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و صداقت اور شان رفیع پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کے مخلص پاسبانوں غازیوں اور سرفروشوں کی للہیت، قربانی اور خلوص پر پھبتی کسی جا سکتی ہے، خلافت راشدہ کے تخت زریں پر جلوہ فرما ہستیوں کے اقتدار و جلال کے خلاف ہرزہ سرائی اور بے سروپا الزامات کی بوچھاڑ کی جا سکتی ہے۔ یہانتک کہ خاندان نبوت کے جو خاص افراد ہیں، انہیں بھی طنز و تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اس نے سوچی سمجھی اور گہری سکیم کے مطابق باغ فدک کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ حالانکہ باغ فدک کا معاملہ ایسا نہیں تھا کہ رائی کا پربت بنایا جا سکتا بات صرف اتنی تھی کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن کسی کو بھیجا کہ باغ فدک بصورت میراث آپکو دے دیا جائے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا ارشاد پاک ہے "ہماری وراثت نہیں ہوتی۔ جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ البتہ ہماری آل اس مال سے اپنا حصہ لے کر ضرور کھا سکتی ہے خدا کی قسم! میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات اور ان کے لئے قائم کردہ نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، اور اس مد میں وہی کروں گا جو میرے آقا کیا کرتے تھے۔

یہ جواب باصواب بڑا ہی معقول اور حقیقت پر مبنی تھا، حضرت سیدہ نے جب اسنا تو غور کرنے کے بعد چپ ہو گئیں انہوں نے کوئی شور نہ مچایا کہ حق تلفی اور زیادتی ہوئی

ہے، یا ان سے جاگیر چھین لی گئی ہے۔ کیونکہ آغوشِ نبوت کی تربیت یافتہ اور دنیا کی حقیقت سے آگاہ تھیں، ان اشیاء کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت نہیں دیتی تھیں۔

بات یہیں پہ آکے ختم ہو جاتی ہے، ردعمل کے طور پر سیدہ کی جانب سے کسی رنجش یا ناراضگی کا اظہار نہ ہوا، آپکے غضب و جلال کے سمندر میں کوئی طوفان نہ اٹھا نہ ہی قہر و غصہ کی کوئی خوفناک بجلی کوندی، بلکہ حالات پہلے کی طرح پرسکون رہے، اور فدک کی آمدنی اہل بیت، حضور سیدہ، ازواج مطہرات و دیگر مستحقین کو بدستور ملتی رہی [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیداوار حاصل کر کے سب کو ان کی ضرورت و کفایت کے مطابق عطا فرما دیتے تھے۔] کان ابوبکر یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا مایکفیھم ۱۸ے

جناب مولا علی رضی اللہ عنہ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تعلقات میں بھی اس وجہ سے کوئی بدمزگی پیدا نہ ہوئی بلکہ اس تقسیم کے ناظم و مہتمم حضرت شیر خدا ہی رہے، یہ منصب آپ کو حضور علیہ السلام کی طرف سے تفویض ہوا تھا، خود فرماتے ہیں۔

میں عباس، فاطمہ اور زید بن حارثہ، حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کی یارسول اللہ! خمس تقسیم کرنے کی خدمت مجھے سونپ دیں تاکہ یہ مجھے ہی حاصل رہے، اور حضور کے وصال کے بعد بھی کوئی مجھ سے نہ چھینے آگے فرماتے ہیں چنانچہ یہ منصب ہر دور خلافت میں مجھے حاصل رہا، کسی نے نہ چھینا۔

فقسمتہ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ولانیہ ابوبکر ۱۹ے

"یہ تقسیم خمس کے فرائض میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں بھی انجام دیئے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھے اس کام پر مامور کیا۔"

ابن ابی لیلی کی روائت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ولانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس فوضعتہ مواضعہ حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحیاۃ ابی بکر وحیاۃ عمر ۲۰ے

۱۸ے شرح نہج البلاغہ بحرانی۔ ۱۹ے ابوداؤد ۵۱ ج ۲ ۲۰ے ایضاً

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خمس کے حصص کی تقسیم میرے سپرد فرمائی، میں نے حضور کی زندگی پاک میں یہ فرض انجام دیا، پھر صدیق اکبر کی زندگی میں، پھر عمر فاروق اعظم کی زندگی میں یہ کام کرتا رہا۔" حسن سلوک، میل ملاپ، اور محبت والفت کی یہ فضا قائم رہی، اس میں کوئی تکدر پیدا نہ ہوا۔ تعلقات کی نوعیت وہی رہی جو پہلے تھی کیونکہ آمدن کے حصص معمول کے مطابق سب کو مل جاتے تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر نہ ملتے تو بھی وہ اتنے سیر چشم، فیاض، قانع اور صابر تھے کہ حرف شکایت زبان پر نہ لاتے، اس لئے کہ متاع دنیا اہل بیت کرام کی پاک نظر میں پرِ بُو داہر دار سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ دنیاوی متاع کیلئے لڑنا یا اسکی خاطر ناراض ہونا ان کی خو نہ تھی، اور نہ یہ چیز ان کی شان ہی کے لائق تھی۔

مگر دشمن نے باغ فدک کی اس سادہ سی بات کے افسانے میں وہ رنگ بھرا کہ بات کا بتنگڑ اور ذرے کا پہاڑ بنا دیا، اور اپنی فکر فتنہ ساز اور سازشی ذہن کی شیطانی صلاحیتوں کے سہارے ایسے بھیانک فتنے کھڑے کئے جنکے گھناؤنے اثرات آج تک موجود ہیں، اور ملت مسلمہ کا دریدہ دامن ہزار کوششوں اور جتنوں کے باوجود رفو نہیں ہو سکا۔ قوم کا شیرازہ اس طرح بکھرا کہ شیرازہ بندی کا حسین خواب ہی پریشان ہو گیا۔

مسئلہ فدک کا بگاڑ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دشمن نے اسے کونسا غلط رنگ دیا جس سے اتنے ہولناک نتائج پیدا ہوئے اور اس نے ملت ہی کو ایک مرکز سے جدا کر کے پارہ پارہ کر دیا۔

جواب یہ ہے کہ دشمن کسی کا سجن نہیں تھا، ملت اسلام کا ہر فرد اسے خار مغیلاں کی طرح چبھتا اور کھٹکتا تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم حضرت فاطمہ اہل بیت کے دیگر افراد

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم سب اس کی نظر میں یکساں دشمن اور انتقام کے قابل تھے، اس کی زندگی کی اولین تمنا یہ تھی کہ ان اہل اسلام کو ذلیل کرے، اور انہیں دوسروں کی نظر میں گرا ہوا دیکھ کر اپنے کلیجے میں ٹھنڈک ڈالے، مگر وہ علانیہ ٹکر لے کر اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ اس نے اہل بیت کرام کی محبت کا مصنوعی لبادہ اوڑھا، اور اس حیثیت سے سامنے آیا کہ اسے اہل بیت نبوّت سے بے انتہا عقیدت اور غائت درجہ کی محبت ہے۔

چنانچہ اسی محبت کی آڑ میں باغ فدک کے مسئلہ کو ہوا دی، حالانکہ یہ کوئی مسئلہ یا نزاعی معاملہ نہیں تھا، اس کے متعلق مشہور کیا کہ "یہ باغ نبی کریم کی ذاتی ملکیت تھا، اس لئے میراث کے طور پر حضرت فاطمہ کو ملنا چاہیئے تھا۔"

بظاہر دیکھنے میں یہ بے ضرر سی بات تھی مگر اس کے پیچھے تخریبی کارروائی اور انتقام کا ایک طوفان چھپا تھا۔ مکار اور سازشی ذہن نے یہ شوگر کوٹڈ گولی تیار کی تھی، جسے سادہ مزاج لوگوں نے آسانی سے نگل لیا، اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ یہ نظریہ قبول کر کے وہ کتنے بڑے فریب کا شکار ہو گئے ہیں اور اسلام سے کتنے دور جا پڑے ہیں، دشمن نے انہیں ہمنوا بنا کر خدا، رسول، قرآن، ملت اور اسلام کی ہر قدر سے توڑ کر رکھ دیا ہے۔

باغ فدک کے بارے میں یہ معمولی سی بات گھڑ کر دشمن نے جو مقاصد حاصل کئے وہ یہ تھے

۱۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور انقلابی دین ہونے کی حیثیت سے ناکام ہو چکا ہے۔

۲۔ اسلام کے پیروکار بے وفا، نفاق پسند غاصب و ظالم اور ریاکار ہیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی صداقت کو چیلنج کیا جاسکتا ہے، اور کہ بے انصافی کا صدور بھی آپ سے ممکن ہے (نعوذ باللہ)۔

۴۔ اہل بیت کرام بڑے ہی لالچی، خود غرض، بے ضمیر اور بزدل ہیں۔ (نعوذ باللہ)

ان مجمل اشارات کی وضاحت کی جاتی ہے، تاکہ پتہ چل سکے، اتنی چھوٹی سی بات سے دشمن نے ایسے مقاصد کس طرح حاصل کر لئے اور انتقام کا یہ انوکھا طریقہ وضع

کر کے اس نے مسلمان قوم کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا؟
بعد کی تصریح یہ ثابت کر دے گی کہ دشمن نے اہل بیت کی محبت کا جو ڈھونگ رچایا، وہ صرف مکروہ عزائم کیلئے نقاب تھا، دگر نہ اہل بیت سے بھی اسے اتنی ہی عداوت تھی جتنی باقی مسلمانوں سے! یہی وجہ ہے کہ اس نے اہل بیت کی عظمت پر بھی بڑے طریقے اور سلیقے سے بے دھڑک اور بڑے گھٹیا حملے کئے۔

صداقت و عصمتِ نبوّت پر حملہ

اسلام سے بغض و عداوت رکھنے والے متعصب عناصر، صیہونی دماغ اور سبائی ذہن نے جب نبوت کی صداقت و عصمت پر حملہ کرنے کی کوئی راہ نہ پائی اور ہزار کوشش کے باوجود ہر میدان میں ناکام رہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ہر معیار اور امتحان پر پوری اتری، تو اس نے سینے کی جلن مٹانے اور حسد کی آگ بجھانے کیلئے باغ فدک کی حیثیت بگاڑ کر بڑے گہرے اور تہہ دار انداز میں صداقت نبوت کا چشمہ صافی گدلا کرنے کی کوشش جس کی صورت یہ بنائی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرفداری میں یہ مشہور کیا کہ "باغ فدک نبی کریم کی ملکیت تھا، اس لئے بطور میراث وہ حضرت فاطمہ کا حق تھا"۔
سادہ لوح ذہن اور سطح بین بھولے بھالے لوگ، اس حسین نعرہ سے متاثر ہوئے کہ کس قدر محب اہل بیت ہیں، جو حضرت فاطمہ کو بہت بڑی جاگیر دلوانا چاہتے ہیں۔
حالانکہ اس محبت آمیز نعرہ کی آڑ میں دشمن کا مقصد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاگیر دار ثابت کرنا تھا کہ آپ نے مزرعہ اور قیمتی زمین کا خاصا بڑا رقبہ اپنے تصرف میں لیا ہوا تھا جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے، چونکہ انہوں نے یہ ملکیت میں لیا تھا اس لئے دعوائے نبوت کی صداقت دھندلا جاتی ہے، کیونکہ سچا نبی اپنی اولاد، یا اپنے لئے دنیا میں ثروت و آسائش کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا ہے۔

اسلام کے غیور، باریک بین اور دور اندیش علمی حلقوں نے دشمن کی اس مکروہ سازش اور باریک چال کو بھانپ لیا چنانچہ اس بہتان طرازی کا بر وقت جائزہ لیا اور اس افترا پردازی کے حقائق و دلائل کی روشنی میں بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے اور ثابت کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ملکیت میں نہیں لیا تھا، وہ ایک وقف زمین تھی جس سے مستحقین فیض یاب ہوتے تھے، اور آپ نے تصریح کر دی تھی کہ آپ کے بعد ہر چیز صدقہ ہو گی جس سے قرابت داروں کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

دشمن کو علمی و تحقیقی انداز میں منہ توڑ جواب ملا اور وہ اس راہ سے نبوت کی صداقت کو متاثر کرنے میں ناکام رہا اور اسے پتہ چل گیا کہ وہ باغ فدک کو حضور کی میراث نہیں ثابت کر سکا ہے، تو اس نے اسی راہ سے عصمت نبوت پر دوسرا حملہ کیا اور کہا۔

" حضور علیہ السلام نے یہ باغ حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا، اس لئے آپکو ملنا چاہیئے تھا۔ اس میں بھی حضرت سیدہ فاطمہ کیلئے کوئی جذبۂ ہمدردی و محبت کارفرما نہ تھا، بلکہ در پردہ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ حضور کو بے انصاف ثابت کرے (نعوذ باللہ) " اس طرح کہ دیگر ورثاء کو محروم کر کے یہ سارا رقبہ اپنی چہیتی بیٹی کو دے دیا، اسی راہ سے حضرت سیدہ پر بھی یہ طعن کرنا مقصود تھا کہ خود غرض اور لالچی تھیں (نعوذ باللہ) کہ ھبہ قبول کر لیا، اور اس کے حصول کیلئے دوڑ دھوپ کرتی رہیں۔

غرض باغ فدک کی صورت مسخ کر کے پیش کرنے کا مقصد اہل بیت کی طرفداری و عقیدت کی آڑ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ غلط تاثر قائم کرنا تھا کہ آپ نے دنیا میں دولت جمع کی اور سیکڑوں مربع میل اراضی پر اپنا قبضہ جمایا۔ اس راہ سے انہوں نے حضور علیہ السلام کی شان حقانیت و صداقت کو مجروح اور اس پر تنقید کیلئے گنجائش پیدا کرنے کا سامان کیا اور جب اس کوشش میں ناکام ہوئے تو ھبہ کا باطل اور من گھڑت نظریہ پیش کر کے نبوت کے دامن عصمت

کو داغدار کرنے کی جسارت و کوشش کی۔

ملکیت اور ھبہ کا نظریہ سامنے رکھ کر باسانی سوچا جاسکتا ہے کہ اس سے صداقت و عصمت نبوّت پر حرف آتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک غیر مسلم کے سامنے یہ بات رکھدی جائے کہ نبی کریم نے فدک اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا یا اپنی بیٹی کو ھبہ کر دیا تھا تو اسکے دل میں کس قسم کے تاثرات پیدا ہونگے، اسی کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ دشمن کے سوا کوئی سجن بھی ایسی باتیں گھڑ سکتا ہے اس سوچ بچار سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک سچے نبی کی حیثیت سے آپ نے فدک کی دولت کو درخور اعتنا ء سمجھا، نہ صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ھبہ کیا، اس لئے نہ آپکی صداقت پر حرف آتا ہے نہ عصمت پر

تحریکِ اسلامی پر ناکامی کا الزام

باغ فدک کی ملکیت و ھبہ کے اختراعی مسئلہ کی راہ سے دشمن اسلام سازشی ذہن نے تحریک اسلامی کے سر ناکامی کا الزام تھوپنے کا مقصد حاصل کرنے کی بھی کوشش کی سرزمین عرب میں ذہنی، نظریاتی، سماجی اور روحانی انقلاب آیا تو باطل نظریات و مذاہب کی چولیں ہل گئیں، اوہام و اباطیل کے پاؤں ڈگمگا گئے اور پختہ ایمانی اعتقادات نے دلوں کو نور بصیرت و دولت یقین سے بھر دیا جس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ گروہوں کی صورت میں اس ربانی دین کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورائیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا [۲۱]

> جب اللہ کی طرف سے نصرت و ظفر آگئی، اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔

اس دین کی فطری تعلیمات اور روحانی برکات و اثرات نے لوگوں کے ظاہر و باطن میں انقلاب پیدا کر دیا چنانچہ جفا پیشہ، تند خو اور اکھڑ مزاج لوگ اللہ تعالیٰ

کے نضل و کرم سے داد گر، مہربان، ہمدرد اور رحمدل بن گئے حسد و عداوت
نفرت و عداوت کی جگہ، ایثار و قربانی، محبت و شفقت اور خلوص و وفا نے لے لی
اور وہ ہدایت کے درخشاں ستارے، قوموں کے مقتدا اور جہانوں کے
معلم و مربی بن گئے۔

اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا [۲۲]

تم ایک دوسرے کے بدخواہ تھے، خدا پاک نے تمہارے دلوں میں
الفت پھر دی، اور تم اسکی نعمت سے رشتۂ اخوت میں منسلک ہو گئے

ان خوش بخت مبارک طلعت اور قدسی نہاد لوگوں نے جب
دین کے اسرار و رموز اور حقائق و معارف کو سمجھ لیا، اس انقلاب کی غرض و غایت اور
اسلام کے مزاج سے واقف ہو گئے، تو انہیں بشارت دے دی گئی۔ [۲۳]

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے
اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا ہے۔

ان آیات نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ یہ اسلامی انقلاب کامیاب
رہا، لوگ بدل و رغبت اس میں داخل ہو گئے، زمانہ جاہلیت کے تمام اثرات مٹ
گئے دلوں کی کدورتیں، خاندانی عصبیتیں اور نفسانی رنجشیں ختم ہو گئیں، اور دلوں
میں اخوت و محبت کے ایسے گہرے جذبات پیدا ہو گئے جنھوں نے انکو یکجان دو
قالب بنا دیا۔ فرشتہ خصلت، ایثار پسند، خوش اطوار، پاکیزہ اور عظیم و باکمال
لوگ پیدا ہو گئے جن کے دین و تقوی، امانت و خلوص و وفاداری و نیک نفسی کی
دھوم مچ گئی۔ لیکن اسلام کے دشمنوں کو، یہ شوکت و کامیابی، ارتقاء و بالادستی
تبلیغ و اشاعت اور سطوت و آتائی بالکل پسند نہ آئی، یہ اصول دنیا ہے کہ دشمن
کو خوبیاں کبھی نظر نہیں آتیں اور نہ اچھی لگتی ہیں، وہ آفتاب کی درخشانی دیکھتے
ہوئے بھی اس کی جلالت و تابانی کے انکار کے درپے رہتا ہے۔

---

[۲۱] النصر، ۱۱۰ - [۲۲] آل عمران، ۳: ۱۰۳ [۲۳] المائدہ ۵: ۳

اسلام کے ازلی دشمنوں نے بھی یہ چاہا کہ اسلام کے عروج واقتدار کو دیکھتے ہوئے بھی اس کا انکار کریں مگر اس کیلئے کوئی معقول بہانہ نہ ملا اور نہ کوئی راستہ نظر آیا۔

باغ فدک کے من گھڑت قصے نے ان کی یہ مشکل بھی حل کردی۔ وہ اس طرح کہ مشہور کردیا ،، حضرت فاطمہ نے صدیق اکبر سے اپنا حق مانگا، مگر انہوں نے نہیں دیا۔،،

ان کی اتنی سی بات نے پوری تحریک اسلامی کا مضحکہ اڑا کر رکھ دیا۔ وہ اس طرح کہ جو شخص اتنی سی بات مان لے اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ حق نہ دینے والے غاصب و ظالم تھے، انکے دل میں اپنے نبی کی صاحبزادی تک کیلئے کوئی ہمدردی و محبت نہیں تھی، چنانچہ ظلم وجفا پر اتر آئے، اور دین ہی کو ہاتھ سے دے دیا۔

چنانچہ دشمن نے یہ بات کہہ کر اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا، اور ان پہ کفر وارتداد کا فتویٰ جڑ دیا۔ جب یہ موقف اختیار کر لیا جائے تو یہ بات خود بخود پیدا ہو جاتی ہے کہ اسلامی انقلاب قطعی ناکام رہا، لوگوں کی کوئی اصلاح نہ ہوئی اور انہوں نے اس دین سے قطعی عمدہ اثرات قبول نہ کئے بلکہ حضور کے وصال کے ساتھ ہی پہلی روش پر آ گئے اور ظلم و بورہ پر کمر باندھ لی

اور جب اس برآمد شدہ نتیجہ کو مان لیا جائے، تو قرآنی ارشادات کا انکار ہو جاتا ہے، اور ان پر ایمان نہیں رہتا، دشمن یہی ایمان چھیننا چاہتا ہے، اور اسی مقصد کی خاطر اس نے فدک کا یہ حلیہ بگاڑا ہے اور یہ افسانہ تراشا ہے کہ حضرت فاطمہ کو فدک نہ ملا تھا جو ظلم ہے۔

اب ارباب فکر و نظر کی اپنی صواب دید پر ہے کہ دشمن اسلام نظریہ قبول کر کے اسلامی تحریک کی ناکامی کا اقرار کریں جو خالص دشمن کا منشا ہے۔ یا قرآنی آیات پر ایمان لا کر یہ کہیں کہ فدک کے بارے میں یہ وضع کیا ہوا خیال

باطل ہے۔ انہوں نے کوئی فدک غصب کیا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے جائیداد کی حیثیت سے چھوڑا ہی نہ تھا، بلکہ وہ صدقہ تھا، اس لئے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چل گیا کہ نبی کی میراث نہیں ہوتی تو پھر انہوں نے اس کا نام تک نہ لیا۔

یہ سیدھا سادہ حقیقت پر مبنی نظریہ قبول کرنے سے قرآن پاک پر بھی ایمان قائم رہتا ہے۔ اور تحریک اسلامی کے بارے میں شکوک و شبہات بھی پیدا نہیں ہوتے اور ان ہستیوں کا احترام بھی دل میں موجود رہتا ہے جنہوں نے اس تحریک کی کامیابی میں دل و جاں سے حصہ لیا۔ جن کا احترام دشمن دلوں سے نکالنا چاہتا ہے صرف اس لئے کہ انہوں نے کفر کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر اس تحریک کو کامیاب بنانے میں جان و جگر کی بازی لگادی

اہلِ بیت کی توہین

باغ فدک کی حیثیت بگاڑنے سے دشمنِ ایمان و دین غلیظ منصوبے کا مقصد اہل بیت کرام کی عزت و حشمت کو پامال کرنا بھی ہے، کیونکہ وہ اسلام کی ہر قدر اور محترم شخصیت کا یکساں بیری اور بدخواہ ہے، صرف اپنے مقاصد و عزائم کی تکمیل کیلئے گہری منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے تحت بعض اسلامی شخصیتوں سے محبت اور بعض سے عداوت و نفرت کا لبادہ اوڑھا ہے، اور یہ ایک گہری نفسیاتی چال ہے جسے آج کی سیاست کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے تفصیل یوں ہے۔

"نیشنلزم"، وہ انداز جہاں بانی ہے، جس میں عوام کے جذبۂ قوم پرستی اور ان کے جوشِ تعصب کو کسی دوسری قوم کے خلاف ابھار کر کسی خاص مقصد کیلئے تیار کیا جاتا ہے، اور جوشِ جنون میں ان سے وہ کام کرائے جاتے ہیں، جنہیں وہ معتدل اور مصالحانہ حالات میں کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر کسی سے انتقام و نفرت کے جوش میں وہ اتنے بے خود اور پر غضب ہو جاتے ہیں کہ انکی قوت

فیصلہ اور قوت ارادی بے وزن تنکے کی طرح بہہ جاتی ہے اور انہیں کچھ ہوش نہیں رہتا کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں۔ دشمن نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین سب کے خلاف سازش انہی خطوط پر تیار کی، بدنام مطعون اور رسوا سب کو کرنا تھا، اسے کسی کے ساتھ لگاؤ اور پیار نہیں تھا، مگر نہایت مکاری، ہوشیاری اور حکمت عملی سے اہل بیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ لیا، تاکہ ان کی محبت کا پرچار کر کے اس موثر ذریعہ سے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات کو ابھارا جا سکے اور انہوں نے جان لڑا کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور دنیا کے کونے کونے میں اسکی آواز پہنچانے کا جو ''ناقابل معافی جرم'' کیا ہے اس کا انتقام لیا جا سکے۔

چنانچہ انہوں نے اس کمین گاہ سے اللہ کے ان جانباز اور مخلص شیروں کی عزت و عظمت کا جس ڈھٹائی اور بے خوفی سے شکار کیا ہے، وہ اہل دل سے مخفی نہیں، اگر باشعور انسان غور کرے تو اسے اسی نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگتی کہ واقعی یہ دشمن اسلام دماغ کی سازش ہے، اور اس نے اسی راہ سے اپنے مٹانے والوں سے خوفناک انتقام لیا ہے۔

چونکہ دشمن کی نظر میں اہل بیت کرام کے معزز و محترم افراد بھی اسی سلسلہ میں کچھ کم مجرم نہ تھے، ان کی محبت کا جھوٹا لباس تو اس نے صرف سیاسی مصلحت کے تحت زیب تن کیا تھا اس لئے اس کی سازش کی کمان سے طعن و تذلیل اور اعتراض و تحقیر کے جو تیر نکلے، ان سے اہل بیت بھی محفوظ نہیں ہیں اگر اس کے دل میں حضرات اہل بیت کرام کی سچی محبت و عقیدت ہوتی، اور اسی وجہ سے اس نے دوسروں کو ہدف طعن بنایا ہوتا تو کم از کم ان کا تو لحاظ کرتا مگر معاملہ اس کے برعکس ہے جو اس حقیقت کی کھلی دلیل ہے کہ دشمن کا مقصود ساری اسلامی برادری کو ذلیل و رسوا کرنا ہے

اس میں صحابہ کرام یا اہل بیت کرام کی کوئی تخصیص نہیں چنانچہ یہاں دلیل کے طور پر کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں، جن سے اندازہ ہو جائے گا۔ کہ جن کے دل میں اہل بیت کی محبت و نیازمندی ہو وہ اس انداز کی باتیں نہیں کہہ سکتے، وہی ایسی بے سروپا، حقیقت سے عاری اور احمقانہ باتیں کر سکتے ہیں، جنھوں نے کسی کا مذاق اڑانا ہو، اور اس کو نظروں سے گرانا ہو۔

یہ وضاحت پہلے ہی کر دیں، کہ ان لغویات پر اہل سنت و جماعت کا بالکل ایمان نہیں ہے، انکے نزدیک اہل بیت کرام کی عزت کو بدنام اور پامال کرنے کے یہ اوچھے ہتھکنڈے اور من گھڑت افسانے ہیں اللہ کریم کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے مکرم و محترم اور عظمتوں والے اہل بیت کرام ان چھچھوری حرکتوں، دنی و ذلیل باتوں اور کمینی عادتوں سے قطعی پاک ہیں، ان کی شان کمال اس سے بلند ہے کہ ان کی ذات سے ایسی حرکات کا صدور ہو۔

اس ضروری وضاحت کے بعد" مشتے نمونہ از خروارے "، صرف ایک ہی واقعہ نقل کیا جاتا ہے جسے پڑھ کر رگوں میں غیرت کے باعث خوں کی بجائے بجلیاں دوڑنے لگ جاتی ہیں، دماغ کی ایک ایک نس جھنجھنا اٹھتی ہے اور جگر صدمے کی شدت سے چھلنی ہو جاتا ہے۔

کلیجہ تھام لیں اور پڑھیں پھر بتائیں یہ سب دشمن کی ریشہ دوانیاں اور ہرزہ بانیاں ہیں یا نہیں ؟ یا اب بھی یہ حقیقتیں ہی ہیں ؟

حضرت عمر نے دو آدمی بھیجے "تاکہ سیدہ فاطمہ کا حجرہ منہدم کر دیں، اندر شیر خدا بیٹھے تھے، ان کی ہیبت سے وہ یہ کام نہ کر سکے عمر خود آئے، اور شیر خدا کو آواز دی کہ باہر آؤ حضرت فاطمہ سر پر پٹی باندھے خود باہر آئیں، جسم نحیف و لاغر ہو چکا تھا، عمر کو ان کی بے چارگی پہ رحم نہ آیا۔ کہا " دروازہ کھولو! ورنہ گھر جلا دوں گا"، دروازہ نہ کھولا گیا۔ عمر نے حجرے کو آگ لگا دی، تب شیر خدا علی باہر نکلے، عمر نے حضرت فاطمہ کے شکم مبارک پر تلوار کا نیام اور ہاتھ پر کوڑا مارا، علی پہ ساری

کارروائی دیکھتے رہے۔ کچھ کہا تو صرف اتنا کہ،

"مجھے نبی پاک نے وصیت فرمائی ہوئی ہے، وگرنہ دیکھتا تم کس طرح میرا گھر جلاتے ہو"

یہ سن کر خالد نے تلوار لے کر حملہ کر دیا، مگر آن کی آن میں شیرِ خدا بپھر گئے اور خالد کو زمین پر پٹخ دیا۔ اور قتل کرنے کا ارادہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سب واسطہ دینے لگ گئے کہ نبی کی طفیل اسے چھوڑ دو علی نے چھوڑ دیا۔

پھر انہوں نے علی کے گلے میں رسی ڈال دی اور زمین پر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ فاطمہ یہ منظر نہ دیکھ سکیں اور باہر نکل آئیں، عمر نے انکے پیٹ پر تلوار ماری، چابک بھی رسید کیئے۔ پیٹ پھٹ گیا، بچہ ضائع ہو گیا۔ اور آپ فوت ہو گئیں۔

عمر نے علی سے کہا بیعت کرو، وگرنہ قتل کر دونگا۔

علی نے کہا تم مجھے قتل کرو گے؟ اگر نبی کی وصیت کا پاس نہ ہوتا تو ابھی پتہ چل جاتا کمزور کون ہے؟

یہ زبانی دھمکی اور خفگی کا سلسلہ جاری رہا، عمر تلوار لے کر آگے بڑھے تو علی نے گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا تلوار گر گئی۔ انہوں نے کہا بیعت کرو! پھر زبردستی آپ سے بیعت لے لی۔ علی فریاد کرنے لگے۔

یا ابن ام القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی [۲۴]

اے ماں کے بیٹے! قوم نے مجھے ضعیف سمجھا ہے، اور قتل کے درپے ہے۔ [۲۴] وغیرہ وغیرہ۔

جلاء العیون میں یہ واقعہ اسی ترتیب سے چار پانچ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ واقعات کی کڑیاں یہی ہیں جنہیں ایسے مکروہ انداز سے جوڑا اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ صرف حضرت صدیق اکبرؓ عمر فاروقِ اعظم اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کی شخصیت مسخ نہیں ہوتی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ طاہرہ زکیہ

---

[۲۴] جلاء العیون، ۱۹۶

فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی مبارک مقدس شخصیت کے بارے میں بھی غیر شعوری طور پر عجیب سے تاثرات ذہن میں ابھر آتے ہیں۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا دو مرتبہ پردہ سے باہر نکل آنا اور اس انداز سے باتیں کرنا بالکل غیر فطری اور ان کی شان سے بعید ہے۔

اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر بزدلی اور بے غیرتی کا جو دھبہ لگتا ہے، اور آپ کی شجاعت کے بارے میں جو تاثر ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ بالکل روائتی میاں خوجی کا سا ہے۔ حضرت سیدہؓ کا گھر جلا دیا جاتا ہے پھر شکم چیر کر شہید کر دیا جاتا ہے، مگر آپ یہی کہتے رہتے ہیں، "اگر وصیت نہ ہوتی۔ تو دیکھتا تم یہ سب کیسے کرتے ہو؟ جیسے کہتے ہیں ہوں نہ ہوئی میری قرولی، وگرنہ آسی قرولیاں بھونکتا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجاتا

پھر عجیب بات یہ ہے کہ

دھمکیاں بھی دیئے جاتے ہیں اور اسی وقت اتنے بہادر بھی بن جاتے ہیں کہ خالد کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں، دوسرے واسطہ دیتے ہیں تب چھوڑتے ہیں، عمر کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتے ہیں۔ ایک طرف شجاعت و بسالت کا یہ عالم ہے لیکن اسی لمحہ اتنے مجبور و بے بس ہو جاتے ہیں کہ بیعت کرنے سے ہاتھ نہیں چھڑا سکتے اور مارے دھاڑ بھول کر فریاد پہ اتر آتے ہیں۔

یہ وہ تضادات ہیں جن کی تسلی بخش توجیہ سے عقل قاصر ہے۔ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ کرام کا دشمن اہل بیت کا بھی دشمن ہے، اور ان کی طرف بھی بے غیرتی، بزدلی اور بے حیائی کی باتیں منسوب کر کے بدنام کرنا اور دلوں سے ان کا احترام گھٹانا چاہتا ہے۔

یہ ساری افسانہ طرازی اسی خاطر ہے۔ وگرنہ حضرت امیر المومنین امام المتقین جناب عمرؓ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے گھر گرایا، جلایا، نہ تلوار ماری، نہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کسی ایسی ناشدنی حرکت کے مرتکب ہوئے، اور نہ ہی

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس پیکرِ جرأت و عزیمت سے زبردستی بیعت لی۔ یہ سب یار لوگوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ یہ حضرات باہم وہی کچھ تھے جو قرآنِ پاک نے ان کے بارے میں بیان فرمایا۔

رحماء بینھم   آپس میں بڑے ہی رحمدل ہیں۔

الف بین قلوبھم   خدا نے انکے دلوں میں محبت پیدا فرما دی ہے۔

صبحتم بنعمتہ اخوانا یعنی اپنے ربّ کی رحمت سے بھائی بھائی بن چکے ہیں ان ربانی اعلانات کے ہوتے ہوئے بھی محبت و ایثار، خلوص اور پیار کے ان پیکروں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور دشمن سمجھتے رہنا سمجھ اور قسمت کا پھیر ہے۔ اب چاہے کوئی ان افسانوں پر ایمان لائے یا قرآنِ پاک پر۔

عنکبوتی دلائل کے جوابات

کہتے ہیں ابلیس سے کسی نے کہا کائنات ہستی میں تم بڑے منحوس فسادی، شورہ پشت، عیار و فتنہ طراز اور انتہائی ذلیل و قابل نفرت وجود رکھنے والی مخلوق ہو تم سے بڑے شر پرور نافرجام وجود کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، فتنہ آرائی تمہاری گھٹی میں پڑی ہے اور فساد و فجور کی گھناؤنی فضا قائم کرنا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

کہتے ہیں، ابلیس نے اپنی صفائی میں کہا۔

میں تو کچھ بھی نہیں کرتا، لوگ خود ہی کٹتے مرتے اور ہنگامے کھڑے کرتے ہیں، فتنہ و فساد کا بیج بوتے اور اس کے تلخ نتائج بھگتتے ہیں، میں تو صرف انگلی لگاتا ہوں۔

چنانچہ ابلیس ایک حلوائی کی دکان پر لے گیا، اپنی انگلی شیرے میں ڈبو کر دیوار پر مل دی۔ اس پر مکھیاں بھنبھنانے لگیں، چھپکلی ان کی طرف بڑھی تو قصاب کی بلی اس پر جھپٹ پڑی، ایک خریدار کا کتا وہاں کھڑا تھا، اس نے دکاندار کی بلی پر حملہ کر دیا، اور چیر پھاڑ ڈالا، دکاندار کو غصہ آیا تو اس نے کتے کو چھری مار دی خریدار نے اپنے کتے کا یہ حشر دیکھا تو طیش میں آکر قصاب کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، قصاب کے احباب و اقارب کو پتہ چلا تو وہ بپھرے ہوئے آئے اور خریدار کی تکا بوٹی اڑا دی، پھر اس کے خاندان کو پتہ چلا تو وہ بھی مسلح ہو کر آگیا اور دونوں خاندان ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہو گئے

ابلیس نے بھولپن سے کہا۔

اب بتاؤ، میں نے انہیں کہا تھا، کہ ایک دوسرے کا اس بے دردی سے کشت و خون کرو، اور زمین میں خونریزی کر کے فساد پھیلاؤ، یہ سارا

ہنگامہ اور فتنہ انہوں نے خود برپا کیا ہے، میں نے تو فقط انگلی لگائی تھی یہودی ابلیس نے بھی باغ فدک کے شہد سے میں انگلی ڈبو کر ذہنوں کی دیوار پر لگا دی اور باقی سارا کھیل خود شروع ہو گیا جو وہ دکھانا اور دیکھنا چاہتا تھا انسان جبلی اور طبعی طور پر کچھ ایسا واقع ہوا ہے۔ کہ جب کسی نظریہ و خیال کے زیر اثر آجائے تو اسی نہج پر سوچنا شروع کر دیتا ہے اور قوت فکر کے تمام پرزے اسی کے حق میں کام کرنے لگ جاتے ہیں، اگرچہ اسکی سوچ کے دھارے غلط سمت بہہ رہے ہوں مگر وہ انہیں بڑی اہمیت دیتا اور درست سمجھتا ہے۔

حضرات شیعہ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا، یہودی ابلیس تو اپنا کام ختم کر کے اور انہیں ایک راہ دکھا کر الگ ہو گیا؟ مگر انکے ذہن و فکر نے باغ فدک کی مسخ کردہ صورت کے بارے میں مواد تیار کرنا اور سوچنا شروع کر دیا۔ اور اپنی ترنگ میں ایسے دلائل وضع کر ڈالے جو تحقیق و درایت کے سامنے بازیچۂ اطفال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، اور انہیں دیکھ کر ہنسی آجاتی ہے۔ مگر یہ حضرات انہیں بڑی سنجیدگی اور شد و مد سے پیش کرتے اور اچھالتے ہیں۔

آخر میں ان بوگس تار عنکبوت سے زیادہ کمزور، بے حقیقت اور علم و دیانت سے تہی اعتراضات کا جائزہ لے کر یہ بحث ختم کی جاتی ہے۔

آیت قرابت کا جواب

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کر کے شیعہ حضرات لکھتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ

"اور دو قرابت دار کو اس کا حق"، تو حضور کو پتہ نہ چلا، قرابت دار سے کون مراد ہے؟ جبریل کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے رب تعالیٰ سے پوچھ کر بتایا "اس سے فاطمہ مراد ہے"، حضور نے فاطمہ کو بلا کر کہا،

خدا نے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دے دوں فاطمہ نے کہا میں نے خدا سے اور آپ سے قبول کیا۔

روائت کے الفاظ یہ ہیں۔ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هم ؟ فراجع فی ذالک جبریل وراجع جبریل ربہ فاوحی الیہ ان ادفع فدک الی فاطمة، فدعا فاطمة فقال لها ان اللہ امرنی ان ادفع الیک فقالت قد قبلت یا رسول اللہ من اللہ ومنک [25]

تحقیق و درایت کے اصول کہتے ہیں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات قطعی فرضی اور اختراعی ہے، کیونکہ اہل بیت نبوت کے ذمہ دار افراد کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے، جو قرآن کے خلاف اور عقل و بصیرت کے منافی ہو یہ روائت پڑھ کر اول وہلہ ہی میں یہ خیال ذہن میں آجاتا ہے کہ نبی پر جو وحی نازل ہوئی اس کے سمجھ میں نہ آنے کے کیا معنی؟ کیا یہ معقول بات ہے کہ جبریل ایک آیت دے کر چلے جائیں اور نبی کو اس کا مفہوم و مدعا اور منشا جاننے کیلئے دوبارہ اسکی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس ہو؟

سب سے طرفہ بات یہ ہے کہ سورہ بنی اسرائیل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جس کی یہ آیت ہے۔ ان اللہ عزوجل انزل علیہ فی سورة بنی اسرائیل بمکة وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاه وبالوالدین احسانا الی قولہ تعالیٰ انہ کان بعبادہ خبیرا بصیرا [26]

اس وقت فدک، خیبر کی فتوحات اور مال غنیمت وغیرہ کا نشان و تصور نہ تھا، ایسی حالت میں یہ دعویٰ کرنا کس قدر مضحکہ خیز اور حیرت انگیز ہے کہ اس وقت رب تعالیٰ نے نبی کریم کو حکم دیا کہ فدک فاطمہ کو دے دیں۔ یہی ایک تاریخی حقیقت اس بات کے وضعی ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کیلئے کافی ہے۔

اس دعوے کا بوگس اور بے حقیقت ہونا۔ آیت کریمہ کے سیاق و سباق

---

[25] اصول کافی، باب الفیئ والانفال۔ [26] اصول کافی، ۲: ۳۰ باب ان الاسلام قبل الایمان

سے بھی واضح ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔ وآت ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا [27]

اور قرابت دار کو اس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور فضول خرچی مت کرو۔ آیت کریمہ کا لہجہ، طرز بیان، انداز خطاب بتا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں، بلکہ امت کو خطاب ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم ذات سے فضول خرچی کا تصور ہی محال ہے۔

نیز اس میں، قرابت دار کے ساتھ مسافر اور مسکین کو بھی اس کا حق دینے کا حکم ہے۔ اگر قرابت دار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حق سے باغ فدک مراد لیا جائے، تو پھر لازم آتا ہے باغ فدک میں مسکین و مسافر کو بھی شامل کرنے کا حکم ہے حالانکہ حضرات شیعہ یہ حق صرف حضرت فاطمہ کیلئے ثابت کرنے کے قائل ہیں۔ ایک ہی مفہوم کی آیت سے ایک کیلئے فدک کا ثبوت اور دوسروں سے نفی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ثابت ہوا باغ فدک کے ساتھ اس آیت کا سرے سے تعلق ہی نہیں ہے۔ اور یاران تیز گام نے خواہ مخواہ محمل کو جا لینے کی تگ و دو شروع کر رکھی ہے

آیت وراثت کا جواب

جب حضرات شیعہ کو یہ نورانی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اللہ کا نبی قرب و حضور کی ان بلندیوں پر فائز ہوتا ہے جہاں اس کیلئے دنیاوی دولت پر کاہ جتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ سیم و زر کے ٹکڑوں کو وہ سنگریزوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اسکی اصل توجہ علم و معرفت، تزکیہ و تربیت اور تعمیر کردار و تشکیل سیرت کی طرف ہوتی ہے۔ وہ روحانیت کا سبق دیتا، اور ملکوتی حقائق و اسرار سے آگاہ کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے پہلے ہی بتا دیا۔

"لا یقتسم ورثتی دینارا ولا درھما

---

[27] سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶

اور فرمایا۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ

تو یہ حضرات صرف باغ فدک کو حضور کی میراث ثابت کرنے کیلئے ان ارشادات کا انکار کر دیتے ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان استغنا اور عظمت کا اندازہ و اظہار ہوتا ہے۔ اور وہ چیز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو قابل فخر ہے نہ مقام نبوت کے شایانِ شان ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسے بے حقیقت قرار دیا ہے۔ لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ من الخیر جناح بعوضۃ ما اسقی فیھا کافر شربۃ ماء ۲۸

"اگر دنیا، اللہ کے نزدیک مچھر کے پر جتنی بھی اہمیت رکھتی، تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ تک نہ پلایا جاتا" ۔ فرعون، شداد، نمرود اور قارون کے پاس اسی دولت دنیا کے انبار اور ذخائر تھے۔

ان قارون کان من قوم موسی فبغی علیھم و آتینہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ ۲۹

قارون، قوم موسیٰ کا ایک فرد تھا، اس نے سرکشی اختیار کر لی، ہم نے اسے اتنے خزائن و ذخائر عطا فرمائے تھے کہ صرف انکی چابیاں اونٹوں کی طاقتور جماعت پر لادی جاتی تھیں۔

شیعہ حضرات، میراث علم و معرفت ثابت کرنے کی بجائے، نبی کریم کیلئے بہ نمرودی و قارونی میراث ثابت کرنے کیلئے ایک آیت کریمہ کو بہ غلط مفہوم پہناتے ہیں کہ حضرت سلیمان، حضرت داؤد کی دولت کے وارث ہوئے۔ اگر پیغمبر کی میراث ممنوع ہوتی تو وہ کس طرح وارث بنتے؟

وورث سلیمان داؤد ۔ اور حضرت سلیمان، حضرت داؤد کے وارث ہوئے

۲۸ ترمذی، ابواب الزھد۔ ۲۹ القصص۔

حالانکہ اس آیت کریمہ میں دنیاوی مال و دولت کی میراث پانے کا کہیں ذکر نہیں وہی علم و نبوت کی میراث مراد ہے۔ کیونکہ شیعہ ہی کی ایک روائت ہے۔

ان سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان ۳۰

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے

یہاں سے معمولی فہم و فراست کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ صرف علمی میراث مراد ہے کیونکہ حضور علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ہزاروں سال کا فاصلہ ہے، جسکے باعث دنیاوی اور مالی میراث پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ثابت ہوا سلیمان علیہ السلام کی جو میراث آپ تک پہنچی وہ نبوت و معرفت اور علم و حقائق کی میراث تھی۔ جو انبیاء کی میراث ہوتی ہے اور جو انکی شان و منزلت کے لائق ہے دنیاوی میراث نہیں تھی۔

آیت وصیت کا جواب

اسی سلسلہ میں ان کا ایک اور بہت بڑا، مشہور ترین اور منجھا ہوا اعتراض اور اس کا جواب سننے سے پہلے ایک بات یاد رکھ لینا بہت مفید ہے۔

قرآن پاک مجمل ہے، یعنی اسکے بیان میں تفصیلات و تشریحات نہیں، بعض مقامات پر تو صرف اشارات و کنایات ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے اس کی شرح و تفسیر کا حق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا ہے قرآن کی کسی عبارت کی وہی مراد برحق اور منشائے الوہیت کے مطابق ہو گی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا [۵۹:۷]

حضور علیہ السلام جو دیں لے لو، جس سے روکیں، اس سے رک جاؤ۔

وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی

۳۰، اصول کافی ۱: ۲۲۴۔۔ باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ ان کا فرمودہ، وحی ربانی ہوتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ [۳۳ : ۲۱]

ذات رسالت تمہارے لئے حسین ترین اور باکمال نمونہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کی حیثیت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام مضامین کی جو تفسیر و مراد بیان فرماتے ہیں، اسے قرآن ہی کا حکم تصور کیا جاتا ہے مثلاً قرآنِ پاک نے صرف نماز پڑھنے اور زکات دینے کا حکم دیا ہے۔

اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ [۲ : ۴۳]

نماز قائم کرو اور زکات دو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمل حکم کی اپنے ارشاد و عمل سے توضیح فرمائی، نماز کی رکعات کا تعین فرمایا اور زکات کی فی صد مقدار مقرر کی اور بتایا منشائے قدرت یہی ہے۔

تعین رکعات اور مقدار زکات سے آگاہ کرنے والے نبوی ارشادات کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ناسخ آیات ہیں، انہوں نے آیت کے مفہوم کو تبدیل کر دیا ہے۔ بلکہ کہا جائے گا۔ اسکے مفہوم کو واضح کر دیا ہے۔ اور یہ ناسخ نہیں بلکہ مفسر آیات ہیں۔

تشریح و تفسیر اور نسخ میں یہی فرق ہے۔

یہ فرق ذہن نشین کر لینے کے بعد، یہ آیت کریمہ پڑھیں

یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین [۴ : ۱۱]

"اللہ پاک تم کو وصیت فرماتا ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں سے دگنا حصہ دو"
یہ سب کیلئے ارشاد ہے، چونکہ عمومی حکم کے باعث کوئی سمجھ سکتا تھا، کہ نبی کریم بھی اس میں شامل ہیں، اس لئے آپ نے پہلے ہی وضاحت فرما دی اور بتا دیا۔ انبیائے کرام اس عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ [۳۱]

---

[۳۱] بخاری، ۵۲۶

ہم انبیاءؑ کا گروہ وارث نہیں بنائے جاتے، جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے
آپ کا یہ ارشاد پاک اس آیت کریمہ کا ناسخ نہیں، بلکہ مفسّر شارح ہے اور اس
حقیقت کبری سے آگاہ کرنے والا ہے، کہ نبی، میراث کے معاملہ میں عوام، افرادِ
امت اور لوگوں کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ اس کے منصب کی یہ خصوصیت وانفرادیت
ہوتی ہے کہ جو چھوڑ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور اسکی میراث عام لوگوں کی
طرح تقسیم نہیں کی جاتی۔

شیعہ حضرات کے سامنے جب یہ حدیث پیش کی جاتی ہے تو وہ جھٹ
یہی کہہ کر مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ "اس طرح یہ حدیث قرآن کی ناسخ
بن جاتی ہے، حالانکہ حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی،، اس مغالطے کا جواب
اور حل یہی ہے کہ!

یہ حدیث پاک شارح ومفسر ہے، آیت کی ناسخ نہیں، کیونکہ اس کے
ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی منصب سے آگاہ فرمایا ہے، اور یہ شرح
تفسیر ہے، جیسے مقدار زکات ورکعات کا بیان، تفسیر ہے منشاء ومراد الٰہی سے آگاہی
ہے، نسخ نہیں۔

وصالِ سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد، غم فرقت اور دلدوز جدائی نے ایک لمحہ کیلئے بھی حضرت سیدہ فاطمہ زہراہ رضی اللہ عنہا کا دامن نہ چھوڑا۔ آپ ہر وقت نڈھال اور بے خود سی رہنے لگیں، اور طبیعت مبارک گرتی ہی چلی گئی، وصال نبوی کے چھ ماہ بعد ہی یہ حالت ہو گئی کہ آثار زیست منقطع ہو گئے۔

ایک روز آپ نے مونس وہمدرد اور بے لوث تیماردار حضرت اسماء سے کہا۔ ہمارے ہاں خواتین کا جنازہ جس طرح اٹھایا جاتا ہے، وہ مجھے اچھا نہیں، میں چاہتی ہوں، میرا آخری سفر اس شان سے ہو، کہ جنازہ مکمل طور پر پردے میں رہے۔

حضرت اسماء نے جواب دیا۔

میں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ، مرطوب کماندار لکڑیاں جنازے پر رکھ کر اوپر چادر ڈال دیتے تھے، جنازہ ہر طرف سے چھپ جاتا تھا، پردے کے تقاضے پورے کرنے کیلئے مجھے ان کی یہ اختراع بہت پسند آئی تھی۔ پھر اسماء نے مقوس لکڑیاں منگوا کر، جنازے کی شکل بنا کر دکھا دی۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو یہ چیز بہت پسند آئی، چنانچہ وصیت فرمائی۔

" انکے جنازے پر ایسی ہی مقوس یعنی بصورت کمان مڑی ہوئی لکڑیاں رکھ کر پردے کا خاص خیال رکھا جائے۔ اور شب میں دفن کیا جائے تاکہ جنازہ مستور و محجوب رہے اور شب کے اندھیرے میں کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ عہ

عہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے باہمی میل ملاپ اور تعلق و محبت کا اندازہ اس سادہ سی حقیقت سے لگایا

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو مدینہ طیبہ میں ایک بار پھر قیامت آگئی، فریاد و فغاں اور غم و اضطراب سے ہر شے کا کلیجہ پھٹ گیا اور در و دیوار ہل گئے وہی سماں طاری ہو گیا جو چھ ماہ پہلے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پیدا ہوا تھا۔

جب جنازہ اٹھایا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنازے کی نرالی اور غیر رسمی حالت دیکھی تو بہت حیران ہوئے، آپکی زوجہ محترمہ نے بتایا، میں نے یہ تجویز پیش کی تھی جو سیدہ نے قبول فرمائی تھی۔ اب آپ کی وصیت کے مطابق پردے کی خاطر، جنازہ گہوارے کی صورت میں مرطوب لکڑیوں کے ذریعے چادر سے ڈھانپا گیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت کی اس پسند کو بہت سراہا پھر جنازے کی نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

صلّی ابوبکر علی فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیہا اربعا [32]

حاشیہ

جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کو اپنی خدمت و تیمارداری پہ مامور کئے رکھا، یہی نہیں بلکہ ان کے جذبۂ خدمت گساری اور محبت سے متاثر ہو کر وصیت فرمائی کہ ان کے وصال کے بعد حضرت علی اور حضرت اسماء ہی انہیں غسل دیں

اسماء بنت عمیس قالت: اوصتنی فاطمة ان لا یغسلها الا انا و علیؓ فغسلتها انا و علی (احتجاج ۱: ۱۲۶۔ جلاء العیون ۱۵۶)

چنانچہ علی اور میں نے وصیت کے مطابق انہیں غسل دیا۔

۳۲۔ ابن سعد، ۸ : ۲۹

بیعت حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ ہی کی خبر گیری اور دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے، چھ ماہ ان ہی مصروفیات میں گزر گئے آپ کو موقعہ ہی نہیں ملتا تھا کہ کاروبارِ سلطنت میں حصہ لیں، اور مفید و پر خلوص مشوروں سے خلافت کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں، کیونکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی منفرد اور خصوصی شان و فضیلت کی وجہ سے انکی تیمارداری اور نگہداشت میں مصروف رہنا آپ کیلئے اہم ترین فریضہ تھا۔

اس سے بعض ذہنوں میں یہ خدشات ابھر آئے کہ شاید آپ اس انتخاب سے خوش نہیں ہیں، اور دانستہ اعراض کر رہے ہیں، اسی خیال سے بعض سر برآوردہ حضرات تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل سے ناخوش ہو گئے۔ پہلے تو انہیں یہ خیال رہا کہ سیدہ کی تیمارداری اور عیادت کی وجہ سے فرصت نہیں نکال سکتے مگر جب یہ عذر بھی ختم ہو گیا، تو انہیں یہ بات محسوس ہوئی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی دوستوں کے چہروں کے نقوش سے ان کے خیالات پڑھ لئے، اور اپنی خوشنودی و رضا کا ثبوت دینے کیلئے مسجد میں پہنچے اور علانیہ برضا و رغبت خوش دلی اور محبت کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر تجدید بیعت کی، اور بتایا!

آج تک بنتِ رسول کی عیادت کی وجہ سے معاملات میں حصہ لینے سے قاصر رہا ہوں وگرنہ میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے ابوبکر صدیق افضل و اعلیٰ اور سابقین کے زمرے سے ہیں، میں ان کی فضیلت کا اعتراف کرتا ہوں۔

تشهد علی رضی اللہ عنہ فعظم حق ابی بکر و ذکر فضیلتہ وسابقتہ، وحدث انہ لم یحملہ علی الذی صنع، نفاستہ علی ابی بکر، ثم قام الی ابی بکر فبایعہ [۳۳]

توحید و رسالت کی گواہی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

[۳۳] بخاری، ۶۰۹: البدایہ، ۵: ۲۸۶ باب بیان لا نورث

کی عظمت و فضیلت اور سابقیت کا ذکر فرمایا اور بتایا! وہ کسی عداوت کی وجہ سے نہیں رکے رہے ہیں۔ پھر کھڑے ہوئے اور بیعت کر لی۔ دوست احباب کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بے حد خوشی ہوئی خدشات دور ہو گئے اور پتہ چل گیا، آپ کی غیر حاضری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہمہ وقت موجود رہنے کے باعث تھی۔

بیعت کے حق میں حقائق و شواہد

اہل تشیع ان حقائق و واقعات کے اظہار سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں، حالانکہ خود ان کے اسفار و اساطیر میں اس بیعت کی تمام تفصیلات موجود ہیں۔ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں، جسے اہل سنت و جماعت بیان کرتے ہوں اور ان کی کتب سے اس کی تائید و توثیق نہ ہوتی ہو۔

چنانچہ یہاں ان کی کتب کی روشنی میں، اپنے مبنی برحق دعوے کی حقانیت و صداقت ثابت کرنے کیلئے اس موضوع کے ہر پہلو کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے

(۱) اقرارِ بیعت

اس موضوع کا ایک پہلو یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس وقت بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی، جب سقیفہ بنو ساعدہ میں خلیفہ کا انتخاب ہوا اور اہل ایمان سے عام بیعت لی گئی، یہ تو ممکن ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناسازیٔ طبع کے باعث غم کی شدت ان کی تیمارداری میں مکمل انہماک مصروفیت کی وجہ سے آپ نے بیعت میں چند روز کی تاخیر کر دی ہو، اور موقعہ ملتے ہی اس اہم فرض سے سبکدوش ہو گئے ہوں۔ لیکن اس بے حقیقت دعوے کا کوئی ثبوت و جواز نہیں کہ آپ نے سرے سے بیعت کی ہی نہیں تھی۔

کیونکہ خود آپکے خطبات کے سیاق وسباق اور اسلوب بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ نے بیعت کرلی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اندازِ جہان بانی اور رموزِ مملکت کو سمجھنے اور اعتدال و توازن کے ساتھ تمام امور انجام دینے کی صلاحیتوں کی بصمیم قلب تعریف بھی کی تھی۔

یہ معرکہ آرا خطبہ اس سلسلہ کی نادر و نایاب مثال ہے، جس کا پس منظر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وصال نبوی کے بعد پختہ یقین تھا۔ کہ قرعہ فال میرے نام نکلے گا، لیکن جب حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع ہوگیا تو دل کو ٹھیس سی لگی دن بیتتے گئے، جب مخالفینِ اسلام کی دین کے خلاف بغاوت اور یورش کا علم ہوا تو فیصلہ کرلیا اس وقت اہل اسلام کی امداد و اعانت کرنا سب سے زیادہ ضروری بات ہے اگر اس معاملہ میں سستی اور غفلت برتی گئی تو پھر اس نقصان کی تلافی کبھی نہ ہوسکے گی، خلافت ہاتھ نہ آنا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسے ذاتی وقار کا مسئلہ بنالیا جائے یا اس کا غم سینے سے لگاکر زندگی کو مسرتوں کی خوشبو سے محروم کردیا جائے، یہ عارضی اور چند روزہ چیز ہے، جو بادل کی طرح چھٹ جاتی اور سراب کی طرح مٹ جاتی ہے۔ ان تمام حقائق اور نشیب فراز پر غور کرکے

مشیت عند ذالک الی ابی بکر ! وبایعتہ ونھضت فی تلک الاحداث حتی زاغ الباطل وزھق، وکانت کلمۃ اللہ ھی العلیاء ولوکرہ الکافرون، فتولیٰ ابوبکر تلک الامور وسدد، ولیتر، وقارب واقتصد۔ فصحبتہ، مناصحا

[ناسخ التواریخ، کتاب الخوارج، ۳: ۳۲۲]

میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا، اور انکی بیعت کرلی، اور انکے ساتھ مل کر تمام فتنوں کو دبایا، یہانتک کہ باطل نابود اور ملیامیٹ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ کے دین کو عروج و اقتدار حاصل ہوا۔ اگرچہ کافروں کو یہ صورت حال پسند نہ تھی، چنانچہ حضرت ابوبکر نے تمام امور کو اپنی ذاتی نگرانی میں لے کر سلجھایا، درست اور آسان

کیا، متوازن راہ اختیار کی اور حد اعتدال میں رہے، میں نے ایک مخلص مشیر کی حیثیت سے ان کا ساتھ دیا۔" اس خطبہ کی تفصیلات اس حقیقت عظمیٰ کا ناقابل تردید ثبوت ہیں کہ آپ نے اس وقت بیعت کرلی تھی، جس کا اظہار آپ نے بعد میں کیا، اگر آپ نے اس وقت بیعت نہ کی ہوتی اور وقت کی پکار اور حالات کی نزاکت بھانپ کر بھی خاموش رہے ہوتے تو کبھی ان ضرورتوں اور ناقابل فراموش باتوں کا ذکر نہ فرماتے، بیان کے تیور اور پس منظر کے حالات صاف بتا رہے ہیں کہ آپ نے بیعت کرلی تھی

(۲) تجدید بیعت

دوسرا پہلو یہ ہے کہ چھ ماہ بعد آپ نے از سر نو بیعت کی تجدید کی۔ اس تجدید کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اس چھ ماہ کے عرصہ میں آپ نے مشیر خاص، وزیر باتدبیر، اور مخلص دوست کی حیثیت سے امور سلطنت کی بجاآوری میں کوئی حصہ نہ لیا، حالانکہ عظیم تر تعلقات کی بنا پر آپ کا اولین اخلاقی فرض اور سب سے زیادہ حق تھا، اس عدم شرکت یا کوتاہی کی وجہ کوئی ذاتی رنجش، رقابت، جلن یا عداوت نہیں تھی، جیسا کہ یہ افسانہ خوب نمک مرچ لگا کر سنایا جاتا ہے، بلکہ اس طویل غیر حاضری، عدم رغبت اور بے توجہی کی وجہ، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی علالت اور طویل بیماری تھی، جس سے آپ جانبر نہ ہوسکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درد فراق اور غم ہجر نے آپ کو دنیا سے مستغنی اور زندگی سے بیزار کردیا تھا، آپ نے اس صدمہ کو اس طرح سینے سے لگایا کہ ہر چیز سے بے نیاز ہوگئیں، چونکہ عظیم المرتبت صاحبزادی اور کونین کی سیدہ تھیں، اسی لئے مولا علی رضی اللہ عنہ ان کو اس حال میں ایک لمحہ کیلئے بھی چھوڑ کر ادھر ادھر نہ ہوسکے، شب و روز بڑے خلوص و انہماک اور سوز و پیار کے ساتھ تیمارداری میں مصروف رہے۔

چھ ماہ کا عرصہ کچھ اتنا مختصر بھی نہیں ہوتا، چنانچہ بعض ذہنوں میں شکوک و

شبہات کی فضا قائم ہوگئی، کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ تغافل معنی خیز ہے جب حضرت سیدہ کا وصال ہوگیا اور پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی روش ترک نہ فرمائی [حالانکہ امکان ہے۔ غم فرقت نے زندگی کی مصروفیات میں حصہ لینے کی خواہش ہی چھین لی ہو، اور آپ کا دل ہی نہ چاہتا ہو کہ زندگی کے ہنگاموں میں دوسروں کے ساتھ شرکت کریں، کیونکہ عزیز رشتہ دار کے فوت ہو جانے کے ساتھ عام طور پر دل کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے] مگر آپ کے اس طرزِ عمل نے لوگوں کے شک کو اور پختہ کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ صورت گوارا نہیں فرما سکتے تھے، چنانچہ بہت جلد خود کو سنبھال لیا، اور اپنے احباب کی غلط فہمی دور کرنے کی ٹھان لی، آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے حجرہ انور میں آنے کی دعوت دی، جب آپ تشریف لے آئے تو بنو ہاشم کی جماعت کے سامنے حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت بیان فرمائی، اور آپ کی اسلامی خدمات و کمالات کا اعتراف کیا۔

قام علی فحمد اللہ واثنیٰ علیہ بما ھو اھلہ، ثم قال اما بعد، فلم یمنعنا ان نبایعک یا ابابکر انکار لفضلک ولا نفاسۃ علیک بخیر ساقہ اللہ الیک

حضرت علی کھڑے ہوئے، اللہ پاک کی حمد و ثنا کہی، جس کا وہ اہل ہے پھر اسکے بعد کہا! اے ابوبکر! ہمیں بیعت کرنے سے اس چیز نے نہیں روکا کہ ہم آپکی فضیلت کے منکر تھے، یا جو منصب اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمایا۔ اسکے خلاف ہمارے دل میں کدورت تھی۔

ثم ذکر قرابتھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحقھم فلم یزل علی یذکرھم حتی بکی ابوبکر

پھر حضرت علی نے نبی پاک کے ساتھ اپنی قرابت داری اور حق کا ذکر کیا۔ حضرت علی بیان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں

سے آنسو رواں ہو گئے۔ پھر حضرت ابو بکر اٹھے، حمد و ثنا کے بعد کہا:

واللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی ان احل من قرابتی۔

اللہ کی قسم! مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ داری اپنی قرابت داری سے زیادہ پیاری ہے۔]

محبت اور خلوص کی اس سازگار فضا میں ایک دوسرے کے حقوق و فضائل کے اعتراف، اور خوشی سے بہنے والے آنسوؤں نے، اگر کچھ گلے شکوے تھے بھی تو دور کر دیئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اعلان کر دیا

موعدک للبیعۃ العشیۃ شام کو آپ کی بیعت کر لوں گا۔

فلما صلی ابوبکر الظہر اقبل علی الناس یعذر علیھا ببعض ما اعتذر بہ ثم قام علی؛ فعظم من حق ابی بکر، وذکر فضیلۃ، وسابقتہ، ثم قام الی ابی بکر فبایعہ فاقبل الناس علی علیؓ فقالوا: اصبت واحسنت؛

[کشف الغمہ، ۲: ۳۴]۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور حضرت علی کی معذرت کا ذکر کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کا اعتراف کیا، اور بتایا آپ سب سے پہلے اسلام لانے والے افضل ترین مسلمان ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بیعت کر لی، لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے بہت خوش ہوئے اور آپ پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت کر لینے کے سلسلہ میں زہری کا قول بھی اسی جگہ موجود ہے

ولا احد من بنی ھاشم حتی بایعہ علی۔

(بنی ہاشم نے بیعت نہ کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی)

یہ طویل قصہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے بیعت کر لی تھی

(الف) اعتراف فضل و کمال

یہاں ضمنی طور پر یہ بیان کر دینا بے وجہ نہیں کہ شورو خرد کی نظر میں بیعت نہ کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے، اس داستان سرائی کی بنیاد اس بات پر رکھی جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بغض رکھتے تھے (نعوذ باللہ) حالانکہ حقیقت اس فرسودہ دعوے کے برعکس ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے محبت و خیر خواہی اور پیار سے لبریز جذبات کا اظہار کیا ہے انکے لئے دعا کی ہے، آپکے یہی احساسات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے بھی ہیں۔

لعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بھما لجرح فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا

"مجھے اپنی عمر کی قسم! ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما اسلام میں عظیم المرتبت ہیں اور ان کی کمی اسلام کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے خدا تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور انکے حسین و اعلیٰ اعمال کی جزائے خیر دے۔"

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

فالصدیق من صدق بحقنا والطل باطل عدونا

"صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے ہمارے حق کی تصدیق کی، اور ہمارے باطل دشمن کا بطلان کیا" اسی طرح آپ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کیلئے اپنے پیار بھرے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

فالفاروق من فرق بیننا وبین اعدائنا

فاروق وہ ہیں جنہوں نے ہمارے دشمنوں کے درمیان فرق کیا۔

[ابنِ میثم بحرانی ۔ ۴: ۳۶۲]

للہ بلاد فلان نقد قوم الاود وداوی العمد خلف الفتنۃ واقام السنۃ ذھب نقی الثوب، قلیل العیب اصاب خیرھا ؛

وسبق شرها، ادی الی اللہ حقہ، واتقاہ بحقہ

[نہج البلاغۃ ۱:۴۸۵]

"اللہ تعالیٰ، عمر فاروق کے شہروں میں برکت دے، جنھوں نے یہ کجی درست کی، اور امراض کا علاج کیا فتنے کو پیچھے چھوڑا اور سنت پاک کو رواج دیا، پاک دامن بے عیب دنیا سے گئے، خیر پالی اور شر و فساد سے بچ کر آگے نکل گئے، اللہ پاک کا حق ادا کیا۔ اور اس سے ڈرے جیسا ڈرنے کا حق تھا۔" ان روشن صداقتوں کے ہوتے ہوئے یہ دعوی کس قدر کھوکھلا بے جان اور مضحکہ خیز ہے کہ ان قدسی نفوس کے درمیان خوں ریز عداوت موجود تھی اور وہ ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی باعث حضرت علی نے بیعت نہ کی ؎

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے۔

(۳) بیعت سے بے رغبتی

تیسرا پہلو جو حقیقی بھی ہے اور واقعی بھی وہ یہ ہے کہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت کے شائق وطلبگار ہی نہ تھے۔ آپکے قلب انور میں اسکے حصول کیلئے کوئی خواہش و رغبت نہیں تھی، کیونکہ اسکے تقاضوں اور ذمہ داریوں کی سنگین نوعیت سے آگاہ تھے، اور اپنی حق پسندی اور روشن ضمیری کے باعث جانتے تھے کہ خلافت و اقتدار کا منصب قبول کر کے انسان پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں، جنہیں قبول کرنے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ اگر وقت سے پہلے ان کا بوجھ اٹھا لیا جائے تو نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ آپکے خطبات سے ان حقیقت افروز تاثرات وخیالات کے واضح نشان ملتے ہیں آپ نے فرمایا ہے۔

ایھا الناس! شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ، وعرجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا عن تیجان المفاخرۃ، افلح من نھض بجناح، او استسلم

فاراح، هذا ماء آجن، ولقمة يغص بها آکلها ومجتنی الثمرة لغیره وقت ایناعها، کالزارع بغیر ارضه۔

[نہج البلاغۃ، ۱: ۵۴]

اے لوگو! نجات کے سفینے پہ سوار ہو کر فتنہ و فساد کی ہیبتناک موجوں کا سینہ چیر دو، اور منافرت کی راہ سے کنارہ کش ہو جاؤ، اور فخر و غرور کی کلاہ سر سے اتار پھینکو، فلاح و ظفر مندی اسی کیلئے ہے جو دست اعانت بڑھاتا، یا اطاعت کا دم بھر کر راحت بخشتا ہے۔ یہ اقتدار تو کڑوا، ناخوشگوار پانی یا گلے میں اٹکنے والا لقمہ ہے، جو کھانے والے کے حلق میں پھنس جاتا ہے بے وقت پھل چننے کی کوشش کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دوسرے شخص کی زمین میں تخم ریزی کرے۔

شیعہ ادیب و محقق ابن ابی الحدید نے حضرت علی کے ان کلمات کی اس طرح تشریح و ترجمانی کی ہے کہ آپ بتانا چاہتے ہیں۔ الامرة علی الناس وخیمة العاقبة، ذات مشقة فی العاجلة، فھی فی عاجلھا کالماء الآجن یجد شاربه مشقة، وفی آجلھا کاللقمة تحدث عن اکلھا الغصة

امارت کا انجام بہر صورت، تلخ و ناگوار ہوتا ہے، اگر جلد حاصل ہو جائے تو اس بدبودار پانی کی طرح ہوتی ہے، جسے پینے والا تکلیف محسوس کرتا ہے، اور دیر بعد ملے تو اس خشک لقمے کی طرح ہوتی ہے جو گلے میں اٹک جاتا ہے

یہی ادیب لکھتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان ملفوظات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ یحتمل ان یکون الامران معا للعاجلة لان الغصة فی اول البلع، کما ان شرب ماء الآجن یحدث فی اول الشرب۔۔

[شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ۱: ۲۱۴]

"کہ یہ دونوں مثالیں جلد حاصل ہونے والے اقتدار ہی کی ہیں، اس لئے کہ ناگوار و بدبودار پانی کے پہلے گھونٹ ہی کی طرح گلے سے نہ اترنے والے کھانے

کا بھی پہلا لقمہ ہی تکلیف و مشقت کا باعث ہوتا ہے۔ اس خطبہ کا مضمون بمعنی صاف بتا رہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس وقت خلافت کو اپنے حق میں ناپختہ پھل تصور فرماتے تھے، جسکی طلب کوئی ذہین و معاملہ فہم انسان نہیں کرتا، آپکے اس ارشاد کی معنویت پر غور کرنے سے وہ اعتراض سر سے اڑ جاتا ہے کہ آپ ابتدائی خلافتوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ کیونکہ جب آپ طالب و خواستگار ہی نہیں تھے تو ان خلافتوں کو ناپسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ ساری داستان طلسم ہوشربا یار لوگوں کی اپنی ہی تراشیدہ ہے۔

بیعت میں اکراہ کا فسانہ اور واقعات کی روشنی میں اس کا تجزیہ

جب اس داستان کے موجد کوئی راہ فرار نہیں پاتے اور خود اپنی ہی کتابوں اور حضرت علی کے ارشادات میں یہ پاتے ہیں کہ تینوں خلافتیں برحق تھیں اور حضرت حیدر کرار نے برضا و رغبت انہیں تسلیم کر کے بیعت بھی کی تھی تو زیب داستان کیلئے جھٹ یہ بڑھا دیتے ہیں کہ انہوں نے مجبور ہو کر یہ بیعت کی تھی

بایع مکرھا حیث لم یجد اعوانا [احتجاج ۲: ۱۷۹]

حتی جاء وا بامیر المومنین مکرھا فبایع [احتجاج ۲: ۸۵]

"جب کوئی مددگار نظر نہ آیا........ اور وہ لوگ حضرت علی کو لے آئے تو آپ نے مجبور ہو کر بیعت کی" طرفہ تماشا یہ ہے کہ بیعت کے معاملہ میں اس ہستی کو مجبور و ناتواں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جن کے بارے میں ایسی داستانیں مشہور کی جاتی ہیں، اور ان کی طرف ایسے محیر العقول واقعات منسوب کئے جاتے ہیں، جنہیں پڑھ کر ایک طرف عقل سلیم اپنا سر پیٹ لیتی

ہے تو دوسری طرف دیو مالا کی ان حیرت افزا داستانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو مافوق الفطرت بھی ہیں، اور انسانی ذہن کا نادر شاہکار اور اختراعی عجوبہ بھی!

چند واقعات بطور نمونہ پیش کیئے جاتے ہیں چونکہ ان واقعات کا دینی پہلو اجاگر کرنا مقصود ہے جسمیں حضرت علی کی عجوبۂ روزگار، حیرت انگیز اور ناقابل تسخیر طاقت کا ذکر ہے، یا آپکی روحانی منزلت کا پتہ چلتا ہے اس لیئے ضرورت کے مطابق ان واقعات کا خلاصہ ہی پیش کیا جاتا ہے جس سے دلیل مکمل ہو سکے، زیادہ سے تعرض مقصود نہیں، کیونکہ ان واقعات کی تفصیلات اہل سنت وجماعت کے معتقدات کے خلاف اور قطعی من گھڑت ہیں یہاں اس پیشکش کا مقصد مخالفین ہی کی کتابوں سے اتمام حجت کے سوا اور کچھ نہیں،

(۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ

خالد کے ساتھ مل کر حضرت علی کو قتل کرنے کیلئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے سازباز کی (نعوذ باللہ) منصوبہ کی تکمیل کیلئے فجر کی نماز کا وقت مقرر کیا گیا، کہ ابوبکر جونہی سلام پھیریں اسی وقت خالد اٹھ کر حضرت علی پر حملہ کر دیں۔

حضرت اسماءؓ یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھیں، انہوں نے حضرت علی کو اس سے آگاہ کر دیا۔

حضرت علی نماز کی تیاری کر کے آئے اور [صلی خلف ابی بکر] "اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز ادا کی" جب حضرت ابوبکر تشہد میں بیٹھے تو اچانک ندامت دامن گیر ہوئی، حضرت علی کی قوت وطاقت کا خیال آیا، اتنے خوفزدہ ہوئے کہ سلام پھیرنے کی ہمت نہ رہی، لوگ تصور کرنے لگے کہ بھول گئے ہیں پھر خالد کی طرف توجہ دے کر فرمایا! اے خالد! جو میں نے تمہیں حکم دیا تھا اس پر عمل نہ کرنا، اور ساتھ ہی سلام پھیر دیا۔

حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے اور خالد سے پوچھا، تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ خالد نے جواب دیا، "وہ آپکی گردن اڑانے کا"۔

حضرت علی نے خالد کو زمین پہ دے پٹخا، عمر چھڑانے کیلئے بڑھے تو انہیں بھی گریبان سے پکڑ لیا اور کہا اگر ممکن ہوتا تو دیکھ لیتے کون کمزور و ناتواں ہے!

[احتجاج ۱: ۱۲۶، ۱۱۸]

اس واقعہ کی ایک ایک کڑی عجوبہ سے کم نہیں! عقل ان کڑیوں کو ملا کر اسے ایک واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ قتل جیسی سازش کو خفیہ رکھنے کی بجائے اتنی بے احتیاطی برتی گئی کہ اسماء نے تمام تفصیلات نہ صرف سن لیں بلکہ حضرت علی کو ان سے آگاہ بھی کردیا، آخر انہیں اسکی کیا ضرورت تھی؟ قتل کیلئے نماز کا وقت مقرر کیا، جبکہ قاتل کیلئے فرار ہونے یا پوشیدہ رہنے کی راہ مسدود ہوتی ہے سب سے عجیب بات یہ کہ نماز میں ابوبکر کو اچانک ندامت نے آگھیرا، پھر انہیں حضرت علی کی قوت کا بھی خیال آگیا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ یکدم نادم ہونے کی یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ نیز کیا پہلے علی کی قوت سے بے خبر تھے، جس کا اچانک نماز میں القا ہوا۔

مزید لطف یہ کہ حضرت علی کا خوف اس قدر چھایا کہ سلام پھیرنے کی بھی ہمت نہ رہی۔ تعجب ہے جو آدمی اتنا کمزور تھا اس نے ایسے جری آدمی کے قتل کا منصوبہ بنانے کی ہمت کیسے کرلی؟ کیا عملی دنیا میں اتنا کم ہمت انسان کسی پہلوان کو اس طرح سر عام پچھاڑنے اور قتل کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے؟ اس پر مزید گل یہ کھلایا ہے کہ نماز کو بازیچۂ اطفال بنا ڈالا، حضرت ابوبکر نے نماز ہی میں خالد کو قتل سے منع کیا اور پھر سلام پھیرا۔

نماز میں گفتگو کرنے سے تو ویسے ہی نماز ٹوٹ جاتی ہے چاہیئے تھا مسجد میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا اور سب سے پہلے حضرت علی ہی پوچھتے، نماز میں خارجی کلام کیوں کیا ہے؟ اور پھر بعد میں اپنی ذات سے متعلق باتوں کی باز پرس کرتے اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ حضرت علی نے خالد کو پٹخ دیا، دیگر حضرات کو بھی گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا، سوال صرف اتنا ہے کہ ایسی مار دھاڑ

رعب داب، دھمکی اور گھونسہ بازی ایک مجنو آدمی کا کام ہے؟ ۔ نیز یہ کہ واقعہ کی یہ غیر مربوط، نا قابل یقین، متضاد اور عجیب و غریب کڑیاں، تعصب سے بالاتر ہو کر سوچنے سے مبنی بر صداقت دکھائی دیتی ہیں ؟

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ

حضرت علی کی تقریر و گفتگو سے متاثر ہو کر لوگوں نے کہا، اگر آپ پہلے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے تو ہم آپ سے بیعت کر لیتے۔

حضرت عمر نے حضرت علی کو روکا، مگر انہوں نے سخت جواب دیا خالد تلوار لے کر آگے بڑھے "بیعت نہ کی تو گردن اڑا دوں گا۔" حضرت علی نے خالد کو پرے پھینک دیا۔ لیکن اس قوت و طاقت کے باوجود آپ سے زبردستی بیعت لے لی گئی۔ حضرت علی نے روضہ اطہر کی طرف منہ کر کے بے بسی و بے چارگی کی شکائت کی، اچانک حضور نبی کریم کا دست مبارک نمودار ہوا، اور آواز آئی، جس میں تمہدید تھی۔

اتنے میں حضرت فاطمہ گھر سے باہر آگئیں اور دھمکی دی، اگر تم لوگ حضرت علی پر ظلم سے باز نہ آئے تو میں سر کے بال کھول دوں گی اور تم سب مر جاؤ گے۔ اس پر جلال تقریر سے مسجد پر لرزہ طاری ہو گیا، اور اس کی دیواریں اپنی جگہ سے اکھڑ کر اتنی بلند ہو گئیں، کہ اگر کوئی چاہتا تو انکے نیچے سے گزر جاتا،

دیوار ہائے مسجد رسول خدا بلرزہ در آمد و بلند گردید،
بنحویکہ اگر کسے خواستے از زیر آں عبور میتوانست نمود،

[جلاء العیون ، ۱۴۶]

سلمان نے حضرت سیدہ کی منت سماجت کی تو ان کا غصہ فرو ہوا اور گھر تشریف لے گئیں

(۳) تیسرا واقعہ یہ ہے کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں حضرت صدیق کو ناراض ہوئے چنانچہ انہوں نے صبح اٹھ کر حضرت علی کو سب کچھ سونپنے کا ارادہ کر لیا، اور کہا،

مسجد میں چلیں، میں سب کے سامنے دستبردار ہوجاؤنگا (احتجاج، ۱: ۱۸۴)

یہ تینوں واقعات مجموعی تاثر یہ پیدا کرتے ہیں کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ مرد جری، توانا، حوصلہ مند اور محیر العقول قوت وطاقت کے مالک تھے، جسمانی قوت وشجاعت کے علاوہ روحانی قوت بھی آپ کی مددگار تھی، آپکے مرتبہ ومقام کے اظہار کیلئے ہاتھ نمودار ہوا، مخالفین کو ڈانٹ ڈپٹ کی، خواب میں ڈرایا، حضرت سیدہ کے غضب سے دیوار ہی بلند ہوگئی۔ مزید یہ کہ سر کھولتیں تو سب مرجاتے۔

دوحرفی سوال یہ ہے کہ جسکی ظاہری و باطنی قوت وشوکت کا حال یہ ہو، کیا اس پر یہ تہمت لگانا جائز ہے کہ اس نے ڈر کر، یا تقیہ کر کے۔ یا مجبور ہو کر بیعت کر لی،

حقیقت یہ ہے کہ سوچ کا ایسا نازیبا اور مکروہ انداز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صریح توہین اور آپ کی شان وعظمت کے خلاف، محبت کی آڑ میں قبیح سازش ہے آپ نے پہلے خلفاء کرام کی دل وجاں سے بیعت کی تھی انکے ساتھ آپکے گہرے روابط، نسبی تعلقات اور پیار ومحبت کے ناقابل شکست رشتے قائم تھے حسد وعداوت منافرت ومنافقت، تقیہ وآدیزش نام کی کوئی چیز انکے مابین موجود نہیں تھی خلوص و محبت کے ساتھ رہتے تھے، اور ایک دوسرے کے غمگسار رفیق، وفاشعار ساتھی اور دکھ سکھ کے شریک اور ساجھی تھے، انکے درمیان کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا جسکی جھلکیاں کتب شیعہ سے دکھائی گئی ہیں، یہ سب ذہنی اختراعات ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں،

جب محبت وپیار کے رشتے اتنے مضبوط اور اٹوٹ تھے تو بیعت نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وصال و تدفین

جناب صدیق اکبر نے حکمران کی حیثیت سے جانشینِ رسُول اور خلیفہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اس جانفشانی دیانت داری، خلوص و پیار اور ذمہ داری و جوابدہی کے گہرے احساس کے ساتھ حکومت کی کہ سرزمینِ عرب اور دنیائے اسلام کا چپہ چپہ برکات کے حسن و نور سے مالا مال ہو گیا۔ جذبۂ خدمتِ خلق، انسانیت سے محبت ایسے غرضی و بے نفسی اور دنیا کی ہر آسودگی و زینت سے بے نیازی کا ایسا مظاہرہ کیا۔ جسکی مثال تاریخِ اسلام بلکہ دنیا کی پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ابتداء میں امورِ خلافت کی انجام دہی کے ساتھ اپنا موروثی کاروبار بھی جاری رکھا۔ مگر جب دونوں طرف یکساں توجہ دینا ممکن نہ رہا تو بیت المال سے معمولی سا وظیفہ جاری کرا لیا جسکی مالیت پندرہ سو روپے سالانہ سے بھی کم تھی۔

فکان الذی فرضوا له فی کل سنة ستة آلاف درهم[۳۴]

اتنی حقیر و ناچیز رقم کے ساتھ انتہائی کفایت شعاری کے باوجود گھریلو اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے

ایک مرتبہ اہل خانہ نے حلوہ کھانے کی خواہش ظاہر کی جسکی تکمیل اتنی تنخواہ کے ساتھ ناممکن تھی۔ تجویز یہ پاس ہوئی کہ روزمرہ کے خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک روز حلوہ پکا لیا جائے اور جب کئی پیٹ کاٹ کر ایک دن یہ حلوہ تیار ہو کر سامنے آیا تو آپکی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے کہ بیت المال سے اتنی رقم زائد حاصل کی جاتی رہی ہے۔ جسکے بغیر بھی گزران ہو سکتی تھی چنانچہ اتنی رقم اور کم کر دی، جب وصال کا وقت قریب آیا تو یہ رقم بھی سر پہ نہ رہنے

دی۔ اور زمین بیچ کر بیت المال میں داخل کرادی۔ [۳۵]

مدت خلافت کے دوران آپ کی جائداد میں ایک غلام، ایک اونٹنی اور ایک چادر کا اضافہ ہوا۔ آپ نے حکم دے دیا۔ وصال کے بعد یہ تینوں چیزیں نئے خلیفہ کے حضور پیش کردی جائیں۔ چنانچہ بعد میں جب اس حکم کی تعمیل ہوئی تو جناب عمرؓ بے ساختہ اشک بار ہوگئے اور بولے!" پیارے صدیق! اجہانبانی میں زہد و قناعت کا ایسا کڑا معیار قائم کرکے آپ نے بعد والوں کیلئے دشواری پیدا کردی ہے [۳۶]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے!

ارحم امتی بامتی ابوبکر [۳۷]

"میری امت پر ابوبکرؓ سب سے زیادہ مہربان، اور اس کی خیر چاہنے والا ہے"

اس جذبۂ خیر خواہی نے آخری وقت میں آپ کو بے قرار کردیا، خواہش یہ تھی اپنے سامنے ہی کسی شخص کو خلافت کیلئے نامزد کردیں، تاکہ بعد میں کوئی بدمزگی اور تلخی پیدا نہ ہو۔

دنیائے تفکر میں غوطہ زن رہئے آخر جب ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچے۔ تو ایک روز خلوت میں عبدالرحمن بن عوف سے دریافت کیا۔

منصب خلافت کی نامزدگی کیلئے عمر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے جواب دیا، انه افضل من رایک الا انه فیه غلظه: [۳۸]

"آپ انکے بارے میں جو رائے بھی قائم کریں وہ اس سے افضل ہیں، البتہ ان میں قدرے شدت ہے۔"

جناب صدیق نے اطمینان دلایا۔

"یہ کیفیت اس لئے ہے کہ میں نرم مزاج اور رحمدل ہوں"

پھر یہی سوال جناب عثمان غنی اللہ عنہ سے کیا۔ وہ بولے۔ سریرته خیرمن

---

۳۶ ایضً۔ ۳۷ ترمذی، مناقب معاذ۔ ۳۸ ابن اثیر ۲: ۴۲۵

۳۹ ابن اثیر ۲: ۲۲۵

۳۴ ابن اثیر، ۲: ۴۲۴۔ ۳۵ ایضً، ۲: ۴۲۳

علانیتہ ولیس فینا مثلہ ۳۹ے ان کا باطن ظاہر سے بھی اچھا اور حسین ہے
ان کی مثل ہم میں کوئی موجود نہیں۔
جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت عمر کے بارے میں مشورے ہو رہے ہیں۔ تو جناب صدیق کے پاس آئے اور کہا،
" آپکے ہوتے ہوئے وہ اتنے زبردست اور سخت گیر ہیں، تنہا حکمران بن گئے تو انکی کیفیت کیا ہوگی،
سوچ لیں رب کو کیا جواب دیں گے ؟"
آپ نے بڑے عزم و ثوق سے فرمایا۔ استخلفت علیٰ اھلک خیر اھلک ۴۰ے
"اے طلحہ! میں کہوں گا!" اے مالک!
"تیری مخلوق میں سب سے بہتر شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں"،
آپکو یقین ہو گیا کہ جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کے خیالات بڑے اچھے اور قابل قدر ہیں۔ تو ایک روز آپ نے جناب عثمان کو بلایا اور وصیت لکھوانے کیلئے حمد و درود پڑھا۔ مرض کی وجہ سے کچھ دیر کیلئے بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو استفسار کیا، کیا لکھا ہے؟
جناب عثمان نے بتایا! میں نے لکھا ہے۔
اما بعد فانی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب ولم آلکم خیرا ۴۱ے
"میں نے خیر سگالی کے تمام تر جذبات صادقہ کے ساتھ تم پر عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے"،
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور حضرت عثمان غنی کو دعا دی۔ پھر یہ وصیت نامہ مسجد نبوی شریف میں بھیجا، لوگوں نے سنا تو رضامند ہو گئے اور اظہار خوشنودی کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بالاخانے سے جھانک کر مزید اطمینان دلایا۔

۴۱ے الکامل ابن اثیر، ۲: ۲۲۵۔ ۲۲۵۔ البعض

احباب ورفقاء! میں نے مکمل سوچ بچار، اور تمام نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد، محض رضائے الٰہی اور تمہاری بہتری کیلئے یہ انتخاب کیا ہے دیکھو میں نے کسی رشتہ دار کو یہ عہدہ نہیں دیا، اس لئے اطاعت کرو اور سکھی بسو! مجھے یقین ہے، عمر فاروق اعظم ان تمام توقعات پر پورے اتریں گے، جو میں نے ان سے وابستہ کی ہیں۔

تکلیف زیادہ ہو گئی تو اہل خانہ نے کہا! "کسی ماہر طبیب کو بلا لیں؟" فرمایا! طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے اور فرمایا ہے انی فعال لما ارید
"میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں" [۴۲]

حاضرین مطلب کی گہرائی تک پہنچ کر آبدیدہ ہو گئے۔

آپ نے اپنی صاحبزادی جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"میری کوئی جائیداد نہیں۔ اگر مناسب سمجھو تو جو زمین میں نے تمہیں دی تھی اسے میراث تصور کر کے اپنے دو بھائیوں اور دو بہنوں میں تقسیم کر دینا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حیران ہو کر اپنے اس عظیم پدر نامدار کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں یہ سوال گردش کناں تھا کہ میری ایک ہی بہن ہے [۴۳]
جناب صدیق رضی اللہ عنہ اپنی للہیت، صدیقی شان اور طہارت و لطافت کی وجہ سے روحانیت کے اس منصب رفیع تک پہنچ چکے تھے جہاں سے مستقبل آئینہ جم کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اور اسمیں جھانکنے کی سکت رکھنے والا آئندہ رونما ہونے والے واقعات کو ماضی کے واقعات کی طرح دیکھنے لگ جاتا ہے اس موقعہ پر آپ نے مستقبل بینی کی اسی شان کا مظاہرہ کیا اور بتا دیا کہ تیری ایک اور بہن دنیا میں آنے والی ہے۔ جسکی میراث کا بندوبست تیرے ذمہ ہے فقر و استغناء کا دامن آخری دم تک نہ چھوڑا، حکم دیا کہ دھونے کے بعد انہی کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ کیونکہ نئے لباس کی زندہ لوگوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے

دو سال، تین ماہ، دس دن، خلافت کی نازک ترین ذمہ داریاں نبھانے، اور دیانت داری و فرض شناسی کی ایک عظیم روایت اور شاندار مثال قائم کرنے کے بعد بروز پیر بعد نماز مغرب بائیس جمادی الاول، ہجرت کے تیرھویں سال اس جہانِ فانی سے بڑے بانکپن کے ساتھ رخصت ہوگئے اور عظمت و تقویٰ، خشیت و انابت اور طہارت و عبادت کی ایک ایسی مثال چھوڑ گئے جو منفرد و حسین اور حیرت افزا ہونے کے ساتھ، انسانیت کی بہار، زیب قدسیت اور قابلِ رشک و صد افتخار تھی۔

غسل و تکفین کے بعد آپکی معنی خیز و پر اسرار اور روحانی وصیت کے مطابق آپکو روضۂ اطہر حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے جاکر رکھ دیا گیا۔ اور بڑی عاجزی و محبت اور کمالِ ادب کے ساتھ عرض کی گئی،

السلام علیک یارسول اللہ! ھذا ابوبکر جالباب

[یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو، یہ ابوبکر درِ اقدس پہ حاضر ہیں، اور باریابی اور پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں]

یہ تمام حضرات صاحبِ حال، دیدہ ور، اور صفائے باطن و تزکیۂ روح کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ صحبتِ نبوّت یعنی شرفِ صحابیت نے انہیں اکسیر نگہی، حقیقت بینی، دقیقہ رسی، خود شناسی اور مظاہر سے آگاہی کی شان بخشی تھی، وہ کشف و وجدان کی نزاکتوں، روحانی کمالات کی عظمتوں اور زندہ و بیدار روح کی اعجازی شانوں سے واقف اور اس قدسی جہاں کے کوچہ نورد و راہ شناس مسافر تھے، اس لئے سلام اور درخواست پیش کرکے جواب کے انتظار میں ہمہ تن گوش ہوگئے توقع کے مطابق انہیں اس طرح اذن اور جواب ملا۔

اذا الباب قد انفتح واذا بھاتف یھتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب [۴۴]

[۴۴] تفسیر کبیر، ۵: ۶۵۸

اچانک دروازہ کھل گیا، اور نظر نہ آنے والی ہستی نے قبرِ انور سے آواز دی۔
"حبیب کو حبیب کی آغوش میں پہنچا دو"

یہ جواب سن کر کسی کو بھی اچنبھا یا تعجب نہ ہوا، کیونکہ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی و نورانی زندگی سے آگاہ و باخبر تھے، زندہ جاوید بارگاہ سے جواب ملنے کا انہیں سو فیصد یقین تھا، چنانچہ حسب منشا جواب پاکر اور دلنواز و شیریں اور نغمہ بار مقدس آواز سن کر سرشار ہو گئے، اور اجازت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق کیلئے روضۂ اطہر کے قریب حجرۂ پاک میں لحد تیار کی۔ جس حبیب دلنشیں کیلئے زندگی کا کل اثاثہ، اور سب کچھ قربان کر دیا تھا، وصال کے بعد اسی کے پہلو میں شانِ عالی کے مطابق جگہ ملی، اور عشق اس مقام تک جا پہنچا، جہاں سے اس کا خمیر تھا ادب و احترام کے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے، آپ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ آپ کا سر حضور محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے برابر آگیا۔
اس طرح یار وفا شعار جو غار میں بھی جدا نہیں ہوا تھا، نور و نکہت کے معمورۂ قدسی میں ابدی رفاقت اور کبھی جدا نہ ہونے کیلئے اپنے خلیل و حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے نور میں لیٹ گیا۔

پانچواں باب

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

شہادت اور تدفین

ا۔ مرادِ رسول
ب۔ نگاہِ نبوت میں
ج۔ جلالتِ شخصیت
د۔ اور جذبۂ حق پرستی

(۱) حضرت فاروق اعظم اور علی المرتضیٰ کی باہمی محبت
(۲) فدک کی تولیت
(۳) شہادت و تدفین



الفاروق عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب عمرؓ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ قریش کے جدِ اعلیٰ کعب بن لوی تھے جو عمرؓ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قبیلہ عدی کے بھی جدِ اعلیٰ تھے۔ ۱ے

آپ کا خاندان سارے عرب میں شرف و نیابت اور عظمت و توقیر کے اعتبار سے اہم قابل تکریم اور خاص مرتبہ و مقام کا مالک تصور کیا جاتا تھا۔ یہ مقام اسے بین القبائلی سفارت اور تسلیم شدہ حکم اور ثالث ہونے کی حیثیت سے حاصل تھا۔ یعنی انہی کا خاندان، نزاعی معاملات میں سفارت کے فرائض انجام دینا اور کشمکش کی صورت میں فیصلے کرتا تھا، جنہیں حرفِ آخر تصور کیا جاتا۔ ۲ے

زمانۂ ماقبل اسلام میں

امیر المومنین، امام المتقین، صادق القول، ترجمانِ حق و صداقت اور فاروقِ اعظم بننے سے پہلے جناب عمرؓ رضی اللہ عنہ جاہلی عرب کی ممتاز اور قد آور شخصیت تھے۔ جسمانی وجاہت و کسرتی بدن اور بلند و بالا قامت کی وجہ سے سب میں نمایاں نظر آتے فنِ سپہ گری کے ساتھ شوقِ کشتی گیری بھی تھا۔ اس لئے میلہ عکاظ کے اکھاڑوں میں اترتے اور گرانڈیل حریفوں کو پچھاڑ کر اپنی جسمانی طاقت و شہ زوری کا لوہا منواتے تھے۔ ۳ے کشتی کے اکھاڑوں ہی کے نہیں، میدانِ خطابت کے بھی شہسوار اور بحرِ فصاحت طلاقت کے شناور تھے۔ ۴ے

خوبیٔ بیان وصف خاص تھا جس سے حریف یا سامعین پر فوری برتری حاصل

۱ے العقد الفرید ۲: ۲۶۹ | ۴ے کتاب البیان والتبیین ۱: ۲۷
۲ے ؍؍ ؍؍ ۳: ۱۱۴ | ۵ے فتوح البلدان ۴۷۱
۳ے حسنین ہیکل ۳۳ بحوالہ ابن سعد ۶ے الفاروق عمر ۳۳

کر لیتے۔ اِن گنے چنے افراد میں سے تھے جو عرب میں زیورِ تعلیم سے آراستہ تھے ۵ اگرچہ ابتدائی زندگی دشت پیمائی، حدی خوانی اور ساربانی میں گزری ۶ مگر انمول فطری صلاحیتوں کے مالک تھے جن کا اظہار مستقبل میں ہوا۔ اس وقت کے روایتی ماحول کے مطابق آپ حلقۂ اربابِ ذوق میں ایک ماہر سخن شناس اور بالغ نظر نقاد کی حیثیت سے بھی متعارف تھے چنانچہ شوقِ روایات سے آپکی دلچسپی اور اشعار پر نقد و نظر کے کافی تذکرے ملتے ہیں۔

مرادِ رسُول

جناب عمر رضی اللہ عنہ کی یہی جلالت و وجاہت شکوہ و سطوت اور وضع داری انکے حق میں پیامِ رحمت اور ذریعۂ ہدایت ثابت ہوئی۔ ان جلیل و جمیل اوصاف میں انفرادیت نے انکے لئے حق و صداقت اور سعادت و ہدایت کی روشن راہیں کھول دیں۔ انکی ذات اور خوبیوں سے متاثر ہو کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عمر دینِ حق کی تبلیغ اور اسکی تائید و نصرت میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ یہ خیال آنا تھا کہ دامنِ طلب پھیلا دیا۔ اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب ۸

[اے اللہ! عمر کے ساتھ دین اسلام کو غلبہ، قوت، دبدبہ اور صولت عطا فرما۔]

دُعائے نبوت اور تمنائے رسالت کے اثر و تصرف نے جناب عمر کے دل کی دنیا ہلا ڈالی، سعادتِ ازلی اور فرخندہ بختی نے رہنمائی کی، جسکی قیادت اور جلو میں کشاں کشاں درِ رحمتِ نبوت پر آ گئے۔ حضور سراپا کرم رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ فیض رساں سینے پہ مار کہ کہا۔

اللھم اخرج ما فی صدرہ من غل وابدلہ ایمانا ۹

---

۷ کتاب البیان والتبیین ۱: ۱۶۹۔ ۸ یہ حدیث ابنِ سعد اور مستدرک وغیرہ میں مختلف صیغ کے ساتھ مروی ہے مگر سب کا بنیادی مفہوم یہی ہے جس سے اس حدیث کی ثقاہت و صحت درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ ۹ مستدرک

"اے اللہ! اسکے سینے کی کدورت نکال دے اور اسے ایمان سے بدل دے"
عمر کی قسمت جاگی اور دل کا تیرہ و تار ویرانہ ایمان و معرفت کے انوار سے فروزاں ہوگیا۔ مسرت سے درو دیوار گونج اٹھے۔ اور حاضرین کے چہرے وفور انبساط و غلبہ شوق سے گلگوں ہو گئے۔ آسمان سے پیغام آیا۔

استبشر اهل السماء باسلام عمر [10]

[اہل زمین ہی نہیں، اہل سماء بھی اس لازوال مسرت میں انکے ساتھ برابر کے شریک ہیں اور جناب عمرؓ کے اسلام لانے پر بے حد خوش ہوئے ہیں۔]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جناب عمر کے ایمان کی برکات گناتے ہوئے فرمایا ہے۔ جناب عمر کا اسلام فتحِ مبین، آپکی ہجرت نصرتِ خداوندی اور آپکی خلافت رحمتِ ایزدی تھی۔ اس سے پہلے ہم بیت اللہ میں نماز پڑھنے کے حق سے محروم تھے۔ جناب عمر نے بزورِ بازو یہ حق حاصل کیا اور ہم نے بیت اللہ میں آزادی سے نماز پڑھی۔ [11]

نگاہِ نبوّت میں

چونکہ عمر فاروقِ اعظم ہستیٔ مغتنم تھے جنہیں دامنِ مراد اور دستِ طلب پھیلا کر لیا گیا تھا۔ اس اعزاز و تکریم پر مستزاد، آپکی ذات میں احترامِ انسانیت کی متقاضی دلنواز و خوبصورت خوبیاں بھی موجود تھیں اس لئے مردم شناس نگاہ نبوت نے نہ صرف ان خوبیوں کو پرکھا اور روحانی و اخلاقی بنیادوں پر انکی تربیت کی اور انہیں درجہ کمال تک پہنچایا، بلکہ عمر فاروقِ اعظم کی ذاتی حیثیت میں ہمیشہ قدر افزائی بھی فرمائی انکے دینی ذوق و ولولہ، شرعی احکام میں دلچسپی و توجہ، اور اسلام کے غلبہ و اقتدار کی زبردست خواہش، کے پیشِ نظر جب بھی انکی مسرت، تسکینِ قلب اور بالیدگیٔ ایمان و یقین، کا کوئی موقعہ آیا، روحانی سرور و انبساط کا کوئی سامان ہوا، یا انکے قلب و دماغ میں مسرتوں کے چمن کھلانے والی

[10] مستدرک۔ [11] طبقات

کوئی آیت نازل ہوئی، یا کسی معجزہ کا ظہور ہوا، مشفق و مہربان اور بندہ پرور آقا نے انہیں بلا بھیجا اور بطورِ خاص انہیں مژدہ سنایا۔

نگاہ نبوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ پذیرائی اور حضوری اسلیئے حاصل تھی کہ وہ قدر و منزلت رکھتے تھے اور منظورِ نظر تھے۔ اور اس منظوری عزت مرتبت کا سبب وہ بے پایاں اخلاص تھا جو دین و ملت کے ارتقاء اور خود بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کیلیئے آپکے دِل میں موجود تھا۔ وہ دِل جو اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، ظہورِ شان کے موارد، اور عظمتوں کے مظاہر دیکھ کر شگفتہ ہوجاتا تھا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ نظارہ دے کر، یا پیغامِ شفقت بھیج کر، اسکو شگفتہ چمن اور گلزار و گلشن بنا دیتے تھے۔

چند مثالوں سے آپکے اس منصب اور قرب کی وضاحت کی جاتی ہے۔

الف:۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد جنگِ احد میں شہید ہو گئے انکے ذمے ایک بے رحم یہودی کا قرض تھا۔ جسکی ادائیگی کا فریضہ حضرت جابر کے ناتواں کاندھوں پر آپڑا۔ ستم یہ ہوا کہ اس سال نخلستان میں پیداوار انتہائی کم ہوئی چنانچہ ادائیگی اگلے سال پر ملتوی ہوگئی، مگر دوسرے سال بھی اتنی کھجوریں نہ لگیں کہ قرض کے گراں بار سے جناب جابر کی گلو خلاصی ہوسکتی چنانچہ آپ نے یہودی سے مہلت کا مطالبہ کیا، مگر وہ راضی نہ ہوا۔ ایسے نازک اور مشکل وقت میں کام آنے والی انکی نظر میں ایک ہی ہستی تھی۔ چنانچہ بارِ غم اور خمیدہ گردن کے ساتھ بارگاہِ بندہ نواز میں حاضر ہو گئے

نگاہِ کریم نے بھانپ لیا کہ جابر اندوہِ غم سے نڈھال ہے۔ اور کسی ناگہانی صدمے نے اسے پژمردہ کردیا ہے۔ شفقت کے ساتھ پاس بٹھایا اور کیفیت پوچھی۔

جناب جابر نے روداد غم سنائی۔

آقائے کریم نے دستگیری غمگساری اور مشکل کشائی کا وعدہ کیا اور دوسرے دن انکے باغ میں تشریف لیگئے یہودی کو طلب کیا اور اگلے سال قرض وصول کرنے کی سفارش کی مگر وہ نہ مانا۔ دوبارہ سہ بارہ فہمائش پر بھی جب وہ اپنی ہٹ

سے باز نہ آیا تو جلالتِ رسالت اور غیرتِ نبوت جوش میں آگئی جابر کو حکم دیا۔
"ہر نوع کی کھجوریں توڑ کر الگ الگ ڈھیر لگا دو"
آپ کھجوروں کے انبار کے درمیان بیٹھ گئے۔ انکے گرد چکر لگائے۔ دعائے خیر و برکت فرمائی۔ پھر جابر سے فرمایا "کھجوریں تول تول کر اس یہودی کو دو اور قرض ادا کر دو"
آپ تشریف لے آئے اور حضرت جابر نے تولنے کا عمل شروع کر دیا۔ خود فرماتے ہیں
"میری خواہش تھی کہ بیشک گھر کیلئے کچھ نہ بچے مگر والدِ گرامی کا قرض ادا ہو جائے
لیکن ہوا یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری اور دعا سے ان کھجوروں میں اتنی برکت پیدا ہو گئی۔ کہ جو یہودی تمام کھجوریں لے کر بھی راضی نہیں ہو رہا تھا ان سے میں نے اس کا تمام قرض ادا کر دیا۔ اور کئی من کھجوریں باقی بھی رہ گئیں"
خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بے تحاشا بھاگتے ہوئے دربارِ نبوی میں حاضر ہوا اور کھجوروں میں برکت پیدا ہونے کی کیفیت بیان کی۔ شانِ کرامت کے اس اظہار پر محبوبِ مکرم بھی خوش ہوئے اور فرمایا اشھد انی رسول اللہ [12]
پھر فرمایا ہماری اس شانِ اعجاز کا تذکرہ عمر کے پاس جاکر بھی کرد۔ وہ بہت خوش ہوگا۔ اخبر ذاک ابن الخطاب

جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے ممدوحِ کریم کی فضیلت و کرامت اور شانِ تصرف کی داستان سن کر دفورِ مسرت سے جھوم گئے اور فرمایا لقد علمت حین مشی فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیبارکن فیھا [13]

جب محبوبِ پاک نے وہاں چہل قدمی فرمائی تھی، مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اس میں غیر معمولی برکت ڈالدی جائے گی۔ [13]
(ب) ایک دفعہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمرکاب تھے۔ نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر جناب عمر کو پتہ نہ چل سکا۔ اس لئے اپنے محبوب کے ساتھ باتوں میں لگے رہے۔ دو تین بار کوئی بات پوچھی مگر جواب نہ ملا۔ جناب فاروق اعظم کے ہوش اڑ گئے۔ محبوب کی ناراضگی کے تصور نے بے چین

---

[12] بخاری ۲، ۸۱۹۔ [13] بخاری ۱، ۳۲۲، ۲۸۵، ۸۱۸، ۳۵۴، ۲۸۶، ۳۷۷

کر دیا۔ فوراً سواری پیچھے کرلی اور بحرِ غم میں غرق ہو گئے۔ کہ حضور کی بے توجہی کسی رنجش کے باعث ہے۔ اب کوئی آیت نازل ہوگی جسمیں سرزنش کی جائیگی اس خیال نے ہلکان کر دیا۔

اتنے میں کسی نے آواز دی کہ، عمر! آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یاد فرما رہے ہیں، رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے۔ انہیں یقین ہوگیا۔ بارگاہ رسالت میں خلافِ آداب گفتگو کرنے پر کوئی تہدیدی حکم نازل ہوگیا ہے۔ ڈرتے کانپتے پہنچے۔ مگر محبوب کے رخ پرنور پر مسرّت کی کرنیں اور مسکراہٹ کے پھول دیکھ کر قدرے مطمٔن ہوگئے حسبِ دستور اپنے اس عاشق صادق کو پاس بٹھاکر خوشخبری سنائی کہ ایک آیت نازل ہوئی ہے جو ہمیں دنیاجہاں سے زیادہ پیاری ہے کیونکہ اس میں فتح مبیں اور مغفرت امت کی بشارت اور اسے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ ہے۔

انا فتحنالک فتحا مبینا [۱۴۱]

(ج) شرابِ ایک مکروہ و بدبودار اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے خوفناک و تباہ کار شے تھی۔ زمانہ جاہلیت میں بے محابا اس کے خم لنڈھائے جاتے تھے، مگر اس کے طبعی مزاج کی خرمستی، شورش پسندی اور شرانگیزی کے باعث اسلام کی تابناک فطری تعلیم و روحانی تربیت اور صالح رہنمائی میں یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ انسانی عصمت و عظمت اور شرفِ آدمیت کی دشمن، رہزنِ ہوش و تمکین، فطری سلامت روی و فیروز بختی کی راہ میں سنگ گراں یہ آتش سیال، اسلامی معاشرہ میں، ایک جائز و مباح مشروب کی حیثیت سے جاری نہ رہ سکے گی۔

چنانچہ اس کے بداثرات کو محسوس کرتے ہوئے، سب سے پہلے حضرت عمر نے ہی بارگاہ الوہیت میں عرض کی اللھم بین لنا فی الخمر بیان شفاء

"شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما۔"

جو بارگاہِ نبوّت میں منظورِ نظر تھے بارگاہ الوہیت میں بھی انکی حیثیت کچھ کم نہ تھی، انکی خواہش کی اس طرح پذیرائی ہوئی کہ حکم نازل ہوا۔

---

[۱۴۱] ترمذی، ص ۱۵۹

یسئلونک عن الخمر والمیسر، قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما

یہ لوگ شراب و قمار بازی کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟

انہیں بتادو! یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگوں کا اسمیں نفع ہے۔ مگر گناہ نفع پر غالب ہے فدعی عمر فقرئت علیہ

معمول کے مطابق جناب عمر کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی۔

چونکہ اس آیت میں حرمتِ شراب کا واضح حکم نہیں تھا۔ اس لئے کچھ لوگ اس آتش سیال سے بدستور شغل فرماتے رہے۔ ایک روز مجلس ناؤنوش گرم تھی کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے حالت سکر میں لا اعبد ما تعبدون کو کلمہ لا حذف کر کے پڑھ دیا۔ جس سے ایمان سوز معنی پیدا ہو گئے۔ جناب فاروق اعظم کو اس واقعہ نے لرزا دیا۔ پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کناں ہوئے کہ شراب کے متعلق مزید ہدایت نازل فرمائی جائے۔ چنانچہ اس بار یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلاۃ وانتم سکاریٰ

اے ایمان رکھنے والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

پھر فاروق اعظم کو بلاوا آیا اور یہ آیت سنائی گئی۔

فاروق اعظم کی طبیعت کو ابھی تک تسکین نصیب نہیں ہوئی تھی آپ سمجھتے تھے مکمل حرمت کے سوا اسکے مضرات اور قبیح نتائج سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ انہی دنوں ایک اور واقعہ نے آپکو پھر دستِ بدعا ہونے پر مجبور کر دیا ہوا یہ کہ ایک محفل میں حضرت سعد نے نشے کی ترنگ میں ایسے فخریہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جسمیں انصار کی ہجو تھی۔ ایک انصاری نے غصہ میں آکر انہیں زخمی کر دیا۔ حضرت سعد نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی۔ چونکہ یہ ساری شراب خانہ خراب کی کارستانی تھی۔ اس لئے حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں فیصلہ کن اور دوٹوک حکم نازل کرنے کی دعا کی چنانچہ یہ آیت اتری

یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ؏

"اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے، شیطانی اور گندے اعمال ہیں۔ فلاح و کامرانی کیلئے ان سے بچو۔ شیطان تمہارے دلوں میں بغض و عداوت ڈالنا اور جوئے شراب کی بدولت تم کو ذکر و نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ تو کیا اب تم شراب وغیرہ سے رک جاؤ گے؟"

خصوصی طور پر جناب عمرؓ کو بلا کر یہ آیت پڑھی گئی تو بے ساختہ انکی زبان سے نکل گیا انتھینا، انتھینا "اے میرے رب! ہم رک گئے، ہم باز آگئے"۔[۱۵]

(د) دربار رسالت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشیر مقبول اور مقرب خاص کی حیثیت بھی حاصل تھی، جو عرض کرتے آقا علیہ السلام قبول فرماتے۔

ایک غزوہ میں خوراک کی کمی نے مجاہدین کو سواری اور بار برداری کے اونٹ کھانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ فوج کی تعداد کے مطابق اونٹ ذبح کرنے کی منصوبہ بندی کر دی گئی۔

فاروق اعظم کو جب اس تجویز اور منصوبہ بندی کا علم ہوا تو کشاں کشاں اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچے اور دست بستہ عرض کی۔

اگر اونٹ اسطرح کھائے گئے تو سواری کیلئے کچھ بھی نہ بچے گا۔ اور لشکر کو بعد میں بڑی تکالیف اور شدائد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ حضور لوگوں کے پاس "بچی ہوئی خورد و نوش کی اشیاء" طلب فرمالیں اور ان میں برکت کی دعا فرما دیں۔ اس طرح لشکر کی ضروریات بھی پوری ہو جائیں گی، اور سواری کے اونٹ بھی بچ جائیں گے۔

چنانچہ اس مشورے پہ عمل کیا گیا، ایک دستر خوان پر تمام چیزیں حضور کے

---

[۱۵] ترمذی، ۱۳۰

سامنے پیش کردی گئیں۔

آپ نے ان پر دعائے خیر و برکت فرمائی۔

لوگ اپنی زنبیلیں اور توشہ دان لے کر آ گئے، سب نے ضرورت کے مطابق برتن بھر لئے بابرکت طعام کے اس خزانے میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس ظہور معجزہ اور نشان کرامت پر خود محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مسرت ہوئی جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں فرمایا۔ اشھد انی رسول اللہ [۱۶]

(میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مسرت کی تو کوئی حد ہی نہ رہی کیونکہ انہی کی درخواست پر اس معجزہ کے ذریعہ ایمان و ایقان کی بالیدگی اور عزم و یقین کے ثبات کا سامان ہوا تھا، اور ان کے محبوب نے ان کا مشورہ مان کر ان کی عزت کو آسمان رفیع پر پہنچا دیا تھا۔ یہ نوازش و شفقت اس حقیقت کی بین دلیل ہے کہ نگاہ نبوت میں ان کو محترم مقام حاصل تھا۔

جلالت شخصیت اور جذبہ حق پرستی

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جلالت و ہیبت میں فرد اور رعب و دبدبہ کے معاملہ میں یکتا شخصیت کے مالک تھے۔ قدرت نے آپکی ذات کو وہ جاہ و جلال بخشا تھا اور ایسے باوقار انداز عطا کئے تھے کہ دیکھنے والا مبہوت و مرعوب ہو جاتا، بارعب شخصیت اتنی پر جلال اور بااثر تھی کہ جہاں جاتے ساری محفل پہ چھا جاتے، اور کسی کو شیر ببر کی عظمت و وجاہت کے سامنے دم مارنے کی جرات نہ ہوتی۔

(الف) ایک عقیدت مند حبشی عورت نے اپنے مزاج کی سادگی، تعلیمات اسلام سے ناآشنائی اور زمانہ جاہلیت سے قرب کے باعث یہ نذر مانی کہ جب محبوب خدا

---

[۱۶] بخاری، ۳۳۸

میدان کارزار سے بعافیت واپس تشریف لائیں گے۔ تو وہ دف بجا کر اپنے جذبات مسرت و عقیدت کا اظہار کرے گی عہ

حالات نے یہ موقعہ فراہم کر دیا، وہ بدوی عورت دف لے کر آگئی، اور اپنی نذر کا ماجرا بیان کیا۔ صاحب الشریعۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمالیا۔ کہ بالکل سادہ، جذبات سے عاری ایک کالی کلوٹی عورت ہے، جبکی اس حرکت سے کسی فتنہ و فساد بدنظری، طبعی ہیجان یا لذت اندوزی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ خدا اور رسول کے ساتھ سچی محبت اور سادگی نے اسے ایسی نذر ماننے پر مجبور کیا ہے۔ لہٰذا اسکے خلوص کا احترام کیا، از راہ قدر افزائی اسے دف بجانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ کیونکہ کوئی شرعی قباحت اور ممانعت موجود نہیں تھی۔ ۱۷ے

حاشیہ

عہ اس جگہ یہ وضاحت ضروری ہے کہ:۔

یہ اس دور کا واقعہ ہے۔ جب رسوم ورواج کی طرح نذر ماننے کا بھی کوئی اصول نہ تھا۔ زمانہ جاہلیت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے لوگ اس زمانے کی رسموں پر کاربند تھے، ایسی عادات بھی ان میں پائی جاتی تھیں جو کبھی اسلام اور اس کے پاکیزہ و لطیف مزاج کا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں مگر ابھی تک انکے بارے میں واضح احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ بدستور ان میں موجود تھیں شراب پی جاتی تھی، نیک کام نہ کرنے کی قسمیں کھائی جاتی تھیں اور نوحہ و ماتم کی اجازت طلب کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک صاحبہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ "ان کو بین کر کے بدلہ چکانے کی اجازت دی جائے"

لیکن جب اسلام نے واشگاف انداز میں ہدایات جاری کیں تو سب ان عادات سے باز آگئے، شراب کے خم توڑ دیئے گئے، ماتم اور سینہ کوبی ختم کر دی گئی قسموں کی آڑ میں نیک کاموں سے باز رہنا ترک کر دیا گیا۔ اسی طرح انہوں نے نذر ماننے کے ڈھنگ بھی سیکھ لئے، کہ رقص و سرود اور دف بجانے کی نذر نہیں مانی جاتی

۱۷ے ترمذی، مناقب عمر

باقی حاشیہ آگے

وہ عورت نذر پوری کر

میں مصروف ہوگئی، اس دوران جناب صدیق و عثمان اور علی المرتضیٰ علیہم الرضوان تشریف لائے، مگر جمال و رحمت کے ان پیکروں کی آمد سے اس عورت کے عمل میں کوئی فرق نہ آیا۔ اچانک جناب فاروق دکھائی دیئے۔ وہ آپکے رعب و جلال سے اس قدر خوفزدہ اور مرعوب ہوئی کہ یکدم دف نیچے پھینک دی اور خود اس پہ بیٹھ گئی تاکہ جناب کو پتہ نہ چلے۔

(ب) ایک حبشی لڑکی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔

وہ کسی خوشی کے موقعہ پر اچھل کود رہی تھی۔ بچے اپنی عادت کے موافق اس سامان تفریح کے گرد جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ اور اسکی بے ہنگم اور بے ڈھل حرکات سے بہت محظوظ ہو رہے تھے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے، اپنی اہلیہ محترمہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی اور بچپن کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے عائشہ! کیا یہ کھیل دیکھو گی؟"

بقیہ حاشیہ

بلکہ اطاعت و عبادت کے ساتھ نذر مانی جاتی ہے

یہاں یہ تشریح و تنبیہ بھی ضروری ہے کہ

اس حبشی عورت کو دف بجانے کی اجازت دینے میں کوئی شرعی قباحت نہیں تھی نہ ہی کسی فتنہ و فساد اور کسی قسم کی خرابی کا اندیشہ تھا، وہ ایک سیاہ بھجنگ عورت تھی جیکے اس عمل میں جنسی لذت یا شہوانی جذبات کیلئے کوئی ترغیب یا تحریک موجود نہ تھی۔

اس سادہ بے ریا اور مخلص خاتون کے اس عمل سے چودھویں صدی میں رقص و سرود اور چنگ و رباب کے جواز کیلئے استدلال کرنا، انتہائی ڈھٹائی، ذہنی کج روی، علمی خیانت اور نفس و ہوسی کے بے دام غلام ہونے کی دلیل ہے۔ یہ رقص و سرود باقاعدہ فن ہے، جس کا منتہائے مقصود ہی جذبات میں آگ

باقی حاشیہ آگے

انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا اور آپ نے اپنی اوٹ میں لے کر وہ تماشا دکھانا شروع کر دیا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ جناب عمر آ گئے سب لوگ آناً فاناً منتشر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے عمر کا یہ رعب و دبدبہ دیکھ کر فرمایا! عمر کے آنے سے تمام شیاطین بدحواس ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ ۱۸ے

ما لقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک ۱۹ے

(اے عمر! اگر شیطان تمہاری رہ گذر میں آجائے تو وہ راستہ ہی چھوڑ جاتا ہے)

آپکی جلالت کی نمود، یہ واقعہ بھی ہے۔

(ج) ازواج پاک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مجتمع ہو کر اپنے مطالبات کی فہرست پیش کر رہی تھیں، اپنے منصب اور حسین رشتہ کے عین مطابق انہوں نے بے تکلف انداز اختیار کر لیا۔ جسکے نتیجے میں کافی شور پیدا ہو گیا۔ اچانک فاروق اعظم تشریف لے آئے، سب نے دم سادھ لیا اور

بقیہ حاشیہ

لگانا اور خون میں ہیجان پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی ماہ رخ سیمتن، سرو قامت اور محشر خرام فتانۂ روزگار بناؤ سنگار کی تمام تر حشر سامانیوں اور عشوہ طرازیوں کے ساتھ نازک کمر کو بل دے دے کر متناسب اعضاء اور سڈول جسم کے پیچ و خم کی نمائش کرتی ہے۔ تو ہزاروں دل بہک جاتے ہیں، ہزاروں آنکھیں بن پئے مست ہو جاتی ہیں اور ہزاروں قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔

اسی لئے اس دور کے مزامیر اور طاؤس و رباب کو اس سادہ زمانے کی سادہ دف کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جو نہ خود فتنہ انگیز تھی نہ اس کو بجانے والی۔ اگر اسکے بجانے میں فتنہ آرائی کا اندیشہ ہوتا تو منصب نبوّت سے بعید تھا کہ اجازت ملتی۔ دف بجانے کا اذن مل جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل بد اثرات اور خرابات سے پاک تھا۔ (باقی حاشیہ آگے)

۱۸ے ترمذی، مناقب عمر ۱۹ے بخاری، ۵۶۴

بھاگ کر پردوں کی اوٹ میں چلی گئیں۔

انکی اس بدحواسی گھبراہٹ اور افراتفری سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت محظوظ ہوئے اور فاروق کو دیکھ کر مسکرا کے کہا۔

اے عمر! تم سے پہلے یہ خواتین عرب پوری شدومد کے ساتھ مطالبات پیش کر رہی تھیں، تمہاری سن گن پاتے ہی بھاگ گئیں۔

جناب فاروق نے بلند آواز سے فرمایا۔

اے اپنی ذات کی عدوات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتی ہو اور میرا اتنا خوف ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہیئے، حضور سے ڈرو!۔

انہوں نے جواب دیا۔

حضور تو پیکر جمال و رحمت ہیں، اسلیئے آپکے دامن شفقت پر تو ہم ناز کرتی ہیں مگر آپ کی ذات سے ڈر آتا ہے۔ ۲۰ے

بقیہ حاشیہ

چنانچہ جہاں بھی ایسی صورت ہوتی، وہاں خود اجازت عطا فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک انصاری کی شادی ہوئی، دلہن کو بھیجا گیا تو آپ نے پوچھا

"کیا ساتھ کوئی سامانِ طرب بھی روانہ کیا تھا؟ کیونکہ انصار ذرا چہل پہل کو پسند کرتے ہیں،، (بخاری ۷۷۵)

لیکن جہاں عدم جواز کی کوئی صورت ہوتی، آپ خود منع فرما دیتے۔ بنت معوذ کی شادی ہوئی تو لڑکیوں نے جنگ بعاث کے فخریہ اشعار گانے شروع کر دیئے، حضور علیہ السلام تشریف لائے تو ان لڑکیوں نے نعت نبی شروع کر دی۔

وفینا نبی یعلم ما فی غد

چونکہ شادی بیاہ کا موقعہ تھا کھیل تماشے کی صورت تھی جس حالت میں ذکر نبی ادب کے منافی ہے اس لئے آپ نے روک دیا۔ اور فرمایا، جو پہلے گا رہی تھیں وہی گاؤ! (بخاری ۷۷۳)

۲۰ے بخاری ۵۲۰

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہی باکمال وجاہت وجلالت اسلام کے حلقۂ ارادت میں آکر اہل باطل کے حق میں تیغ بے نیام، تند و تیز سیل بے اماں اور شعلہ جوالہ بن گئی جسکی زد میں آکر کفر ہمیشہ مقہور و ذلیل ہوا اور نادم و پشیماں الٹے پاؤں مڑا۔

(د) جنگِ احد میں مسلمانوں کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر ابوسفیان کو جنگی کارروائی کا موقعہ مل گیا، اس نے اچانک جوابی حملہ کر کے ستر مسلمان شہید کر دیئے۔ اور ایک پہاڑی پہ چڑھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ حضور علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں۔ بولا "کیا تمہارے نبی زندہ ہیں؟"

آقا علیہ السلام نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ حضور کے بعد اسکی نظر میں جناب صدیق اور جناب عمر کی شخصیتیں ہی اہم تھیں۔ چنانچہ ان دونوں کے بارے میں پوچھا، مگر آپ نے اس دفعہ بھی جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان کی خوشی کی انتہا نہ رہی مسرت سے چلا کر بولا! "یہ تمام لوگ قتل کر دیئے گئے ہیں۔"

جنابِ فاروق کا جذبہ ایمانی جوش میں آگیا، جذبات قابو میں نہ رکھ سکے اور چلا کر فرمایا "دشمن خدا! تیرا یہ خیال باطل ہے، حضور بھی زندہ ہیں اور ابوبکر بھی!"[۲۱] اے منافقین اپنی ریشہ دوانیوں اور ذات اقدس نبوی کے خلاف سازشوں میں ملوث رہنے اور شانِ نبوت میں ناشائستہ انداز اختیار کرنے کے باعث ہمیشہ آپکے اعتراضات کا ہدف رہے۔ اور آپکی جلالت سے انہوں نے کبھی اماں نہ پائی، ایک نبوی فیصلہ نہ ماننے والے منافق کا تو آپنے سر ہی اڑا دیا۔

دین کے معاملے میں بھی فوراً جوش میں آجاتی اور دفاع کیلئے آپکو آمادہ و تازہ دم کر دیتی تھی، یہ محالات میں سے تھا، کسی بات کو شرع و دین کے خلاف دیکھ کر خاموش و ساکن رہیں۔

(ھ) ایک دفعہ ہشام نے نماز میں سورۂ فرقان پڑھی، چونکہ ابتداء میں بڑے بڑے قبائل کو اپنے لہجے اور انداز میں قرآنِ پاک پڑھنے کی اجازت تھی اس لئے جناب ہشام

۲۱ے بخاری، ۵۷۹

نے اس رعایت اور اجازت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

جناب فاروق اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے لغتِ قریش کے خلاف قرأت سن کر تلملا گئے، نماز کا احترام مانع رہا ورنہ اسی وقت دبوچ لیتے۔

جونہی نماز ختم ہوئی آپ نے اس کے گلے میں کپڑا ڈال کر بل دے لئے اور گھسیٹتے ہوئے دربارِ نبوی میں لے آئے کہ اس نے غلط تلاوت کی ہے۔

حضور نے اس سے تلاوت سنی اور فرمایا، "درست ہے۔"

پھر جناب فاروق کو تلاوت کا حکم دیا اور فرمایا "یہ بھی درست ہے۔"

تب کہیں جاکر جناب فاروق اعظم کی تسلی ہوئی اور آپ نے ہشام کی جان چھوڑی ۲۲؎ عام طور پر جلیل و غصیل اور سخت گیر لوگ بڑے ہٹ دھرم، ضدی اور خود بین ہوتے ہیں ہر بات کو اپنے وقار و مقام اور اپنی عزت و تمکنت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور کوئی جائز بات سننے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

مگر جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جاہ و جلال نے آپ کو کبھی قبولِ حق سے نہ روکا، اور نہ آپ نے کسی چیز کو اپنے وقار اور مرتبے کا مسئلہ بنایا۔ جس صورت کو حق سمجھتے اس کا برملا اعتراف فرماتے، خلافت کا منصب جلیل سنبھالتے ہی آپ نے جو خطبہ دیا وہ انہی احساسات کا ترجمان ہے۔

"میں آپ ہی میں سے ہوں، اپنے پیشرو، خلیفہ رسول کی حکم عدولی اور خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اے میرے اللہ! میں سخت ہوں، نرم کر، ضعیف و ناتواں ہوں مجھے قوت و توانائی بخش، بخیل ہوں، سخی بنا، یارو! یہ امتحان ہے، بخدا ہر مشکل کو حل کروں گا، اور دیانت و امانت کا دامن کسی صورت میں ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔ میرے نزدیک ہر ناتواں قوی ہے، تاآنکہ اس کا حق دلا دوں، اور ہر طاقتور، کمزور ہے تاآنکہ اس سے حق وصول کر لوں۔ ۲۳؎

آپ کی خلافت کا زریں دور اس حقیقت کبریٰ پر گواہ ہے، کہ جو کچھ آپ نے فرمایا،

۲۲؎ بخاری ۷، ۴۔ ۲۳؎ طبقات، ۳: ۳

اس پر پوری طرح عمل کیا، اور منصب کی جلالت و بزرگی کبھی راہ حق میں رکاوٹ نہ بنی۔ آپ نے بڑی فراخدلی سے مفید مشوروں کو قبول کیا اور صدقِ دل سے انکی افادیت واصابت کا اعتراف کیا۔

اس دعوے کی وضاحت وتائید کے لیئے دو روائتیں پیش کی جاتی ہیں دورِ فاروقی میں ایک لڑکے کی گریہ وزاری اور فغان وفریاد نے کئی دلوں کو پگھلا دیا۔ اسے عدالت فاروقی میں پیش کیا گیا جہاں اس نے یہ رودادِ غم سنائی کہ میری ماں نے مجھے بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لیئے کبیدہ خاطر رہتا ہوں۔

عورت کو عدالت میں طلب کیا گیا، جسکے ہمراہ چالیس آدمی بھی آئے جنھوں نے بتایا، یہ لڑکا کذاب اور دغا باز ہے، اس عورت کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں، کیونکہ یہ ابھی تک کنواری ہے، تحقیقات کی خاطر لڑکے کو جیل میں بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

راستے میں جناب علی المرتضیٰ سے ملاقات ہوگئی، سپاہی رک گئے، لڑکے نے ماجرائے دردِ دل کہہ سنایا۔ آپ نے سپاہیوں کو حکم دیا، عدالت فاروقی میں واپس چلو، یہ فیصلہ ہم کریں گے۔

آپ نے نئے سرے سے مقدمہ سن کر لڑکی کے ورثاء سے پوچھا، کیا تم اس لڑکی کا اختیار مجھے سونپتے ہو؟" انہوں نے بخوشی سونپ دیا۔

آپ نے چار سو درہم اپنی جیب سے نکال کر لڑکے کو دیئے، اور حق مہر باندھ کر فوراً اس عورت کا نکاح لڑکے کے ساتھ کر دیا۔

یہ سچ جھوٹ معلوم کرنے کی عمدہ ترکیب تھی، وہ عورت پھوٹ پڑی کہ یہ واقعی میرا بیٹا ہے، اور اسکے ساتھ میرا نکاح نہیں ہو سکتا۔

جناب علی کے اس فیصلے کو سراہتے ہوئے اور آپکی ذہانت وطباعی کی داد دیتے ہوئے جناب عمر نے بڑی فراخدلی سے فرمایا۔

لولا علی لھلک عمر ——— اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

(فروع کافی۔ جلد ثالث۔ کتاب القضایا۔ باب النوادر)

آپ ہی کا یہ قول ہے

اے اللہ! مجھے کسی الجھن اور پیچیدگی کیلئے زندہ نہ رکھ، کہ وہ پیش آئے اور اسکے حل کیلئے علی نہ ہوں:

ایک دفعہ جناب عمر نے بھرے مجمع میں کہا۔

" اگر ہم تمہیں غلط روی پر مجبور کر دیں، تو تم کیا کرو گے ؟ "

جناب علی نے جواب دیا، پہلے تائب ہونے کیلئے کہیں گے، اگر توبہ کرلی تو بہتر ورنہ سر اڑادیں گے، جس میں دو آنکھیں چمک رہی ہیں۔

جناب عمر نے ناراض ہونے کی بجائے، بڑی مسرت سے کہا! خدا کا شکر ہے جس نے امت میں ایسے جوانمرد بھی پیدا فرما دیئے ہیں، کہ اگر ہمارے اندر کجی بھی پیدا ہو جائے تو وہ دور کردیں (کشف الغمہ، ۱: ۱۵۷)

حضرت فاروق اعظم اور علی المرتضیٰ کی باہمی محبت

جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات انمول اوصاف اور بے نظیر و محمود خصائل کا حسین مرقع تھی جس میں شجاعت و دیانت، محنت و ذمہ داری، استقامت و حق پرستی بے نفسی و ریاضت خیر خواہی و حق پژوہی، وقتِ نظر و مآل اندیشی، وجاہتِ شخصیت و طبعی ذکاوت اور خلوص و ایثار کی ساری قدریں مجتمع ہو گئی تھیں، مگر جو خلوص، جذبۂ عشق اور جوشِ عقیدت آپکے قلبِ انور میں اہل بیت کرام کیلئے تھا، اسکی مثال نہیں ملتی کیونکہ اہل بیت کا نسبی و روحانی تعلق اس محبوب کے ساتھ تھا جس کیلیے انہوں نے ساری کائنات ترک کر دی اور اپنی ہستی تک بھلا دی تھی اور انکی امت کی فلاح و بہتری کیلئے اپنی زندگی کانٹوں کی سیج بنالی تھی، مگر اس تکلیف و عسرت کا شکوہ کبھی زباں سے نہ کیا تھا اور نہ اس تکلیف کو تکلیف سمجھا، بلکہ اس راہ کی دشواریوں اور خاروں کو ہمیشہ حریر و پرنیاں ہی کا درجہ دیا۔

جناب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو خلیفہ اوّل کی طرح ابتدا ہی سے آپ کی دوستی تھی اور اس دوستی میں ان دونوں حضرات نے یارہا خلوص و محبت سے رنگ بھرا تھا جس کا رنگین و جمیل عکس یہ حقائق و واقعات ہیں۔

(الف) جناب سیدہ زہراء فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے اکابر قریش نے سلسلہ جنبانی کی مگر جناب رسالتمآب نے کوئی رشتہ قبول نہ کیا، ایک روز جناب صدیق و عمر خاص جذبات و عزائم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے جو محنت مزدوری کیلئے گئے ہوئے تھے، دونوں کے جذبۂ محبت میں بے پناہ تموج تھا کہ علی کے ساتھ دوستی کا حق ادا کیا جائے، اور انکے سر کرامت پر عزت و افتخار کا ایسا حسین سہرا سجا دیا جائے جسکے سدا بہار پھول کبھی پژمردہ نہ ہوں۔ دونوں گوہرِ مقصود ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور حضرت علی سے کہا!۔

قریش کے مقتدر ترین لوگوں نے جناب سیدہ کیلئے دربار نبوی میں پیغام دیا ہے، مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا، ہمارا قیاس یہی ہے کہ نگاہِ انتخاب تم پر پڑ چکی ہے، صرف عرض گزارنے کی دیر ہے جرأت سے کام لو، اور دربارِ رحمت میں جاکر عندیہ بیان کرو۔ ہمیں وثوق ہے، خواستگاری کے ساتھ ہی منظوری ہو جائے گی۔''

یہ سنتے ہی جناب علی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا، جیسے دل کی بات منہ سے چھین لی گئی ہو مگر کامیابی کی اُمید نہ ہونے کے باعث حسرت و یاس نے اشکوں کی صورت اختیار کرلی ہو، بولے "میری تو عرصہ سے یہ خواہش تھی، مگر تنگدستی مانع ہے، افلاس و غربت کے تصور نے کبھی لب کشائی کی جرأت نہ بخشی۔

دونوں حضرات اپنے جگری دوست کی اس گریہ وزاری سے بے قرار ہو گئے اور ڈھارس بندھائی لا تقل ھذا فان الدنیا وما فیھا عند اللہ تعالیٰ وعند رسولہ کھباءٍ منثورٍ

"دوست! یہ بات مت کہو! دنیا اور اس کے سارے زخارف، خدا اور رسول کی نگاہ میں ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔"

احباب کی تقریر و تشجیع سے جناب علی میں قدرے جرأت و ہمت پیدا ہوئی آپ اسی ہمت کے سہارے بارگاہ نبوی میں پہنچے، اور مدعا بیان کیا، گویا اسی چیز کا انتظار تھا، فوراً منظوری ہو گئی۔ جناب علی شاداں و فرحاں نکلے، جب دونوں حضرات نے یہ مژدۂ حیات افزا سنا تو اپنے دوست کی خوش بختی پر مسرت سے کھل اٹھے اور بہت ہی خوش ہوئے۔[۲۴]

محبت و وفا کی یہی تاریخ جناب فاروق اعظم کے خاص دورِ خلافت میں بھی دہرائی گئی اور ایسے حسین انداز میں اس کا اعادہ ہوا کہ نقوشِ الفت تابندہ ہو گئے۔

(ب) ایران فتح ہوا تو اسیرانِ جنگ میں یزدجرد شاہِ ایران کی بیٹی بھی مدینہ طیبہ آئی

۲۴؎ کشف الغمہ، ۱: ۷۸۔ ۴۸۴۔ جلاء العیون۔ ۱۱۳

اسکی آمد کی خبر سن کر عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں، اور اسکے حسن جہاں افروز کی تابانیاں دیکھ کر دنگ رہ گئیں، کوچہ و بازار منور ہو گئے، ایسی باکمال و وجیہہ لڑکی کیلئے رفیق سفر تلاش کرنے کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا۔ مگر جناب فاروق اعظم کی محبت و عقیدت اور شفقت نے اسے چٹکیوں میں حل کر دیا۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس شہزادی کو شہزادہ امیر المومنین جناب عبداللہ کیلئے منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا اور شہزادہ سید الکونین جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا اور خیر و برکت کی دعا کے ساتھ یہ پیش گوئی بھی کی کہ لیلدن منها خیر اهل الارض فولد علی ابن الحسین۔ ٢٥ے

(اس لڑکی شہر بانو سے ایسا بچہ متولد ہوگا، جو تمام اہل زمین سے بہتر ہوگا۔)

چنانچہ جناب زین العابدین پیدا ہوئے۔

(ج) جنگ احزاب میں ابن عبدود جیسے گرانڈیل اور قوی ہیکل کافر کے سامنے جناب علی صف آرا ہوئے، وہ آپکے چھریرے بدن پہ ہنسا اور کہا!

" بھتیجے! واپس جاؤ، تمہارے باپ کے ساتھ میرے مراسم تھے، اس لئے تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا جناب علی نے اسکی نخوت، اس کا انداز استہزاء اور طاقت کا توازن نظر انداز کر کے فرمایا۔

" مگر میں تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں "

اس جملے نے اسے بیخ پا کر دیا، غرا کر حملہ آور ہوا۔ مگر ذوالفقار حیدری نے ایک ہی وار میں اسکے تن و توش کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

کافر کو جہنم رسید کر کے واپس آئے تو دونوں پیارے دوستوں نے ہاتھوں پر اٹھالیا۔ فقام ابوبکر و عمر فقبلا راس علی ٢٦ے

اور جناب علی کے سر کو بوسے دیئے۔

جناب علی نے بھی اس الفت و پیار کے جواب میں کبھی بخل سے کام نہ لیا، ہمیشہ

٢٥ے اصول کافی، ٢٩٦ جلاء العیون، ٩٤ ۔ ٢٦ے کشف الغمہ، ا: ٢٧٣

عمائد مشورے دیئے، اور پرخلوص جذبات کا مظاہرہ کیا۔ یہ دو مثالیں اس حقیقت کی دلیل ہیں۔

(الف) روم کی سرحدوں پر قیصر نے لاتعداد فوجیں لا ڈالی تھیں، جناب عمر نے بذات خود افواج کی کمان کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ جناب علی بولے۔

آپ کا نہ جانا بہتر ہے، خوانخواستہ ہزیمت اٹھانا پڑی تو مرکز سے آپکی عدم موجودگی کے باعث مسلمانوں کیلئے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہے گی، کوئی مرجع نہیں ہوگا کہ اسکی طرف رجوع کر سکیں، اسلئے آپ کوئی ہنرمند جنگی فنون کا ماہر، اور قائدانہ صلاحیتوں کا مالک منتخب کریں۔ اس کی قیادت میں بہادر و جنگ آزمودہ مجاہدین بھیجیں، اگر وہ فتح یاب ہو گئے تو گوہر مقصود حاصل ہو جائے گا۔ بصورت دیگر آپکی ذات تو ہوگی جس کی طرف مسلمان رجوع کر سکیں گے [۲۷]

ایک اور موقعہ پر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی جذبات کا اظہار کیا جن میں محبت کی مہک اور خلوص کی لازوال خوشبو موجود ہے۔

اسلام کا غلبہ و اقتدار، افواج کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں۔ یہ خدا کا دین ہے، جس کا وہ خود حامی و ناصر ہے اور اسے غالب و مقتدر کرنے والا ہے۔ اس دین کا خادم، منتظم اعلیٰ یا خلیفہ اس امت میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جیسے ہار کے دانوں کو منظم رکھنے کیلئے دھاگے کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں اے امیر المومنین! آپ مسلمان فوج کیلئے قطب بن جائیے، وہ قطب یا کیل جس کے گرد چکی کے پاٹ گھومتے ہیں، وہاں جانے کی بجائے یہیں رہ کر کفار کو اس چکی میں پیس ڈالیئے۔ [۲۸]

---

[۲۷] نہج البلاغہ ۱: ۲۷۲ شرح فیض الاسلام، ۶۰ھ۔ [۲۸] نہج البلاغہ ۱: ۲۸۳

فدک کی تولیت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک جیسے باغات کے بارے میں واضح ہدایات عطا فرمادی تھیں کہ انہیں نبی کی میراث کے طور پر قطعی تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ انکی آمدن معمول کے مطابق مصارف پر خرچ کی جائے گی۔

جناب صدیق اکبر نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی حیثیت سے اس فرمودۂ رسالت پر پورا پورا عمل کیا اور اپنی زیرِ نگرانی ان ہی خطوط پر ان کی آمدن صرف فرمائی جن پر آقا علیہ السلام صرف فرمانے تھے۔

پھر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ اقتدار میں بھی دو سال تک اسی طرح انتظام رہا، چونکہ شرعی طور پر اتنی اجازت تھی کہ" امام وقت اور خلیفۂ زمان، بذاتِ خود یا اپنا کوئی نائب اور متولی مقرر کر کے اس کا انتظام کر سکتا ہے" اسی لیے جناب علی اور

حاشیہ عہ فے کی نگرانی جانشین رسول کے سپرد ہے

اس حقیقت کبری اور مسلمہ اصول کی شیعی روایات سے بھی تصدیق و تائید ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ خود ان کے معتبر اکابر و ائمہ کے ہاں بھی یہی بات حق ہے کہ امام وقت کو مال فے میں حسب منشا اور قومی فلاح و بہبود کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار ہے، اس غلط خیال کو جو ہوا دی جا رہی ہے کہ اس معاملہ میں حاکم وقت بے دست و پا اور مجبور محض ہوتا ہے، محض گھڑا ہوا اور اختراعی خیال ہے، وگرنہ حقیقت و واقعہ اور مستند شیعہ ماخذ کی روشنی میں فرمودات ائمہ سے اسے کوئی تعلق نہیں ہے۔

چنانچہ معتبر اور محقق شیعی مفسر محمد بن مرتضیٰ فیض کاشانی نے اپنی تفسیر صافی میں جوامع تہذیب اور الکافی جیسی مستند کتب کے حوالے سے حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما کے ارشادات نقل فرمائے ہیں، جن سے واضح

عباس دو سال بعد حضرت فاروق اعظم کے دربار میں حاضر ہوئے اور بنو نضیر وغیرہ باغات کی تولیت کیلئے درخواست پیش کی، چونکہ انہیں متولی مقرر کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی، وہ فاروق اعظم کی نگاہ میں سب سے افضل و اعلیٰ، دیانت دار دامین اور زیادہ تر وخوبتر ین تھے۔ اس لئے ان باغات کا انتظام ان کے

حاشیہ:

ہوتا ہے کہ جانشین رسول کو مال فے کے انتظامی امور کی نگرانی کا مکمل اختیار ہوتا ہے

تفسیر صافی میں تہذیب کے حوالے سے لکھا ہے!

حضرت امام باقر اور امام صادق رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔

جو زمین خونریزی کے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، یا غیر مسلم مصالحت کی غرض سے مسلمانوں کو مال و دولت پیش کریں، یا غیر مملوکہ زمین اور وادیاں، یہ سب مال فے اور انفال کے حکم میں ہیں۔ فھذا کلہ للہ ولرسولہ فما کان للہ فھو لرسولہ یضعہ حیث شاء وھو للامام بعد الرسول ۲۹ ے

پس یہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور جو اللہ کا ہے وہ بھی اس کے رسول کا ہے، جہاں چاہیں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ اور رسول کریم کے بعد ان کے جانشین و امام کا ہے۔

الکافی کے حوالے سے امام صادق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد درج ہے۔

فھو لرسول اللہ وھو للامام من بعدہ یضعہ حیث یشاء ۳۰ ے

وہ مال فے رسول اللہ کا ہے اور آپکے بعد امام وخلیفہ کا ہے جو اسے جہاں چاہے استعمال کر سکتا ہے۔

الجوامع میں امام جعفر صادق کا یہ ارشاد یوں منقول ہے۔

وھی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ ۳۱ ے

یہ مال خدا اور رسول کا ہے اور آپکے بعد اس شخص کا ہے جو آپ کا قائمقام اور جانشین ہو۔

۲۹ ے ۳۰ ے ۳۱ ے تفسیر صافی ا: ۶۳۶ سورۃ الانفال پہلی آیت (باقی حاشیہ آگے)

سپرد کر دیا۔

ایک عرصہ بیت گیا، ایک روز جناب عثمان و عبدالرحمان بن عوف زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں جناب علی و عباس آ گئے، دونوں کے چہروں سے خفگی کے آثار منترشح تھے، جناب عباس رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ ہی کبیدہ خاطر تھے۔ بولے!

حاشیہ

الکافی سے حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا۔ ماکان للہ فلمن ھو؟

جو خدا کا حصہ ہے وہ کس کو ملے گا؟ آپ نے جواب دیا۔

لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما کان لرسول اللہ فھو للامام ۳۲؎

وہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا، اور آپکے بعد اس شخص کے زیر تصرف آئے گا، جو امام و خلیفہ ہو۔

خود علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا اس سلسلہ میں ارشاد مبارک اتنا واضح، دو ٹوک اور فیصلہ کن ہے۔ جسکے بعد اس مسئلہ میں کوئی پیچیدگی اور تاریکی نہیں رہ جاتی اور پتہ چل جاتا ہے کہ مال فے میں تصرف کرنے کا اختیار البیا شرعی حق ہے جو اسلام نے امام وقت کو تفویض فرمایا ہے اور وہ قومی تقاضوں کے مطابق اس میں تصرف کر سکتا ہے، آپ کا ارشاد ہے۔

فے آں مالے است، کہ از کفار بمسلماناں منتقل شود، بدوں قتال وایجاف خیل ورکاب دآں رسول را باشد در حیات وے وبعد از وی کسے راکہ قائمقام وے باشد از آئمہ دیں والیشاں ہر کسے کہ خواہند دہند وبہ ہرچہ صلاح باشد صرف نمایند وایں قول امیر المومنین علیہ السلام است۔ ۳۳؎

جو قتال کے بغیر مال حاصل ہو۔ اسے فے کہتے ہیں وہ زندگی میں رسول کیلئے ہوگا۔ اور بعد میں قائمقام آئمہ دین کے تصرف میں آئے گا، وہ جسے چاہیں، دیں گے۔

۳۳؎ منہج الصادقین ۹: ۲۲۷۔ سورۃ الحشر ۳۲؎ تفسیر صافی ۱: ۶۶۸

(باقی حاشیہ آگے)

امیرالمومنین! انصاف کیجیئے! جو علاقہ آپ نے ہمارے زیر انتظام کیا تھا، وہ مشترک ہونے کی وجہ سے نزاع کا باعث بن گیا ہے، آپ اسے تقسیم کر دیں تاکہ آدھا میری نگرانی میں رہے اور بقیہ آدھے کا انتظام علی کریں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

یہ بالکل غلط بات ہے، میں نے یہ علاقہ آپ لوگوں کے اطرپہ یہ صرف اس لئے آپکے انتظام میں دیا تھا کہ متولی و نگران بن کر اس کی پیداوار کا حساب رکھیں، بطور میراث نہیں دیا تھا، اگر اسے نصف نصف بانٹ دیا گیا تو زمانہ گزرنے کے ساتھ یہ تصور عام ہو جائے گا کہ اسے بطور میراث تقسیم کیا گیا تھا یہ منشاء نبوت اور فرمودۂ نبوی کے خلاف ہوگا۔ اس لئے اسے بانٹنے کی جرات نہیں کر سکتا، البتہ اگر آپ لوگ اسکے انتظام سے قاصر ہیں تو مجھے واپس کر دیں، میں خود انتظام کر لوں گا۔

جو حضرات پہلے سے وہاں موجود تھے آپ نے انہیں بھی قسمیں دے کر پوچھا کیا یہ طریقہ کار درست نہیں ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رض ان ہی مدات پر اس آمدن کو خرچ نہیں کرتے تھے؟ سب نے تائید کی یہاں تک کہ جناب علی اور عباس نے بھی تصدیق فرمائی۔ [۳۴]

باقی حاشیہ

اور جہاں مناسب ہو خرچ کریں گے۔

ان واضح اور فیصلہ کن ارشادات سے آگاہ ہو جانے کے بعد، اس حقیقت کے ادراک میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ مال فے کے انتظامی امور، ناظم حاکم کی ذمہ داری میں داخل ہوتے ہیں جن کی نگہداشت اور اس قومی امانت اور اس کے مفادات کی نگرانی اس کا شرعی فرض ہوتا ہے۔ اور یہ فرض شریعت ہی کا عطا کردہ ہے، جس کا انکار خلاف شرع و دین اور اکابرین اہل بیت کرام اور خدا اور رسول کے فرمودات کے بھی خلاف ہے۔ (حاشیہ ختم)

---

۳۴ بخاری، ۴۳۵، ۵۷۵، ۶۰۹، ۸۰۷، البدایہ ۵: ۲۸۷

شہادت و تدفین

اسلام کے فرزندِ جلیل و جمیل جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میمون و مسعود میں فتوحات و برکات، قومی عروج و ارتقا اور سرور و انبساط نے اسلامی پرچم اقبال کے اس تیزی و وارفتگی کے ساتھ قدم چومے، اور قلب و نظر اور ایمان و ایقان کی سلامتی کے سفینے اس شان کے ساتھ آگے بڑھے۔ کہ قدسیوں کو بھی وجد آگیا، اور ابلیسی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اسلامی مفبوضات کا دائرہ پھیلا تو مدینہ منورہ میں دیگر مقامات کی طرح عجمی غلاموں کا تانتا لگ گیا، قیدی کی حیثیت سے یہ لوگ آئے اور مسلمانوں کے خلوص و ایثار اور حیرت انگیز ایثار سے متاثر ہو کر، کچھ ایمان بھی لے آئے اسلام کی انقلابی تعلیمات میں انسانی شرف و عظمت اور عزت و خودداری کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا ہے، اور ٹھوس بنیادوں پر اس کی حفاظت کی گئی ہے ان عجمی غلاموں نے جب دیکھا کہ غلام ہونے کے باوجود ان کی عزت محفوظ ہے، مسلمان اپنے مذہبی و دینی احکام کی رو سے انکے ساتھ بڑا ہی فیاضانہ اور غیر متوقع سلوک کرتے ہیں، اور موقعہ ہاتھ آتے ہی بڑی فراخدلی سے انہیں آزاد کر دیتے ہیں تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ اور مسلمانوں کی غلامی پر اپنی آزادی کو بھی قربان کرنے میں فخر و مسرت محسوس کرنے لگے۔ مگر سب طبائع یکساں نہیں ہوتے، کچھ احسان ناشناس، تیرہ بخت اور سوختہ نصیب ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کی شرافت، نیکوکاری، دیانت و نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

ابو لؤلؤ ایک ایسا ہی تند خو، ظالم و جفاجو اور سفاک غلام تھا، اس کے مالک حضرت مغیرہ نے اسے مکمل آزادی دی ہوئی تھی، یہ انہیں روزانہ صرف ایک دینار کما کر دیتا تھا، مختلف فنون میں ماہر اور اعلیٰ درجے کا کاریگر ہونے کے باعث روزانہ کئی دینار کما لینا اسکے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا، مگر اسکی بری فطرت اتنا معمول سا خراج ادا کرنے کیلئے بھی تیار نہ تھی۔

ایک روز جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، بازار کا جائزہ لے رہے تھے کہ ابولولو سامنے آگیا، اور کہا۔

"مغیرہ سے کہیئے وہ میرے خراج میں تخفیف کر دیں، میں ایک دینار یومیہ ادا نہیں کر سکتا۔ آپ نے اسکی مہارت اور ہنر مندی کی تفصیلات سن کر جواب دیا!
"تم ایک ماہر کاریگر ہو، کئی دینار کما کر ایک دینار اپنے مالک کو دے دینا تمہارے لئے کچھ مشکل نہیں، اس لئے تمہاری سفارش نہیں کر سکتا۔"
معقول بات تسلیم کرنے کی بجائے ابولولو دانت پیس کر رہ گیا۔
آپ نے فرمایا! "تم ماہر ہو ایک چکی مجھے بھی بنا دو۔"
اس نے مڑتے ہوئے دبی زبان سے کہا! "ایسی چکی بنا کر دوں گا کہ اسکی گونج مشرق و مغرب میں سنائی دے گی۔"
جناب فاروق اعظم نے یہ بات سن لی اور سمجھ گئے عجمی غلام دھمکی دے کر گیا ہے، مگر آپکے تقوی و طہارت۔ علم و عرفان، خشیت و جذبہ حق پرستی اور عدل و انصاف نے یہ گوارا نہ کیا کہ دنیا پرست بادشاہوں کی طرح اپنے دشمن کو وار کرنے سے پہلے ہی تختہ دار پر کھینچوا دیں۔
دن گزرتے گئے، آپ نے ایک روز جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا!
"ظہور فتنہ سے متعلق تمہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات یاد ہیں؟"
انہوں نے جواب دیا! مال و دولت اور اہل و عیال میں جو فتنے پیش آتے ہیں، اور انسان سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں جو فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں۔ ان کا کفارہ وہ عبادات بن جاتی ہیں، جو وہ صبح و شام کرتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، خیرات وغیرہ۔ جناب فاروق اعظم نے فرمایا۔
"میں اس ہوشربا فتنہ سے متعلق بات کر رہا ہوں، جو گرداب بلا کی طرح سب کو اپنی لپیٹ میں لے گا؟"
جناب حذیفہ نے جواب دیا! امیر المؤمنین! اس فتنے سے آپ کو خائف و اندیشہ ناک ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کے اور اسکے ظہور کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، جب تک آپکی حیات ہے، وہ کھلے گا ہی نہیں،"

یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی اطلاع اور پہلے سے دی ہوئی خبر ہے"
"کیا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائیگا"، آپ نے استفسار فرمایا۔
مقصد یہ تھا کہ فوت ہونگے یا شہید کئے جائیں گے۔

حضرت حذیفہ نے جواب دیا! وہ دروازہ توڑا جائے گا، یہ اس طرف اشارہ تھا کہ آپکو شہید کیا جائے گا۔

آپ نے یہ سن کر بڑے سکون واطمینان سے اس کے نتائج سے آگاہ کیا، "اگر فتنہ کا یہ دروازہ توڑ دیا گیا تو پھر کبھی بند نہیں کیا جا سکے گا۔"۳۵

آپکی یہ پیشن گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ ابو لولو انتقامی کارروائی کیلئے، گھات میں بیٹھ گیا۔ آپ حسب معمول فجر کی نماز پڑھانے کیلئے تشریف لائے، عموماً سورہ نحل کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تاکہ نمازی جماعت میں شریک ہوسکیں جب آپ نے نیت باندھی تو ابولولو نے گھات سے نکل کر دو دھاری خنجر کے ساتھ آپ پر حملہ کر دیا، پیٹ مبارک میں خنجر دور تک اتر گیا اور آنتیں کاٹ دیں۔ بے ساختہ آپکی زباں سے نکل گیا، اس کتے نے مجھے مار ڈالا۔ قتلنی ھذا الکلب ابولولو اپنا کام کر کے وحشی دیوانے کی طرح خنجر لہراتا اور نماز میں دائیں بائیں کھڑے لوگوں کو زخمی کرتا ہوا پلٹا، تیرہ غازی اسکے خنجر کی زد میں آئے اور سات موقعہ پر ہی شہید ہو گئے، ایک آدمی نے چادر پھینک کر ابولولو کو بے بس کر دیا، اس نے وہی خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کر لی۔

یہ تاریخی المیہ اس سرعت سے ظہور پذیر ہوا کہ اگلی صفوں میں کھڑے چند آدمیوں کے سوا کسی کو صورت حال کا پتہ نہ چل سکا۔ اور نہ ہی ان قدسی صفات حضرات نے نماز توڑی، جناب فاروق نے حضرت عبدالرحمان کو پکڑ کر آگے کیا۔ انہوں نے جلد جلد نماز پڑھائی۔ پھر امیر المومنین کی طرف متوجہ ہوئے، زخم اتنے گہرے تھے کہ جانبر ہونے کا امکان کم تھا، گھر لا کر کھجور کا پانی پھر دودھ دیا گیا، مگر وہ زخموں کی راہ نکل گیا، یہ کیفیت دیکھ کر سب کے کلیجے چھلنی ہو گئے، اور

---

۳۵ بخاری ۵ ۷

وہ پہلو میں دل مسوس کر رہ گئے۔

آپ نے اپنے صاحبزادے جناب عبداللہ کو بلا کر فرمایا۔

" حضرت عائشہ کی خدمت میں جاؤ اور کہو عمر بن خطاب اپنے دوستوں کے ساتھ حجرے میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو احسان ہوگا دیکھو! وہاں جاکر میرا نام لینا اور امیر المومنین نہ کہنا، کیونکہ اب میں مومنین کا امیر نہیں رہا، اب ان کا امیر وہ ہوگا جسے یہ منتخب کریں گے۔"

حضرت عبداللہ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اندر آنے کی اجازت لی وہ زار و قطار رو رہی تھیں، جناب فاروق پر حملہ کی اندوہناک خبر نے سکون و قرار چھین لیا تھا، جب عبداللہ نے درخواست پیش کی، تو بولیں!

" قبر کی یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی ہوئی تھی، لیکن آج میں عمر کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"

یہ خوشخبری لے کر جناب عبداللہ آئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا چہرہ انور کھل اٹھا، جیسے دولتِ کونین پا لی ہو، بولے! " میرے لئے یہی مسئلہ سب سے اہم تھا، خدا کا شکر ہے۔ بخیر و خوبی حل ہو گیا، تاہم میری وصیت ہے جب میرا جنازہ تیار ہو جائے تو دوبارہ حضرت عائشہ سے اجازت طلب کی جائے مبادا انہوں نے شرم و حجاب کے باعث اجازت دی ہو اگر ایسا ہی ہو تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، وگرنہ شاہِ کونین اور صدیقِ اکبر کے پہلو میں دفن کیا جائے"

ان نازک لمحات میں بھی آپ نے امت کی فلاح و نجاح کو نظر انداز نہ کیا ہونے والے خلیفہ کو انصارِ مدینہ، شہری و دیہاتی اور حقوق خدا و رسول کے بارے میں وصیتیں کیں پھر چھ رکنی جماعت مقرر کی کہ مسلمان ان میں سے اپنا امیر چن لیں[36] ہر طرف سے فارغ و مطمئن ہو کر آپ نے اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔[37]

مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، کوچہ و بازار اور گھر گھر سے گریہ و فغاں کی دلدوز

---

[36] بخاری، ۵۲۴ - [37] بخاری ۵۱۹

آوازیں بلند ہونے لگیں، سوزِ دروں اور غمِ جاناں کے صدمہ نے انہیں نڈھال کردیا۔

تجہیز و تکفین کی رسومات ادا کی گئیں، اور آپ کو چارپائی پہ لٹا دیا گیا، ہجوم یاراں میں کسی نے جناب ابنِ عباس کے کاندھے پر ہاتھ رکھدیا، اور بڑے ہی مغموم لہجے میں کہا!

یرحمک اللہ انی کنت لارجو ان یجعلک اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ماکنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت والوبکر وعمر، وفعلت والوبکر وعمر والطلقت والوبکر وعمر، فالتفت فاذا علی بن ابی طالب ۳۷

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، مجھے پہلے ہی پتہ تھا، خدا تعالیٰ آپ کو دونوں دوستوں کے پہلو میں جگہ دے گا، کیونکہ میں اکثر حضور علیہ السلام سے سنا کرتا تھا، (آپ بیک وقت تینوں کا ذکر کیا کرتے تھے یعنی) میں اور ابوبکر اور عمر تھے میں اور ابوبکر و عمر نے یہ کہا، میں اور ابوبکر و عمر گئے"، جناب ابن عباس فرماتے ہیں "میں نے مڑکر دیکھا، وہ علی بن ابی طالب تھے"۔

پھر وصیت کے مطابق عاشق کا جنازہ دھوم دھام کے ساتھ اشکوں کی برسات سسکیوں کی رم جھم، رحمت ربانی کی گھٹا اور کلمہ طیبہ کی گونج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک تک لے جایا گیا اور تدفین کی از سر نو اجازت طلب کی گئی۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطیب خاطر اجازت مرحمت فرمادی اور آپکو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کردیا گیا جو پہلے ہی جناب محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون تھے۔

اس طرح ہجرت کے تیئیسویں سال ذی الحجہ کی دوسری تاریخ کو جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس نورانی خواب کی تعبیر مکمل ہوگئی جو انہوں نے بہت پہلے دیکھا تھا کہ انکے حجرے میں تین چاند اتر آئے ہیں۔

چھٹا باب

گنبدِ خضرا کی تعمیر

گنبد خضراء کی تعمیر:-

ا:- یک جا تدفین کے واضح ارشادات

ب:- دائمی رفاقت کے اشارے

ج:- قیافے اور اندازے

گنبد خضراء کی تعمیر کے تدریجی مراحل

مجاورت و تعمیر کے متولیین

ا:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

ب:- حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما

ج:- حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

عباسی خلفاء

- ہارون الرشید کی والدہ خیزران
- خلیفہ المتوکل
- خلیفہ المقتفی
- وزیر حسن بن ہیجا
- خلیفہ المستضیئ
- سلطان رکن الدین بیبرس
- فرمانروائے مصر سلطان قلاوون صالحی
- سلطان محمد بن قلاوون
- ابن بطوطہ کا بیان
- ابن جبیر کا بیان
- خلفائے آلِ عثمان

گنبدِ خضرا کے تین مکین

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف کو وہ عظمت و رفعت حاصل ہوئی جس پر عرشِ اعظم بھی ہمیشہ کیلئے رشک کناں رہے گا، تین قدسی نفوس، گلشنِ الست کے تین نورانی پھول جو حضرت عائشہ کو خواب میں درخشاں چاند نظر آتے تھے، انکے حجرے میں رونق افروز ہو گئے اور یہ حجرہ ہمیشہ کیلئے ملائکِ اہلِ سماء، اور عشاق اہلِ زمین کی زیارت گاہ بن گیا۔

فکر و بصیرت سے بہرہ ور اور بلوغتِ نظر کے مالک اکابر صحابہ کرام کو، حضور نبی کریم علیہ الصلوات والتسلیم کے واضح ارشادات، معنی خیز اشارات و کنایات، لطیف و منفرد طرزِ عمل اور حسنِ سلوک سے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وہ خوش بخت اور قدسی ہستیاں ہیں، جنہیں زندگی کی طرح بعد از وفات بھی وصالِ یار میسر رہے گا اور وہ ایک ہی جگہ ایک ہی روضۂ اقدس میں جمالِ دوست سے شادکام و لازوال معیت سے بہرہ یاب ہوتے رہیں گے۔

(۱) واضح ارشادات

حضرت عائشہ نے ایک دفعہ عرض کی

انی لا ارانی الا ساکون بعدک فتاذن لی ان ادفن الی جانبک؟ قال: وانی لک ذالک الموضع مافیہ الا قبری وقبر ابی بکر وعمر وقبر عیسٰی بن مریم[۱]

(میں دیکھ رہی ہوں کہ حضور کا وصال ہو جائے گا، کیا آپ اجازت عطا فرماتے ہیں کہ بعد میں، میں بھی آپ ہی کے پہلو میں دفن کر دی جاؤں؟ فرمایا یہ جگہ تجھے کیسے مل سکتی ہے؟ اس میں تو میری، ابوبکر و عمر اور عیسٰی بن مریم علیہ السلام کی قبر بنے گی۔)

[۱] عمدۃ القاری، ۸: ۲۲۸ [۲] ترمذی، ۵۲۷

جناب ابن عمر سے مروی ہے، "ایک روز حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے مسجد میں تشریف لائے کہ دائیں بائیں جناب ابوبکر و عمر تھے اور آپ نے دونوں کے ہاتھ تھام رکھے تھے، اس تاریخی حالت میں فرمایا!

ھکذا نبعث یوم القیامۃ [2] ہم بروز قیامت بھی اسی طرح اٹھیں گے

(ب) دائمی رفاقت کے اشارے

ان واضح و مبین ارشادات کے علاوہ آپکے اشارات کی بھی کوئی حد نہیں جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا!

مامن نبی الا ولہ وزیران من اھل السماء و وزیران من اھل الارض فاما وزیرای من اھل السماء فجبریل و میکائیل واما وزیرای من اھل الارض فابوبکر و عمر [3]

[ہر نبی کے آسمان و زمین میں دو، دو وزیر ہوتے ہیں، میرے آسمانی وزیر جبریل و میکائیل اور زمینی وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ایک شخص نے اپنے ساتھ پیش آنے والا ایک حیرت انگیز واقعہ آکر بیان کیا کہ "میری بکری بھیڑیا منہ میں دبوچ کر بھاگا، میں نے جرات کر کے چھین لی، وہ بولا! میرا رزق چھینتے ہو، اس روز کیا کرو گے، جب میری نسل کے سوا کوئی ان کا رکھوالا نہ ہوگا؟ ایک درندے کے منہ سے فصیح کلام نے مجھے ششدر کر دیا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خرقِ عادت، اور کرامت و روحانیت مبنی ماجرا سن کر فرمایا۔ اومن بہ والوبکر و عمر [4]

(یعنی تم حیران ہوتے رہو) (میں اور ابوبکر و عمر تو اس پر ایمان لاتے ہیں۔)

سرکار علیہ السلام نے ان دونوں دوستوں کے ایمان و یقین پر اس وثوق و پختگی کے ساتھ اس وقت گواہی دی جب کہ وہ دونوں حضرات وہاں موجود نہیں تھے مگر

---

[2] ترمذی، 527 [3] ترمذی 528 [4] بخاری، 521

نگاہِ نبوت و بصیرتِ رسالت سے انکے دل و دماغ اور خلوص و محبت کی کوئی کیفیت اور سوز و گداز کی کوئی حالت مخفی نہ تھی، جانتے تھے سراپا اخلاص و بندگی اور پیکر نیاز و وفا ہیں، اس لئے ان کے ایمان پر گواہی ثبت فرمائی۔

انکے ساتھ حسنِ سلوک اور انمول طرزِ عمل کا عالم یہ تھا کہ

کانا ینظران الیہ وینظر الیھما ویتسمان الیہ ویتبسم الیھما۔

آپکی بارگاہ جلال و جمال میں جب کسی کو آنکھ تک اٹھانے کی جرات نہ ہوتی تھی وہ دونوں آپکو اور حضور ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہنستے تھے، جو انتہائی محبت و غایت قرب کی دلیل ہے۔

قدرتی اتفاقات کی سازگاری ملاحظہ ہو کہ حادثات و واقعات بھی ایسے رونما ہوتے تھے جن سے غایت تعلق کی ایمان پرور مہک آجاتی تھی اور جاننے والے یہ نتیجہ اخذ کر لیتے تھے کہ یہ پختہ اور گہرا تعلق وفات کے ساتھ نہیں ٹوٹے گا، اور وصال کے بعد بھی یہ حضرات اسی طرح اکٹھے رہیں گے۔

قیافے اور اندازے

جناب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ایک روز دربارِ نبوی کی حاضری کیلئے گھر سے نکلے پتہ چلا آپ "چاہ اریس" کی طرف تشریف لے گئے ہیں، یہ وہاں پہنچے دیکھا کہ آپ وضو فرما کر کنویں کی منڈیر پر بیٹھے ہیں شہنشاہ کونین کی شاہانہ اور بے نیاز انداز سے بیٹھنے کی یہ ادا، غلام کو بہت پسند آئی لہذا خادم دربان بننے کا شوق چرایا باغ کے دروازے پہ جا کر بیٹھ گئے۔

اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، انہوں نے آکر حضور اکرم سے جناب صدیق کیلئے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا "اسے آنے دو، اور جنت کی بشارت بھی دے دو"

جناب صدیق مژدۂ فردوس پاکر بہت خوش ہوئے اور منڈیر پر حضور کی دائیں طرف آکر بیٹھ گئے۔

---

۵ ترمذی، ۵۲۷

پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح حاضر ہوئے اور جنت کی بشارت پاکر اسی منڈیر پر دوسری طرف بیٹھ گئے۔

پھر جناب عثمان آئے، آپ نے فرمایا، اے ابوموسیٰ! عثمان کو بھی جنت کی خوشخبری سنادو، مگر ساتھ ہی یہ بتادو! دنیا میں ایک بڑے ابتلا سے گزرنا پڑے گا جناب عثمان نے واللہ المستعان پڑھا، اور شانِ تسلیم و رضا کا اظہار کر کے منڈیر کی سامنے والی جانب بیٹھ گئے۔

نشست کے انداز کچھ ایسے تھے کہ سعید بن مسیب کہتے ہیں میں نے اندازہ لگالیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابوبکر و عمر کی قبور اکٹھی بنیں گی اور جناب عثمان کی قبر الگ ہوگی۔[6]

تعلقات کی اسی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر، حضور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت جناب علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ آپ کو حضور پاک اور صدیق کے پہلو میں جگہ ملے گی، کیونکہ آقا علیہ السلام کثرت سے اپنے ساتھ آپ دونوں کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔[7]

جناب عائشہ نے بھی اپنے حجرے میں جناب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تدفین کی اجازت دے دی، اس جذبۂ ایثار اور اجازت کے پس پردہ بھی اسی تعلق و محبت کی غیر معمولی نوعیت کا مشاہدہ کارفرما تھا۔

رائت عمر اهلا لقرب طينهما من طينته ـــــ فى الحديث مر رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جنازة عند قبر فقال: من هذا؟ فقيل فلان الحبشى، فقال: لا اله الا الله سيق من ارضه و سمائه الى تربته التى منها خلق[9]

جناب عائشہ نے حضرت عمر کو اس عزت کا زیادہ مستحق سمجھا، کیونکہ جناب صدیق و عمر رضی اللہ عنہ کے اجسام طیب جس پاکیزہ و نورانی مٹی سے بنائے گئے تھے وہ حضور منبع الانوار صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے بہت قریب تھی حدیث میں ہے ایک دفعہ

---

[5] ترمذی: ۵۲۷ [6] بخاری: ۵۱۹ [8] بخاری، ۵۱۹

آپ کسی کے جنازہ پر تشریف لے گئے، ایک قبر کے قریب سے گزرے، تو فرمایا! یہ کون ہے؟ جواب ملا "فلاں حبشی ہے"، اپنے مالک کے حسنِ انتظام و حسنِ تخلیق و حسنِ تدبیر پر بے ساختہ آپکے منہ سے نکل گیا، لا الٰہ الا اللہ! حبشی ہے، اپنے ملک کے آسمان و زمین سے نکل کر وہاں پہنچا جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی[9]

عظمت و جلال اور قرب و حضور کے یہی مناظر دیکھ کر، اور غیر مبہم اشارات و ہدایات کی بدولت تمام صحابہ کرام جناب صدیق و عمر کو بتدریج امت میں سب سے افضل مانتے تھے اور انکے دامن عصمت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے والے کو بے ایمان و ناقص سمجھتے تھے

جناب ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ا:- کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینھم[10]

ایک روائیت میں ہے۔

ب:- نخیر ابا بکر، ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان[11]

ابوداؤد کی روائیت میں ہے۔

ج:- کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی۔ افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر، ثم عثمان

طبرانی میں ہے۔

فیسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ینکر[12]

تینوں روایات کا مفہوم یہ ہے کہ

وہ ہم حضور پاک کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے سامنے کہا کرتے تھے

امت میں سب سے افضل صدیق ہیں پھر عمر بن خطاب ہیں، پھر عثمان ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر خاموش رہتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کسی نے پوچھا:

یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا! "تو نے اس کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ وہ بولا "کچھ بھی نہیں، البتہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسول پاک کے ساتھ بہت محبت

---

[9] عمدۃ القاری، ۸: ۲۲۲۔ [10] بخاری، ۵۲۳۔ [11] بخاری ۵۱۶۔ [12] بخاری، ۵۲۳

کرتا ہوں، آپ نے فرمایا! "تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے محبت کرتا ہے"

حضرت انس فرماتے ہیں، محبت کا یہ نتیجہ خیز اصول اور کرشمہ و اعجاز جان کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتے۔ فانا احب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر وارجوان اکون معھم بحبی ایاھم وان لم اعمل بمثل اعمالھم [۱۳]

[تو میں نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جناب ابوبکر و عمر کے ساتھ محبت کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اس محبت کی برکت سے ان کا ساتھ حاصل کر لوں گا، اگرچہ میں نے ان کی مثل اعمال نہیں کئے]

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ما اظن رجلا ینتقص ابابکر وعمر یحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۱۴]

[جو شخص شان صدیق و فاروق کی تنقیص کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں، وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت نہ ہونے کی وجہ ہی سے ایسا کرتا ہے۔]

محبت، رفاقت، قرب اور پیار کے اسی اعجاز اور عشق کی بے قراری و وارفتگی کی بدولت جناب صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کو فوز و فلاح، زندگی کے حقیقی مقصد کی کامیابی اور ابدی سعادت کی وہ انتہائی اور بلند ترین شان عطا ہوئی جس سے بڑھ کر کسی اعزاز، بزرگی، عظمت اور فضیلت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا! گنبد خضرا کے مکین محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک اور قدموں میں جگہ حاصل کر لی اور ریاض جنت میں پہنچ گئے، ایک امتی کیلئے اس سے بڑی سعادت خوش نصیبی، عزت اور سرفرازی کا تصور بھی محال ہے۔

۱۳ے بخاری : ۵۳۱ ۱۴ے ترمذی : ۵۲۹

مجاورت و تعمیر کے متولیین و قائدین

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں دنیا کے اولوالعزم اور کجکلاہ بادشاہوں کے نام بھی آتے ہیں، جو اس بارگاہ کی حاضری کو سعادت، خدمت کو دولت دارین اور غلامی کو فخر سمجھتے رہے ہیں، جنکی جبینیں یہاں آکر جھکتی تھیں اور آنکھیں عقیدت و محبت کے آنسو بصد ادب و نیاز پیش کرتی تھیں۔

ایسے نیاز مند اور فیروز بخت شاہان وقت سے یہ کب توقع رکھی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے عظیم و محسن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی تولیت و تعمیر اور شایان شان خدمت و حفاظت کی طرف توجہ نہ دیتے، چنانچہ توقع و امید کے مطابق ایسا ہی ہوا جن امراء، وزرا اور ملوک کو اس بارگاہِ قدس کے ساتھ دلی محبت و عقیدت تھی اور اسکے ساتھ وابستگی و نسبت اور ان کا امتی و غلام ہونے پر فخر و ناز تھا انہوں نے ہر دور میں اپنی اپنی بساط و طاقت اور ہمت کے مطابق تعمیر و تزئین میں حصہ لیا اور اپنی محبت و نسبت کا ثبوت دیا۔ اس بارگاہ کی عظمت و شان، شوکت و مرتبہ اور رفعتِ مقام کے اعتبار سے مجاورت و تولیت، اہتمام و حفاظت اور تحلیہ و تعمیر کی "قابل فخر و لائق صد ناز" خدمت انجام دینے والوں میں اپنے اپنے وقت کے معزز ترین بلند مرتبہ اکابر اور ملوک و سلاطین کے نام آتے ہیں، مگر سب سے پہلے مجاورت و تولیت کی خدمت جس ہستی کو تفویض ہوئی اور عظیم محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار و ہمسائگی میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

وہ محبوب ترین اور خوش قسمت ترین ہستی وہ ہے جسے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب و منظورِ نظر ہونے کی عزت بھی حاصل تھی۔

ان کا اسم گرامی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا [۱۵]

آپ ہی کے حجرہ انور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ پاک بنایا گیا تھا، اس لئے قدرتی طور پر حسن اتفاق یا حسن قسمت و تقدیر سے ایک طرح کا سجادہ نشین ہونے کی حیثیت انہوں حاصل حاصل ہوگئی جو خدمات اور امور و فرائض سجادہ نشینوں کو تفویض ہوتے ہیں، وہ تقریباً آپ ہی بجالاتی تھیں، دلدادگان عشقِ نبوی، ہجران نصیب احبابِ رسولؐ، فرقت زدہ عشاق، علم کے طالب و دینی مسائل کے شائق، سب آپ ہی کے پاس حاضر ہوتے، اور آپ غیر محرموں کو پردے کے پیچھے سے اور محرموں کو سامنے بلا کر مسائل بتاتیں۔ ان کی علمی تشنگی بجھاتیں، [۱۶] اور محبوب کی باتیں سنا سنا کر خود بھی روتیں اور ان کو بھی رلاتیں۔ ایک دفعہ قاسم بن محمدؒ آپکے بھتیجے حاضر ہوئے اور بے قرار دل کی تسکین کیلئے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک دکھانے کی درخواست کی۔

حاشیہ

[۱۵] آپکی محبوبیت کی ایک نادر و حسین مثال یہ ہے کہ :-

ایک روز چرخہ کات رہی تھیں، پاس ہی محبوب مکرم نعلین پاک سی رہے تھے آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرات نمودار ہوئے، سرخ اور گوری درخشاں کشادہ پیشانی مبارک پر یہ شبنمی قطرات کچھ ایسے سجے کہ سیدہ عائشہ چرخہ کاتنا بھولنا گئیں اور اس دلنواز منظر میں کھو گئیں، یوں محسوس ہو رہا تھا کہ نور چھن چھن کر در و دیوار ہی کو نہیں بلکہ قلب و روح کو منور کر رہا ہے۔ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حالت میں ایسے حسین لگ رہے تھے کہ کیفیت بیان سے باہر ہے۔

سیدہ عائشہ حسن و نور کے اس امتزاج سے مسحور ہو کر دیدِ حبیب ہی میں مستغرق ہوگئی تھیں، آخر اس تاثر اور محبت نے بیان کا روپ دھار لیا، نہایت وارفتہ انداز میں گویا ہوئیں، رو یا رسولؐ! اس وقت حضور اتنے پیارے لگ رہے ہیں، اگر ابو کبیر ہذلی

يا اماه: اكشفي لي قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فكشفت لي عن ثلاثة قبور لا مشرفة ولا لاطئة مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مقدما و ابابكر راسه بين كتفي النبي صلى الله عليه وسلم وعمر راسه عند رجلي النبي صلى الله عليه وسلم [17]

[امی جان! دروازہ کھول کر قبر مبارک دکھایئے! فرماتے ہیں، سیدہ نے دروازہ کھول دیا، اور تین قبریں دکھائیں، نہ پست تھیں نہ بہت زیادہ بلند، سرخ روڑ جو اس سرزمین میں ہوتے ہیں پڑے ہوئے تھے۔ سب سے مقدم حضور علیہ السلام کی قبر مبارک تھی، آپکے کاندھوں کے پاس صدیقِ اکبر کی اور پاؤں میں جناب عمر فاروقِ اعظم کی قبریں تھیں۔]

بقیہ حاشیہ

مشہور شاعر زندہ ہوتا تو یہ اشعار آپ کے سوا کسی کی شان میں نہ کہتا۔

ومبرء من كل غبر حيضة

وفساد مرضعة وداء مغيل

واذا نظرت الى اسرة وجهه

برقت كبرق العارض المتهلل

میرا ممدوح حیض ونفاس اور ولادت و رضاعت کی ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے، جب تو اس کے چہرے کی منور سلوٹوں کو دیکھے تو تجھے محسوس ہو، گویا "عارض تاباں،، ہے جو دھک رہا ہے۔

حضور علیہ السلام نے نعلین پاک سینا ترک فرمادیا، رفیقۂ حیات کے حسن ذوق اور رنگاؤ سے اتنا متاثر ہوئے کہ اٹھ کر انکے پاس تشریف لے گئے اور محبت سے ان کا سر مبارک تھام کر فرمایا۔

اتنا تم بھی مسرور نہیں ہوئی ہوگی جس قدر یہ شعر سن کر ہم تم سے ہوئے ہیں

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

---

[16] البدایہ والنہایہ، ۸: ۹۲ - [17] عمدۃ القاری، ۸: ۲۲۵

چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر وقت اپنے حجرۂ پاک میں رہنا ہوتا تھا اس لئے ضرورت کے تحت اور تقاضائے ادب کے مطابق جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس حجرہ پاک کے دو حصے کر دیئے تھے، تاکہ ایک حصے میں سیدہ عائشہ رہائش رکھیں، اور دوسرے حصے میں قبور مبارکہ ہوں،

ابن سعد کی ایک روائت ہے۔

عمرو بن دینار اور عبید اللہ بن ابی یزید کہتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ

علمی فیض

جناب عروہ کہتے ہیں۔ ما رایت احدا اعلم بفقہ ولا طب ولا شعر من عائشۃ ولم تروِ امرءۃ ولا رجل غیر ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاحادیث بقدر روایتھا۔

میں نے فقہ اور طب و شعر میں عائشہ سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا، اور نہ ابوہریرہ کے سوا کسی نے اتنی احادیث روائت فرمائی ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں ما اشکل علینا اصحاب محمد حدیث قط فسألنا عائشۃ الا وجد نا عندھا منہ علما [ترمذی]

جب بھی ہمیں کوئی علمی مشکل پیش آئی تو آپکے دربار میں حاضری دیتے آپ اسکے بارے میں تسلی بخش معلومات فراہم کر دیتیں۔

حضرت مسروق کہتے ہیں۔

"میں نے اکابر کو آپ سے فرائض کے مسائل پوچھتے دیکھا ہے۔"

"حفصہ بنت سیرین، عمرہ بنت عبد الرحمان اور عائشہ بنت طلحہ جیسی نامور خواتین آپکی تلمیذات تھیں"

"کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو آپکے سوا صحابہ کرام میں سے کسی نے بیان نہیں فرمائے" حضرت مسروق رضی اللہ عنہ اس انداز خاص اور ادب و عقیدت کے ساتھ نام لیکر آپ سے حدیث روائت فرمایا کرتے تھے

---

۱۸ ے وفاء الوفا، ۳۸۵

لم یکن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حائطا وکان اوّل من بنی علیہ جدارا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ [18]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد حیات طیبہ ظاہرہ، میں کاشانۂ نبوی کے گرد کوئی چہار دیواری نہیں تھی، سب سے پہلے یہ فاروق اعظم نے بنوائی۔

بقیہ حاشیہ

حدثتنی الصدیقۃ بنت الصدیق حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المبرّأۃ من فوق سبع سماوات

مجھے یہ حدیث صدیقہ، دختر صدیق، حضور علیہ السلام کی منظور نظر رفیقۂ حیات نے بیان فرمائی ہے جس کی عفت وطہارت اور عصمت و پاکدامنی کی گواہی آسمانوں سے نازل ہوئی۔

وقد اجمع العلماء علی تکفیر من قذفھا بعد براء تھا۔

"علماء کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ اب بھی اگر کوئی آپکے دامن عصمت پر کیچڑ اچھالے تو وہ کافر ہو جاتا ہے"۔ کیونکہ قرآنی آیات کی تکذیب لازم آتی ہے، جو آپکی پارسائی وطہارت کی شہادت میں نازل ہوئی ہیں۔

ہجرت سے دو سال پہلے آپکی شادی ہوئی تھی مدینہ طیبہ پہنچ کر رخصتی عمل میں آئی، اس وقت آپ کی عمر صرف نو سال کے لگ بھگ تھی۔ جب حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپکی عمر شریف صرف اٹھارہ سال تھی سترہ رمضان المبارک بروز منگل ۵۶ھ میں آپ کا وصال ہوا، جناب ابو ہریرہ نے نماز پڑھائی، اور بقیع شریف میں آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔

قبر میں اتارنے والے یہ لوگ تھے۔

آپکے دو بھانجے جناب عبداللہ اور عروہ بن زبیر۔

دو بھتیجے قاسم اور عبداللہ بن محمد اور عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابوبکر

اس وقت آپکی عمر تقریباً سٹرسٹھ سال تھی

بخاری، ۱، ۷۷: البدایہ والنہایہ، ۸: ۹۴

حضرت انس فرماتے ہیں۔

قسم بیت عائشہ باثنتین، قسم کان فیہ القبر، و قسم کان تکون فیہ عائشۃ بینہما حائط [19]

جناب عائشہ کے حجرۂ پاک کے دو حصے کر دیے گئے تھے، ایک حصے میں قبر منور تھی، اور ایک حصے میں جناب عائشہ تھیں، اور بیچ میں دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔

جب تک اس حصہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبریں رہیں، حضرت عائشہ، بے جھجک اور پردے کا اہتمام کئے بغیر آتی جاتی رہیں، لیکن جب ان کی اجازت سے یہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر شریف بھی بن گئی تو آپ نے اس طرح آنا جانا ترک کر دیا، باقاعدہ پردے کے ساتھ تشریف لاتیں

فکانت عائشۃ ربما دخلت حیث القبر فضلا، فلما دفن عمر لم تدخلہ الا وھی جامعۃ ثیابھا [20]

حجرہ انور کے گرد و پیش جو دیوار جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بنوائی، وہ زیادہ اونچی نہ تھی، لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے اس دیوار کو اونچا اور ہر طرف سے بلند کر دینے کی ضرورت کا احساس دلایا۔

ہوا یہ کہ جناب امام حسن رضی اللہ عنہ نے آخری لمحات میں یہ وصیت فرمائی کہ آپ کا جنازہ مبارک پہلے روضہ اقدس پر حاضری کیلئے لے جایا جائے، بعد میں بقیع غرقد میں دفن کیا جائے۔

آپکی وصیت کے مطابق جب آپکے برادر مکرم جناب امام حسین پاک رضی اللہ عنہ نے روضۂ اطہر کی طرف جنازہ لے جانے کا حکم دیا تو غلط فہمی کی بنا پر بعض لوگوں کے دلوں میں خاندانی تعصب کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی، وہ یہ سمجھے کہ شاید جناب امام حسن کو روضۂ اقدس میں دفن کرنے کا ارادہ ہے، وہ راستہ روک کر کھڑے ہو گئے کہ ہمارے اتنے اکابر فوت ہوئے مگر انہیں روضۂ اقدس میں دفن نہیں کیا گیا، اسلیئے جناب امام حسن کو بھی یہاں دفن نہیں ہونے دیا جائے

[19] وفاء الوفا، ۳۸۵ [20] حسنین ہیکل۔ حیاۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ۹۶ م

انکی غلط فہمی دور کر دی گئی کہ دفن کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف حاضری کی برکت حاصل کرنا مقصود ہے۔

لیکن اس واقعہ سے دور اندیش دماغوں نے بھانپ لیا کہ اگر روضۂ اقدس کو مکمل طور پر بند نہ کیا گیا تو کسی وقت بھی فتنہ و فساد کی خوفناک آگ بھڑک سکتی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے عہدِ حکومت میں پہلے تو دیوار بلند کی۔

کان جدارہ قصیرا ثم بناہ عبداللہ بن الزبیر
فلما کان عبد الملک او غیرہ، سدوا وستروا [۲۱]

دیوار چھوٹی تھی، جناب ابن الزبیر نے از سرِ نو بنوائی، عبدالملک بن مرواں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں یا کسی اور نے وہ بند کرا دی، اور اسے چھپا دیا۔
اغلب یہی ہے کہ جناب ابن الزبیر ہی نے یہ فریضہ انجام دیا۔ *

---

* حاشیہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

آپ ہجرت کے دوسرے سال آٹھویں مہینے میں پیدا ہوئے، حضرت عائشہ کے بھانجے اور حضور علیہ السلام کی پھوپھی جان حضرت صفیہ کے پوتے تھے۔ نسبی لحاظ سے آپ کا پایہ بڑا بلند ہے، اہل مدینہ کو آپکی ولادت پر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ یہود نے کہا تھا، مہاجرین پر انہوں نے جادو کر دیا ہے۔ اب انکے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوگی، حضرت عبداللہ کی ولادت نے ان کا پول کھول دیا۔ اسی خاطر آپکے نانا جان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارے مدینے میں آپکو پھرایا اور حضور پاک علیہ السلام نے اپنے منہ میں کھجور چبا کر آپکو گھٹی دی، اس طرح سب سے پہلے جو چیز آپکے پیٹ مبارک میں گئی وہ نبی اکرم کا تھوک مبارک تھا۔
اس پاکیزہ گھٹی صحت مند ماحول اور روحانی تربیت کے آثار، ساری زندگی آپ کی ذات سے نمایاں رہے، بڑے ہی عبادت گزار، ریاضت پسند، راست باز حق پرست اور بہادر و جانباز تھے، یہ تمام صفات اور دلنواز خوبیاں بڑے ہی

(بقیہ حاشیہ آگے)

[۲۱] وفاء الوفا ۳۸۸

بقیہ حاشیہ

حسین پیرائے ہیں اور تمام تر لطافتوں کے ساتھ آپکی ذات میں موجود تھیں۔

عبادت کا یہ عالم تھا کہ نماز میں ساری دنیا سے بے خبر ہو جاتے، ایک دفعہ بیٹے کو سانپ لپٹ گیا گھر والوں نے کوشش کر کے اسے مارا اس دوران بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا، مگر آپ نماز میں مشغول تھے، اس لئے ساری کارروائی سے بے خبر رہے دستور یہ تھا کہ ایک رات قیام میں دوسری رات رکوع میں اور تیسری رات سجدے میں گزارتے تھے، ہمیشہ روزہ سے رہتے اور آٹھویں دن کچھ تناول فرماتے، رمضان مبارک میں اس خوراک میں بھی کمی آجاتی تھی، چنانچہ صرف ایک مرتبہ درمیان میں کچھ کھا لیتے۔

اسکے باوجود توانائی اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ چہرے پر ترو تازگی کی وجہ سے نظر نہ ٹھہرتی تھی ایک مرتبہ عمرہ کر کے آ رہے تھے کہ موضع بناصب میں ساتھیوں نے ستانے کا مشورہ دیا ایک درخت کے نیچے کوئی بیٹھا ہوا تھا، آپ اس کے پاس گئے، سلام کیا مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی، آپکو یہ انداز برا لگا، جاکر ترش لہجے میں اس سے کہا، "یہاں سے اٹھو! وہ مجبوری کی حالت میں اٹھا، آپ کو محسوس ہوا یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے، اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تم کون ہو؟ وہ بولا: ایک جن ہوں! آپ نے فرمایا جن ہو کر اس طرح پھر رہے ہو۔ اسے پکڑنا چاہا مگر وہ بھاگ گیا۔ ساتھی قریب آئے تو اسے نہ پاکر پوچھا وہ آدمی کہاں گیا؟

آپ نے بتایا" وہ جن تھا"، دہشت سے بے ہوش ہو گئے۔

اسی طرح ایک روز طواف میں مشغول تھے کہ کچھ عجیب سی عورتیں کعبہ کا طواف کرتی نظر آئیں۔ آپ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی، وہ فارغ ہو کر ایک طرف چلدیں، آپ بھی پیچھے ہو لئے وہ گھاٹی پر چڑھ کر ایک درہ میں گھس گئیں آپ نے تعاقب جاری رکھا اور یقین کر لیا کہ یہ انسان نہیں ہیں، پھر بھی دل گردے کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ ایک جگہ پہنچے تو کچھ بوڑھے نظر آئے، وہ بولے! (بقیہ حاشیہ آگے)

بقیہ حاشیہ

ابنِ زبیر! کیا چاہتے ہو؟

آپ نے بے جھجک فرمایا: کچھ کھجوریں کھلاؤ!

حالانکہ موسم نہیں تھا، مگر انہوں نے فوراً مہیا کر دیں، اور گھر لے جانے کیلئے تھیلی میں باندھ دیں...... آپ وہ تھیلی لے کر گھر آگئے اور صندوق میں رکھ کر لیٹ گئے محسوس ہوا کمرے میں کچھ سائے رینگ رہے ہیں، کسی نے کہا!

"تھیلی صندوق میں رکھی تھی"، نکال لو!

آپ نے اٹھ کر دیکھا تو تھیلی غائب تھی، آپ کو افسوس ہوا کہ اٹھ کر انہیں کیوں نہ پکڑ لیا۔ آپکی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ کعبہ مکرمہ کی از سرِ نو تعمیر کرائی، اسے ریشمی غلاف چڑھایا، حالانکہ پہلے ٹاٹ وغیرہ کا غلاف ہی چڑھایا جاتا تھا، کعبہ مکرمہ کے ساتھ آپکو کچھ غیر معمولی محبت تھی اسے خوشبو میں اس طرح بسایا کہ دور دراز مقامات تک خوشبو کی لپٹیں جاتی تھیں...... طواف کرنے کے بھی آپ بہت شوقین تھے، ایک مرتبہ سیلاب آگیا تو آپ نے تیر کر طواف کیا۔ عبادت میں محنت و مشقت برداشت کر کے بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

یزید نے تختِ خلافت پر قبضہ کیا تو اہل مدینہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اس نے لشکر بھیجا جس نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا...... انہی ایام میں یزید مر گیا، تو اہل مدینہ نے ۶۳ھ میں آپکی بیعت کر لی۔ صرف مصر و شام اطاعت سے منحرف رہے مگر ۶۵ھ میں مردان کے فوت ہونے کے بعد مصر و شام نے بھی بیعت کر لی، اس طرح جناب ابن زبیر سارے عالم اسلام کے خلیفہ بن گئے۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد مصر و شام میں عبدالملک نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور ۷۲ھ میں حجاج کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر مکہ مکرمہ بھیجا، جس نے آکر سارے مکہ کو گھیرے میں لے لیا۔ ذی الحجہ ۷۲ھ کو یہ محاصرہ شروع ہوا، جو پانچ مہینے دس دن جاری رہا، حجاج نے اس عرصہ میں سفاکی، حرم شریف کی بے حرمتی، ظلم و زیادتی اور تعصب و عناد کی انتہا کر دی جناب

(بقیہ حاشیہ اگلے)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابن زبیر اور کعبہ معظمہ کی حرمت و شرافت بالائے طاق رکھ کر سنگ باری کی، پتھر حرم شریف میں آ گر گرتے رہے۔ مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔

محاصرہ سے تنگ آکر لوگوں نے حجاج کے پاس جانا شروع کر دیا۔ جب آپ نے یہ صورت دیکھی تو اپنی والدہ صاحبہ حضرت اسماء کے پاس گئے، اور بتایا، لوگ ساتھ چھوڑ رہے ہیں، کیا کروں؟ ماں نے جواب دیا، اگر خود کو حق پرست سمجھ کر حق کیلئے حجاج سے لڑتے رہے ہو تو اسی حق کی خاطر جان پر کھیل جاؤ، باطل کی اطاعت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اور اگر دنیا کی خاطر لڑتے رہے ہو تو مجھے افسوس ہے تو نے کتنی جانیں ضائع کیں۔

ماں کے منہ سے یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے، اٹھ کر ماں کے سر کو بوسہ دیا اور کہا میرا بھی یہی ارادہ تھا، خدا کی رضا کیلئے آج تک باطل کے مقابلے میں ڈٹا رہا ہوں اور اب اسی کی خاطر جان دوں گا۔

آپ نے سترہ جمادی الاوّل ۷۳ھ کو فجر کی نماز بڑے اطمینان سے ادا کی منجنیق کے پتھر پاس آ کر گرتے رہے، مگر آپ کے انہماک اور خشوع میں کوئی فرق نہ آیا۔ سورہ ن ترتیل کے ساتھ پڑھی اور جو چند جاں نثار رہ گئے تھے ان کے ساتھ مل کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس جوانمردی سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے آخر ایک پتھر کنپٹی پر آ کر لگا، سر پھٹ گیا، خون بہہ جانے کے باعث آپ گر گئے، اور بہت سے لوگوں نے ہجوم کر کے آپ کا سر قلم کر دیا۔ پھر حجاج نے نعش مبارک سولی پہ لٹکا دی۔

کئی روز بعد حضرت اسماء نے جسم مبارک حاصل کر کے جنازہ پڑھایا، پھر مدینہ طیبہ لے جا کر دفن کیا۔ قبر سے خوشبو کے فوارے ابلتے رہے

اموی خلفاء

ولید بن عبد الملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے دورِ اقتدار میں مدینہ طیبہ کی عاملیت امت کے اس صالح فرزند کو نصیب ہوئی، جسے خلافت راشدہ کا مظہر اور الباقیات الصالحات تصور کیا جاتا ہے، اور تاریخ میں جس کا نام عمر بن عبد العزیز یا عمر ثانی ہے؏ ایسے صاحب دل، روشن بصر، زینتِ تقوی وطہارت، مجسمہ دیانت وامانت، پیکرِ عشق ومحبت اور صاحب بصیرت انسان نے اپنے دور میں جس ذوق ومستی اور خدمت وعقیدت کا ثبوت دیا ہوگا، وہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

حاشیہ ؏ ✲✲✲ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ

۶۱ھ میں جس سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں شہید ہوئے آپکی ولادت ہوئی۔ شاہانہ ماحول میں تربیت پائی، شہزادگی کے تمام لوازم آپ میں موجود تھے، طبیعت اتنی حسین ونفیس اور لطیف ونازک پائی تھی کہ حقیقتاً کسی شاعر کا خواب تھے، خرام ناز میں اس بلا کی دلکشی تھی کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے۔ اس رعنائی وزیبائی کے ساتھ گیسوئے عنبریں کی آرائش وزیبائش کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ اسی اہتمام میں باجماعت نماز رہ گئی تو آپ کے اتالیق نے انکے والد صاحب سے شکائت کی، انہوں نے سزا کے طور پر بال کٹوا دیئے۔

خلافت کا بار کاندھوں پر آتے ہی شہزادگی کے یہ سارے لوازمات یکدم کافور ہو گئے، وہی عمر جو اپنے بانکپن، زیب وزینت اور ٹھاٹ باٹھ کیلئے مشہور تھے، یکدم اتنے سادہ، ذمہ دار، محتاط جیجم، وژرف نگاہ اور مآل اندیش بن گئے کہ عقلیں دنگ رہ گئیں۔

جب خلیفہ سلیمان کا جنازہ پڑھکر گھر میں داخل ہوئے تو زار وقطار رونا شروع کر دیا، اہلیہ محترمہ نے پوچھا! کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے؟ آپ نے جواب دیا

بقیہ حاشیہ آگے

امام بخاری نے جناب عروہ سے ابن سعد نے نوفل بن سعید بن مغیرہ ہاشمی سے اور علامہ سمہودی نے محمّد بن عقیل سے یہ روائت کی ہے۔

محمّد بن عقیل کہتے ہیں۔

شب کے آخری حصے میں روضہ اقدس کی حاضری دینا، اور تہجد پڑھنا میرا روز کا معمول تھا، ایک رات میں عادت کے مطابق گھر سے روانہ ہوا، فضا خنک اور بھیگی ہوئی تھی، جب میں دارِ مغیرہ بن شعبہ کے پاس پہنچا تو ایسی عجیب و نفیس اور حیرت انگیز مہک نے استقبال کیا جسکی تشبیہ و بیان سے قاصر ہوں، یوں محسوس ہوا کہ کروڑوں رشکِ جناں گلستانوں کے عنبر فشاں اور نکہت بیز جشن بہاراں میں آگیا ہوں، جہاں خوشبوؤں کی لپٹوں کا مقابلہ جاری ہے۔ صورت حالات نے ششدر کر دیا، پھر جوں جوں روضہ اقدس کے قریب پہنچتا گیا اس دلکش خوشبو اور طبیعت کی بے خودی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب روضہ اقدس کے قریب پہنچا تو میرے ہوش اڑ گئے، بارش کی وجہ سے روضۂ اقدس کی دیوار گری ہوئی تھی، اور قبور مبارک نظر آ رہی تھیں۔

فدخلت فسلمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومکثت فیہ ملیا [۲۲]

(سب سے پہلے تو میں نے داخل ہو کر سلام عرض کیا، اور کچھ دیر ٹھہرا)

اتنے میں محسوس ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ بوئے یار نے محبوب کو کھینچ لیا تھا جناب

بقیہ حاشیہ

اس سے بڑا حادثہ اور کیا پیش آئے گا کہ میرے نازک و ناتواں کاندھوں پر امت کی نگرانی وحفاظت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ چھوٹے بڑے سب میری رعایا بن گئے ہیں، اور انکے حقوق میرے ذمہ لازم ہو گئے ہیں، اب کوئی شخص ایسا نہیں جسکے بارے میں مجھ سے باز پرس نہ کی جا سکتی ہو!

پھر آپ نے تمام کنیزیں جمع کیں اور فرمایا تم میں سے جو آزادی کی طالب ہو وہ آزاد ہے، اور جو رکنا چاہے اسے اختیار ہے، البتہ میں کسی سے سروکار نہیں

۲۲ وفاء الوفاء ۳۸۷

(بقیہ حاشیہ آگے)

عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ آتے دکھائی دیئے، جب آپ نے قبور مبارک کو ننگا دیکھا تو خوف و اضطراب، بے چینی اور تشویش سے اتنا روئے کہ

فما رئی باکیا اکثر من یومئذ ۲۳ ؎

کبھی بھی اس طرح زار و قطار روتے نہیں دیکھے گئے تھے، وہیں اپنے محبوب کے پہلو میں بیٹھ گئے اور صبح کا انتظار کرنے لگے، اسی حالت میں رات گزار دی، صبح مدینہ کے مشہور اور سعادت مند معمار جناب وردان کو بلایا۔ حضرت عائشہ کا حجرہ شریف انہوں ہی نے بنایا تھا، انہیں موقعہ دکھایا، وہ بھی آبدیدہ ہو گئے، اور آلات لے کر آ گئے، جب وردان ایک طرف سے مٹی ٹھیک کر رہے تھے تو اچانک ایک "قدم مبارک" پنڈلی تک صاف نمایاں ہو گیا، جناب عمر نے یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر کھڑے ہو گئے آپ کو خیال ہوا کہ شاید یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں مبارک ہے، جو ظاہر ہو گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ

نہیں رکھوں گا، مجھے اپنے حقوق معاف کرنا ہوں گے۔

تمام کنیزوں نے رونا شروع کر دیا۔ اور گھر بھر میں کہرام مچ گیا۔

حضرت حماد آئے تو جناب عمر نے احساس ذمہ داری کے خوف سے ان کے آگے بھی رونا شروع کر دیا حماد بولے! یا امیر المومنین! کیا آپ دولت سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! "نہیں

حماد نے کہا! پھر آپ پریشان و مضطرب نہ ہوں، ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے گا، اور پردۂ غیب سے مدد فرمائے گا۔

خلیفہ کی حفاظت و نگرانی کیلئے چھ سو افراد ہوتے تھے، جو خلیفہ کی شان کا اظہار کرنے کیلئے ہٹو بچو کی صدائیں لگاتے، دائیں بائیں، آگے پیچھے تلواریں سونت کر چلتے اور حفاظت کے فرائض انجام دیتے تھے جب معمول کے مطابق، یہ باڈی گارڈ اپنے مخصوص لباس میں شاہانہ طمطراق کے ساتھ جناب عمر کے سامنے آئے اور

۲۳ ؎ عمدۃ القاری، ۸ : ۲۲۷

حضرت عروہ نے بتایا! لا و اللہ ماھی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماھی الا قدم عمر [۲۴]

(اللہ کی قسم! یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک نہیں، بلکہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے) یہ سن کر جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی جان میں جان آئی،

وامر ابا حفصة مولی عائشة رضی اللہ عنہا وناسا معه فبنوا الجدار [۲۵]

(اور پھر آپ نے حضرت عائشہ کے غلام ابوحفصہ کو حکم دیا، انہوں نے دوسروں کے ساتھ مل کر دیوار بنائی" اب اندر جاکر صفائی کرنے کا مرحلہ باقی رہ گیا، اس سعادت کے حصول کیلئے جناب عمر ثانی خود تیار ہوگئے، رجاء بن حیوہ موجود تھے، بولے۔

انک ان قمت قام الناس معک فلو امرت رجلا ان یصلحها رجوت انه یامرنی بذاک [۲۶]

بقیہ حاشیہ۔

اپنی خدمات کا مظاہرہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، میں مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں مجھے جھوٹی نمائش کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی حفاظت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں مجھے کسی سے خطرہ نہیں، اپنی تقدیر پر شاکر ہوں، تم جاؤ!

جب گھوڑوں کی فوج ظفر موج کا ذکر کیا گیا جس کا بار بیت المال پر تھا تو فرمایا تمام گھوڑے بازار میں لے جاکر فروخت کردو، اور رقم سرکاری خزانے میں داخل کردو آپکی اہلیہ فاطمہ خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں، جنکی نزاکت طبع اور شاہانہ مزاج کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کی بہن، خلیفہ ہی کی بیٹی، خلیفہ ہی کی بیوی تھیں جنکی اس شان کو ایک شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

بنت الخلیفة والخلیفة جدها

اخت الخلیفة والخلیفة زوجها [البدایة ۹: ۱۹۳]

یہی فاطمہ جب اپنے شوہر کے نصب العین، اور مطمح نظر کی صداقت سے آگاہ ہوئیں

---

۲۴ بخاری، ۱۸۶۔ ۲۵ وفاء الوفاء ۳۸۷ ۲۶ عمدۃ القاری ۸: ۲۲۷

(بقیہ حاشیہ آگے)

جناب! اگر آپ اندر تشریف لے گئے تو ساری مخلوق بے قرار ہو کر ٹوٹ پڑے گی، اس لئے کسی اور کو حکم دیں جو یہ خدمت انجام دے، (در پردہ یہ خود اس سعادت سے بہرہ اندوز ہونا چاہیے تھے)

جناب عمر ثانی نے فرمایا: لا نوذیھم بکثرتنا الیوم [27]

(ہم ہجوم کر کے روضۂ اقدس کے مکینوں کو اذیت و تکلیف نہیں دیں گے)

آپ نے اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ وہ یہ سعادت حاصل کرے، جب وہ صفائی کرنے میں لگ گیا تو جناب عمر کی محبت حرفِ تمنا بن کر ہونٹوں پہ آ گئی۔

لان اکون ولیت ما ولی مزاحم من قم القبور احب الیّ من ان یکون لی من الدنیا کذا و کذا [28]

قبور مبارکہ کو صاف کرنے کی جو خدمت مزاحم انجام دے رہا ہے۔ اگر یہ میرے حصے میں آتی تو ساری دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی۔

بقیہ حاشیہ

اور جان لیا جس راہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے وہی برحق ہے، تو زندگی کے ہر موڑ پر ساتھ دینے اور ایثار کرنے کیلئے تیار ہو گئیں۔

جناب عمر نے فرمایا! باپ سے جو بیش قیمت جواہرات، جڑاؤ زیور، اور دنانیر ملے ہیں، وہ مجھے دو تاکہ میں انہیں بیت المال میں داخل کر دوں، میں تم اور دنیا کے یہ زخارف اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جناب فاطمہ نے برضا و رغبت تمام زیورات اور جواہرات نکال کر دے دیئے۔

اور کہا: میں ایسے زیورات آپ کے جوتے کی نوک پر قربان کرتی ہوں۔

جب آپ کا وصال ہوا تو بعد میں بننے والے خلیفہ نے حضرت فاطمہ کو پیش کش کی! اگر فرمائیں تو وہ زیورات واپس کر دوں، جو حضرت عمر نے لے کر بیت المال میں جمع کرا دیئے تھے؟ مگر ایثار پسند، وفا شعار، زاہد طبع اور بے نیاز خاتون نے فرمایا۔

---

[27] وفاء الوفا، ۳۸۷ - [28] وفاء الوفا، ۱، ۳۸۷ باقی حاشیہ آگے

" ان کی زندگی میں جس چیز کو ٹھکرا دیا، اب انکے وصال کے بعد اسے گھر میں لانا گوارا نہیں کر سکتی "

حضرت فاطمہ نے جناب عمر کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوتے فرمایا۔

گھر میں آتے تو سجدے میں گر کر رونا شروع کر دیتے اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی، جب ہوش آتا پھر طبیعت بے قرار ہو جاتی رونا شروع کر دیتے، اسی عالم گریہ و نیاز اور سجدہ و انابت میں ساری رات گذر جاتی۔

جب موت کو یاد کرتے تو جسم پھڑکنے لگ جاتا۔

ایک دفعہ کسی اموی شہزادے نے شکایت کی، آپنے ہم سے تمام جاگیریں چھین کر، بیت المال میں جمع کر دی ہیں، آپ نے فرمایا: تمہارا ان تمام اموال میں عام مسلمانوں کے مساوی حق ہے، اگر حق پرست اور قناعت پسند بننا چاہتے ہو تو کثرت کے ساتھ موت کی یاد کیا کرو، اگر عیاش ہوئے تو عیاشی سے باز آجاؤ گے، اور اگر تنگدست ہوئے تو صابر و قانع ہو جاؤ گے۔

ایک ایسے شخص نے ایک دفعہ آپکے صاجزادے کو پٹی پڑھائی کہ اندر جاکر کہو: پہلے خلفا، تو ہمیں بہت نوازتے تھے، مگر آپ نے تو جو کچھ تھا وہ بھی لے لیا۔ آپ نے صاجزادے سے کہا، جاکر جواب دو! اباجان کہتے ہیں۔

انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم

" اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتا، کیونکہ قیامت کے عذاب سے ڈر لگتا ہے "

آپ نہائت رحمدل تھے۔ اور کسی کو قتل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ سے پیشتر و خلیفہ سلیمان، باغی خارجیوں کو مروا دیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ کسی خارجی نے سلیمان کو منہ پر گالیاں دیں، اس نے حکم دیا، عمر کو بلاؤ جب آپ آئے تو اس نے خارجی سے پھر کلام کیا، اس نے پہلے کی طرح پھر اسے بے نقط سنا ڈالیں۔ سلیمان جناب عمر کو یہی دکھانا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کسی رعائت کے مستحق نہیں ہیں۔

بولا! اب آپ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں ؟

جناب عمر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا! جس طرح اس نے تمہیں گالیاں دی ہیں، تم بھی اسے گالیاں دے لو!

سلیمان نہ مانا اور پولیس انسپکٹر خالد کو حکم دیا اسے قتل کردو۔

جب خالد کی ملاقات جناب عمر سے دوبارہ ہوئی تو اس نے تعجب سے کہا!

" جب امیر المومنین اس خارجی کو قتل کرنا چاہتے تھے، تو آپ نے صرف گالیاں دینے کا مشورہ کیسے دے دیا؟ مجھے تو خدشہ پیدا ہو گیا تھا، کہیں وہ غصّہ میں آکر آپ کو قتل کرنے کا حکم نہ دے دیں "

آپ نے پوچھا! اگر وہ یہ حکم دے دیتا، تو تم کیا کرتے ؟

خالد نے جواب دیا: "میں بے دریغ آپ کو قتل کر دیتا "

اس جواب سے جناب عمر کو خالد کی ظالمانہ ذہنیت معلوم ہو گئی۔

جب آپ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے خالد کو بلا کر معزول کیا، اور یہ عہدہ، عمر دبن مہاجر انصاری کو دیا جو بڑے ایمان دار، فرض شناس، شرع پاک کے پابند اور نیک طینت تھے۔

جناب عمر نے باغ فدک کی تحقیقات کا بھی حکم دیا۔

معلوم ہوا حضور علیہ السلام اُسکی آمدن، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ فرماتے تھے، بنو ہاشم کے بچوں کی تربیت کیلئے اسی سے وظائف دیئے جاتے، بیوہ عورتوں کی شادی کا انتظام کیا جاتا، جناب فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے یہ باغ لینا چاہا، مگر آپ نے انکار فرمایا۔

جناب صدیق و فاروق کے عہد خلافت میں اسکی آمدن ان ہی مدات پر خرچ ہوتی رہی جن پر آقا علیہ السلام خرچ فرماتے تھے۔ پھر بعد میں مروان نے اسے ذاتی جاگیر بنالیا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کے بعد حکم دیا: باغ فدک کی پہلی حیثیت بحال کر دی جائے، اور اسکی آمدن انہی کاموں پر صرف کی جائے، جن

پر عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں صرف ہوتی رہی۔

عدل و انصاف اور دیانت و امانت میں بالکل خلافتِ راشدہ کے نقش قدم پر تھے، دنیادی اور سیاسی مصلحتوں کی خاطر کتاب و سنت کے احکام نظر انداز نہ کرتے

موصل کے حکمران یحییٰ غسانی نے آپ کو لکھا۔

یہاں کے باشندے بڑے جرائم پیشہ اور فتنہ و فساد کے عادی ہیں، ڈاکہ زنی، سرقہ اور سلب و نہب کی وارداتیں کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو قیام امن کی خاطر صرف شک و شبہ کی بنا پر ہی ان لوگوں کو سزائیں دینا شروع کر دوں۔

آپ نے جواب دیا۔ کتاب و سنت کے احکام سے ہرگز تجاوز نہ کرو، شرعی ضابطوں سے جو جرم ثابت ہو جائے، اسے سزا دو، غیر کو نہیں! جو شرعی ضابطہ کار سے درست نہیں ہوتا۔ اسکی اصلاح کی ضرورت بھی نہیں۔''

اِن قوانین پر عمل کی برکت سے کچھ ہی عرصہ بعد موصل کا علاقہ سب سے زیادہ پرامن اور بابرکت ہو گیا۔

رجاء بن حیوہ کہتے ہیں، شب کو آپ کے ہاں تھا۔ چراغ مدہم ہو گیا، غلام سویا ہوا تھا، اسے جگانے کی بجائے خود اٹھے، چراغ درست کیا!

میں نے کہا: آپ غلام کو جگا لیتے؟

فرمایا! جب میں اٹھا تب بھی عمر تھا، اب واپس آیا ہوں تب بھی عمر ہوں۔

اس خلوص و ایثار کے ساتھ خلافت کے فرائض انجام دینے کی اتنی برکت ظاہر ہوئی کہ غرباء و نادار ختم ہو گئے لوگ زکات کیلئے مستحقین تلاش کرتے، سروں پہ دولت کی گٹھریاں اٹھا کر پھرتے، مگر کوئی لینے والا نہ ملتا۔

طبیعت میں اتنا اعتدال و انصاف تھا کہ تعصب کی بناء پر جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے ایک شخص کو آپ نے کوڑے لگوائے۔

قیس کہتے ہیں! قرآنِ پاک نے مومن آلِ فرعون کی جو حیثیت بیان کی ہے بنو امیہ میں جناب عمر کی وہی حیثیت تھی۔

میموں کا بیان ہے اللہ تعالیٰ پہلی امتوں کو انبیائے کرام کے ذریعہ ہدائت دیا کرتے تھے۔ اب چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس لئے جناب عمر کے ذریعہ ہدائت و نگرانی کا انتظام فرمایا ہے)

ابن فضالہ کہتے ہیں! جناب عمر کے صاحبزادے کو دیکھ کر ایک راہب دیوانہ وار لپٹ گیا اور بہت عزت کی، پھر بتایا! میں نے اس لئے تمہارا احترام کیا ہے، کہ تم ایک عظیم باپ کے بیٹے ہو، جس طرح حرمت والے مہینوں میں تین مہینے اکٹھے ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم! اور ایک مہینہ الگ ہے یعنی رجب!......

اسی طرح خلفاء راشدین میں تین ایسے خلفاء کٹھے ہیں جن کی خلافت کو سب نے تسلیم کیا یعنی جناب صدیق و فاروق و عثمان اور ایک خلیفہ الگ ہیں یعنی عمر بن عبد العزیز

یہ ارشادات آپکی حکمت و بصیرت اور علم و دانش کے شاہد ہیں:۔

(الف) صفائے باطن کی طرف توجہ دو، ظاہر بھی مجلا و آراستہ ہو جائے گا۔

(ب) مجادلہ و غضب اور حرص و ہوس سے بچنے والا محفوظ رہتا ہے۔

(ج) حسن طلب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو! اگر پہاڑ کی چوٹی پر اور زمین کی پہنیوں میں بھی تمہارا رزق ہو تو تمہیں مل جائے گا۔

(د) ایک شخص سے فرمایا: اپنے بیٹے کو فقہ اکبر سکھاؤ۔

اس نے پوچھا! فقہ اکبر کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا: قناعت اور اذیت رسانی سے اجتناب:

بنو امیہ کے عیاش شہزادے اس پیکر عظمت و جلال اور آفتاب ہدائت و دیانت کی اصلاحی کاروائیاں برداشت نہ کر سکے، چنانچہ غلام کے ذریعہ جناب عمر کو زہر دلوادیا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ مدینہ طیبہ تشریف لے جائیے تاکہ روضہ اقدس نبوی میں آپ کو بھی جگہ مل جائے۔ آپ نے فرمایا: اگر اس اعزاز کریم کے اہل ہونے کا کبھی میرے دل میں خیال بھی آیا ہو تو خدا مجھے عذاب دے۔

آخری وقت میں حاضرین سے کہا: نکل جاؤ:

مسلمہ اور فاطمہ دروازے پر بیٹھے رہے۔

جناب عمر کی زبان سے نکلا:

مرحبا بھذہ الوجوہ، لیست بوجوہ الانس ولا جان

میں ان حسین چہروں کو مرحبا کہتا ہوں، یہ جن و انس کے چہرے نہیں ہیں پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین

"یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم ان لوگوں کو دیں گے۔ جو زمین میں علو و فساد نہیں چاہتے: آخرت پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے"۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی اندر آ کر دیکھا تو آپ وصال فرما چکے تھے

بیس رجب ۱۰۱ھ میں ساڑھے انتالیس سال کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔

جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے برابر آپ نے بھی دو سال پانچ مہینے خلافت فرمائی جناب حضرت حسن بصری کو پتہ چلا تو فرمایا۔

مات خیر الناس : سب سے بہتر انسان چل بسا۔

عباسی خلفاء

خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰-۱۹۳ھ) کے عہد میں ان کی والدہ خیزران ۱۷۱ھ میں مدینہ طیبہ وارد ہوئیں انہیں مقاماتِ مقدسہ پر عقیدت و محبت کے پھول پیش کرنے کا بہت شوق تھا، ابراہیم بن الفضل نے اس معاملہ میں انکی راہنمائی فرمائی اور روضۂ اقدس اور مسجد نبوی کو خلوق (خوشبو کی ایک قسم) سے معطر کرنے کا مشورہ دیا۔

خیزران نے اپنی کنیز مولنسہ کو اس خدمت کیلئے مامور کیا، چنانچہ ستون اور درو دیوار تک خلوق سے لتھیڑ دیئے گئے۔ ۲۹ے

خلیفہ المتوکل (۲۳۲-۲۴۷ھ) نے ۲۳۳ھ میں روضہ اقدس کے گرد سنگ مرمر کا فرش بچھانے کا بطورِ خاص اہتمام کیا، چنانچہ اس نے ایک ماہرِ فن اسحاق کو مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی تعمیرات کا مہتمم اعلیٰ مقرر کیا، اور حکم دیا کہ ان ان یئوزر الحجرۃ بالرخام ۳۰ے حجرہ پاک میں سنگِ مرمر بچھائے۔

فلما ولی المتوکل ازدھا بالرخام من حولھا ۳۱ے

(جب متوکل حکمران ہوا تو حجرہ پاک کے اردگرد سنگِ مرمر نصب کرایا۔) ع ہ

حاشیہ: ع ہ

خلیفہ المتوکل: یہ خلیفہ ہارون رشید کا پوتا تھا، ۲۰۷ھ میں پیدا ہوا منصب خلافت سنبھالتے ہی ان تمام بدعات کا نام ونشان مٹانے کا عزم کر لیا، جنہیں مامون کے زمانے سے بڑا شیوع و نفوذ حاصل تھا، اپنے اس کارنامے کی بدولت اسے بڑی شہرت حاصل ہوئی، اہل علم اور محدثین کا بھی بڑا قدردان تھا، ایک مرتبہ علماء کو اپنی مجلس میں مدعو کیا، اسکی آمد پر سارے کھڑے ہو گئے، مگر احمد بن المعذل بیٹھے رہے، متوکل کو یہ انداز کھٹکا، حاضرین سے مخاطب ہوا، یہ ہمیں خلافت کا اہل نہیں سمجھتا۔ سب کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ اب احمد عتاب شاہی کا نشانہ بن جائیں گے۔ کسی نے

۲۹ے وفاء الوفا ۱۶اہم۔ ۳۰ وفاء الوفا ۸۰۴ ۳۱ے عمدۃ القاری ۸: ۲۲۷۔

خلیفہ المقتفی (۵۳۰-۵۵۵) نے ان تعمیرات پر اور اضافہ کیا ۵۴۸ھ میں از سرِ نو سنگِ مرمر بچھایا گیا۔ صندل و آبنوس کی نہایت خوبصورت اور پھولدار کھڑکیاں لگائی گئیں، وزیر جمال الدین نے تو اس سلسلہ میں بڑی ہی دلچسپی اور عقیدت کا اظہار کیا اور شفاف و براق پتھروں سے حرمِ نبوی کو سجادیا۔ ۳۲

بقیہ حاشیہ

معذرت کے طور پر کہا: "انکی بینائی کمزور ہے، اس لئے نہیں اُٹھے، وگرنہ یہ آپ کو سچا خلیفہ مانتے ہیں"۔ جناب احمد ایک راستباز اور حق گو عالم تھے، فوراً اس وکالت کی تردید میں بول پڑے:

اے خلیفہ: میری نظر میں کوئی خرابی نہیں ہے، میرے نہ اٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کو آگ سے بچانا چاہتا تھا، کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "جو دوسروں کے دست بستہ کھڑا ہونے سے خوش اور مغرور ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"،

متوکل کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، لہذا خود جاکر ان کے پاس بیٹھا۔

بدعات کی بیخ کنی اور استیصال کی وجہ سے اور سنت کے احیاء کے باعث بعض اہل علم نے متوکل کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ تین خلفاء اپنی تین خدمات اور خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے ہیں۔ جناب ابوبکر صدیق اس وجہ سے کہ آپ نے اہل ردت اور جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کی: جناب عمر بن عبدالعزیز کو اس وجہ سے کہ آپ نے مغصوبہ املاک مستحقین تک پہنچائیں۔ اور متوکل کو اس وجہ سے کہ اس نے سنت کو زندہ کیا۔

کسی نے خواب میں دیکھا کہ روشنی میں ٹہل رہا تھا۔ پوچھنے پر جواب دیا: سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کرنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔

۲۴۷ھ میں اسکے بیٹے منتصر نے اوباشوں کے ساتھ مل کر باپ کو قتل کردیا اور خود خلیفہ بن گیا، مگر باپ کا قاتل ہونے کی وجہ سے سکون نصیب نہ ہوا۔ لوگوں

(بقیہ حاشیہ آگے)

۳۲ عمدۃ انقاری وفا ۸۰ھ۔

شاہان مصر کے وزیر حسن بن ھبیجا نے سفید ریشمیں پردے لٹکائے، جن پر سرخ و زرد رنگ کے ریشم کے ساتھ نقش کاری کی گئی تھی اور سورۃ یٰسین لکھی گئی تھی۔ [۳۳]

خلیفہ المستضی (۵۶۶ - ۵۷۵) نے ۵۷۰ھ میں بنفشی رنگ کے ریشمی پردے تیار کرائے، اور انکے چاروں کناروں پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی لکھوا کر وہاں لٹکائے۔ [۳۴]

خلفائے عباسیہ کے علاوہ دوسرے بادشاہوں نے بھی اپنی محبت و نیاز مندی کا ثبوت دیا۔ سلطان رکن الدین بیبرس نے ۶۶۷ھ میں حج کیا، جب روضۂ اطہر پر حاضری دی تو اسکے دل میں روضہ اقدس کے اردگرد جالی لگانے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اس نے اگلے سال درابزین یعنی جنگلہ یا جالی بنوا کر بھیجی جو ۶۶۸ھ میں اردگرد لگائی گئی۔ [۳۵]

قلاوون خاندان کی خدمات اس سلسلہ میں بہت نمایاں ہیں۔ مصر کا فرمانروائیہ خاندان ۷۹۲ ھجری تک برسر اقتدار رہا، اسکے مورث اعلیٰ قلاوون صالحی کے عہد ہمایوں میں مشہور سیاح ابن بطوطہ مصر پہنچا۔ اس نے ان الفاظ میں اسکی سیرت بیان کی ہے۔

وکان سلطان مصر علی عهد دخولی الیها الملک الناصر ابوالفتح محمد بن

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

میں مشہور ہوگیا

بادشاہت کی خاطر باپ کو مار ڈالنے والا چھ ماہ سے زیادہ بادشاہ نہیں رہتا۔ کیونکہ کسریٰ ایران شیرویہ بھی باپ کو قتل کرکے، چھ ماہ بعد ہی چل بسا تھا۔ وہی ہوا منتصر نے خواب دیکھا کہ متوکل کہہ رہا ہے۔ تو نے مجھ پر ظلم کیا ہے، زیادہ عرصہ تو بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ہی مرگیا۔

---

۳۳ عمدۃ القاری: ۳۴ وفاء الوفا، ۱۵ام: ۳۵ عباس کرارہ، تاریخ الحرمین، ۲۱۲: تحقیق النصرۃ، ۱۴۸: وفا، ۳۸۴

الملک المنصور سیف الدین قلاوون الصالحی... وللملک الناصر رحمہ اللہ السیرۃ الکریمۃ والفضائل العظیمۃ، وکفاہ شرفا انتماءہ لخدمۃ الحرمین الشریفین[37]

جب ہم مصر پہنچے تو وہاں کے سلطان، قلاوون صالحی کے صاحبزادے الملک الناصر محمد تھے، خدا ان پر رحمتیں نازل فرمائے، بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، انکی عظمت کے اظہار کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ خادم حرمین شریف ہیں۔

مشہور سیاح ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔

ہم نے روضہ اطہر کی زیارت کی، اسکی چوڑائی ہر طرف سے دو سو بہتر بالشت ہے سنگ مرمر کے ایسے نفیس اور حسین پتھر نصب ہیں جنکی نقش کاری اور خوبی و دلاویزی کی شرح نہیں کی جا سکتی، دیواروں پر مسک وطیب کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں اور لاجوردی پردے عجب شان سے لہراتے رہتے ہیں، ان پر چہار پہلو اور ہشت پہلو حلقے اس نفاست اور مہارت کے ساتھ بنائے گئے ہیں، کہ اندر گول دائرہ اور باہر سفید نقطے ہیں، ان کی اشکال ایسی بدیع اور حسین ہیں کہ بیان میں نہیں آسکتیں۔

جو مقام مہبط جبریل کہلاتا ہے، وہاں اظہار علامت و عقیدت کے طور پر اک پردہ لٹکایا گیا ہے مواجہہ شریف کے سامنے چاندی کی ایک سلاخ ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پر نور اس طرف ہے جدھر صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے مبارک چہرے ہیں ادھر بیس قندیلیں چاندی کی آویزاں ہیں، دو سونے کی بھی ہیں[38]

سلطان قلاوون ہی کے پوتے، سلطان الصالح اسماعیل نے ۷۶۰ھ میں مصر میں ایک گاؤں خریدا اور اسکی آمدن کعبہ مکرمہ کے غلاف اور روضہ مقدس کے پردوں کیلئے وقف کردی۔ غلاف ہر سال اور یہ پردے پانچویں سال ڈالے جاتے تھے

---

۳۶ تاریخ الحرمین، ۲۴۰: تحقیق النصرۃ ۸۱ = دفاء الوفا، ۳۵۰ھ

۳۷ رحلۃ ابن بطوطہ، ۳ھ

اشتری قریۃ من بیت مال المسلمین بمصر و وقفھا علی کسوۃ الکعبۃ المشرفۃ فی کل سنۃ وعلی کسوۃ الحجرۃ المقدسۃ والممبر الشریف فی کل خمس سنین ۔[39]

"مصر پر ترکی سلاطین کا قبضہ ہو جانے کے بعد، سلطان سلیمان اعظم نے ملک الصالح کے اس وقف میں سات گاؤں کا اور اضافہ کر دیا - اور اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبہ کا غلاف، اور ہر پانچویں سال حجرۂ نبوی کے پردے اور ممبر نبوی کا غلاف مصر سے بن کر آنے لگا"۔[40]

سلطان الصالح بن محمدؒ کے بعد حسن بن محمدؒ نے ۷۶۵ھ میں گنبد پاک کی از سرِ نو تعمیر کرائی۔[41] ۸۸۱ھ میں پھر اس گنبد پاک کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا جسکی تکمیل بروایت علامہ سمہودی ۸۹۲ھ میں[41] اور بروایت امام محمد مہدی صاحب مطالع المسرات ۸۸۶ھ میں ہوئی۔ وصفۃ الروضۃ الشریفۃ علی ماھی علیہ الآن بعد انشائھا عام ستۃ وثمانین وثمان مائۃ[42]

(اور روضہ پاک کی موجودہ صورت ۸۸۶ھ میں وجود میں آئی - یہی حالت اب تک قائم ہے خاندان قلاوون کے ملوکِ مصر کی طرح، ترکی سلاطین نے بھی روضۂ اطہر کی تعمیر و تزئین میں حسنِ اہتمام کی تمام تر دلنوازیوں کے ساتھ حصّہ لیا گنبد پاک کا سبز رنگ انہی کی پسند ہے - جو ذوقِ نظر کے ساتھ انکے حسنِ انتخاب و حسن عقیدت کی بھی دلیل ہے۔

اس سلسلہ میں عثمانی خلیفہ محمود خاں بادشاہ (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵) کی محبت وارادت بہت بڑھی ہوئی اور ایک باوفا سچے مومن اور عاشق صادق کے جذبات کی ترجمان و نمائندہ تھی، چنانچہ انہوں نے ۱۲۳۳ھ میں روضۂ اطہر کی بناء و تعمیر میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اور ذاتی طور پر حصّہ لے کر گنبد پاک پر سبز رنگ کرایا[43]

[38] ابن جبیر، ۱۶۹ - [39] وفاء الوفاء ۶۱۲ - [40] غلاف کعبہ کی تاریخ، مرتبہ ابو الاعلیٰ، ۱۹

[41] وفاء الوفا، ۶۳۷ - [42] مطالع المسرات، ۱۳۸ [43] وفا، ۶۳۶

محمود خاں کو اس اہتمام اور خصوصی توجہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہابیوں نے وہاں قابض ہو کر مقدس مقامات کی بہت توہین کی تھی، مسلمانوں کے اکابرین کی قبریں منہدم کر دی تھیں اور اس قدر خون خرابہ کیا تھا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس لئے محمود خاں کو ان کی سرکوبی کی طرف توجہ دینا پڑی چنانچہ ۱۲۳۳ھ میں ان کا استیصال کر دیا گیا۔

(اس اندوہگین، ہوشربا اور خونی داستان کی تفصیلات ساتویں باب میں "ابن عبدالوہاب نجدی صاحب" کے حالات کے تحت بیان کی جائیں گی۔

ساتواں باب

گنبد خضراء کی اعجازی شان

1۔ واقعہ حرہ

2۔ حجاز کی آگ

3۔ روضہ اطہر میں نقب زنی
اور سلطان نور الدین زنگی

4۔ واقعہ خسف

زندہ نبی کے زندہ معجزات

اور برکات کا ظہور

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

" میری روح اس جلوہ گاہ پر فدا ہو جائے، جہاں آپ سکونت پذیر ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسی میں، عفت و پاکبازی کی عظمتیں، اور کرم وسخا کی ساری شانیں، مستور و پنہاں ہیں "

اعجازِ نبوی کے بے شمار، زندہ و پائندہ اور باوقار مظاہر ہیں :-

(الف) وعدۂ الہٰی ہے کہ

بدخواہوں کی اذیت رسانی سے تحفظ، اور ان کی خوفناک ریشہ دوانیوں اور معاندانہ چیرہ دستیوں سے ذات اقدس نبوی کا بچاؤ، خاص اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے، اپنی تمامتر مہلک کاروائیوں کے باوجود وہ اس ذاتِ بابرکات کے جسم و جاں کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

(ب) وصال شریف کے بعد از سرِ نو پہلے جیسی حیات بھی، خاصۂ نبوت کی ایک اعجازی شان ہے، آپکی حیات، تابندہ تر، جاوداں، نگاہِ یقین و ایمان اور حقیقت میں ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔

(ج) " تصرف فی الکون " بھی آپ ہی کی عظمتِ شان، اور جلالتِ مرتبت کا ایک حصہ ہے

یہ تمام محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلنوازادائیں اور حسین شانیں ہیں، جن سے انکے مہرباں و مالک اور قیوم پروردگار نے ان کو نوازا ہے، جس طرح ظاہری حیاتِ پاک میں ان کا ظہور ہوتا تھا، وصال شریف کے بعد بھی بارہا ان کا مشاہدہ و مظاہرہ ہوا ہے گویا گنبدِ خضرا میں جلوہ بار ہونے کے بعد بھی، یہ شانیں نمایاں و تاباں ہیں۔ تاریخ نے ان نشانوں کو اپنے سینے میں محفوظ کرلیا ہے، جو ان حقائق پر روشنی ڈالتی ہیں کہ، تصرف، حیات، اور وعدۂ تحفظ، آج بھی برقرار ہے، اور قیامت تک اسی شان سے برقرار رہے گا۔

گنبدِ خضراء کے مکین ہونے کے بعد، ان اعجازات کی نمود اور ان کا تذکرہ ایک نیا جذبہ و ولولہ، اور ذوقِ یقین پیدا کرتا ہے اس لئے اس تذکرے سے قلب و روح کی بالیدگی کا سامان کیا جاتا ہے۔

واقعۂ حرّہ

یہ ۶۱ھ کی بات ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے عالم اسلام میں یزید کے خلاف غم و نفرت کی لہر دوڑا دی، اہل مدینہ نے اس سانحہ کی شدت کو بہ کچھ زیادہ ہی محسوس کیا جس کا اظہار یوں ہوا کہ انہوں نے مدینہ پر یزید کے گورنر عثمان بن محمدؓ کو معزول کر دیا، بنو امیہ کے گھروں کا گھیراؤ کر لیا انہیں اذیتیں دیں، اور اقتدار و انتظام کیلئے دو امیر چن لیئے، مہاجرین نے عبداللہ بن مطیع کو اور انصار نے ابن حنظلہ کو منتخب کر لیا۔

یزید کی نظر میں یہ ایک انتہائی اقدام تھا، جسے گوارا کر لینا اسکی جاہ پسند دلدادۂ شان و شکوہ اور متکبر طبیعت کیلئے ممکن نہ تھا، چنانچہ اس نے بلا تاخیر مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ کی طرف پیشقدمی کرے، اس نے خاص ہدایات بھی دیں کہ اگر اہل مدینہ سے مقابلہ ہو جائے تو انہیں کسی قسم کی مراعات نہ دی جائیں اور تین روز تک وہاں قتل عام کیا جائے،

یہ شامی لشکر ہوا کے دوش پر پرواز کناں نواحِ مدینہ میں پہنچ گیا۔ اور پورے شہر کو محاصرہ میں لے لیا، اسکی آمد کی سن گن پا کر اہل مدینہ نے پہلے ہی حفاظتی اقدامات کے طور پر ایک خندق مدینہ کے گرد کھودی ہوئی تھی۔ اس لئے شامی اچانک حملہ آور نہ ہو سکے۔ اور پیغام رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شامیوں کا سارا زور اسی نقطے پر تھا کہ یزید کی دوبارہ بیعت کر لیں، مگر اہل مدینہ نے جواب دیا، اپنے نصب العین اور ایمان کی خاطر جانیں تو دے دیں گے مگر ایک فاسق و نابکار کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔

مسلم بن عقبہ نے تیسرے روز حملہ کر دیا۔ اہل مدینہ منورہ نے تعداد کی کمی کے باوجود اس آہن و سنگ میں ڈوبی ہوئی فوج کی تند و تیز یلغار کو پامردی سے روکا، مگر وہ زیادہ عرصہ اس سیل بے اماں کے سامنے چٹان بن کر نہ جم سکے اور پسپا ہو گئے۔ مسلم بن عقبہ نے کسی قسم کی حرمت و فضیلت کو ملحوظ رکھے بغیر عام

لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا حکم دے دیا۔ یہ نام نہاد مسلمان درندے انسانیت و شرافت کی تمام قدریں بالائے طاق رکھ کر شہر مقدس میں گھس گئے، اور ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا، جسکے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور شرافت منہ چھپاتی ہے، ایسی قبیح، گھناؤنی اور انسانیت سوز حرکات کیں، جو ایک ذلیل و ناہنجار دشمن ہی سے سرزد ہو سکتی ہیں۔ تین دن تک یہ ہنگامۂ دار و گیر اسی طرح قائم رہا، چوتھے دن فسق و فجور کے یہ بادل چھٹے اور اہل شہر کو سکون سے سانس لینا نصیب ہوا

اس عرصہ میں نہ کسی کی عزت محفوظ رہی نہ جان اور جائداد۔ اہل شام نے تقریباً سات سو معزز ترین افراد کو شہید کر دیا جن میں اکابر صحابہ اور بزرگ ترین نامور اہل علم و تقوی بھی تھے۔ انکے علاوہ دس ہزار دوسرے لوگ تہہ تیغ کئے گئے۔

جب یہ طوفان بلا تھم گیا تو مسلم بن عقبہ دربار لگا کر بیٹھ گیا۔

اسکی چچازاد بہن آئی کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو، وہ فلاں جگہ سے میرے اونٹ نہ لیں۔

اس نے اپنے گماشتوں سے کہا، پہلے اسی کے اونٹ پکڑ کر لاؤ۔

ایک عورت نے بیٹے کی سفارش کی تو اسے اسی وقت اسکے سامنے مروا دیا۔

عمرو بن عثمان کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال اکھڑوایا۔

اس وحشت و بربریت نے ہر طرف سراسیمگی و سنسنی پھیلا دی۔ لوگوں کو جہاں پناہ گاہ نظر آئی وہیں دبک گئے۔

جناب سعید بن مسیب کہتے ہیں۔

میں اسی ناگہانی آفت سے بچنے کیلئے مسجد نبوی میں بھاگ گیا۔ مگر جب محسوس ہوا کہ ان وحشی درندوں سے یہاں بھی اماں نہیں ملے گی تو روضۂ اقدس میں چلا گیا۔ تین دن تک وہیں چھپا رہا وہاں ایسے ایمان افروز مشاہدات نصیب ہوئے کہ ساری کلفت اور رنج و غم بھول گیا۔ نگاہِ رحمت نبوی نے ایسی کرم نوازی فرمائی کہ اسی کے سرور و حضور میں گم ہو گیا۔

تین دن تک یوں ہوتا رہا، کہ جب بھی نماز کا وقت ہوتا۔ روضۂ اقدس سے باقاعدہ اذان کی مترنم وشیریں آواز سنائی دیتی، پھر کچھ دیر بعد اقامت کی آواز آتی، میرے لئے یہ آواز ایسی دلجوئی کا باعث رہی کہ اسکی لذت میں بھول گیا کہ خونخوار دشمنوں سے بچاؤ کیلئے یہاں چھپا ہوا ہوں۔

" اذان سے نمازوں کے اوقات کا پتہ چل جاتا۔ لہذا وقت پر نمازیں ادا کر لیتا اس طرح انہوں نے تین دن تک حضور ہونے سے قلب وجگر کی تسکین اور ایمان وایقان کی بالیدگی کا خوب سامان کیا، حیاتِ رسالت کے علانیہ مشاہدے اور نمود سے سینے کو نور وسرور سے معمور کر لیا اور عزم ویقین کی دولت سے مالا مال ہو کر باہر تشریف لائے۔

بعد میں سپاہی ان کو بھی پکڑ کر مسلم بن عقبہ کے پاس لے گئے، مگر آپ پر روضۂ اقدس میں ظاہر ہونے والی اعجازی شان کا ایسا نشہ چڑھا ہوا تھا کہ انہیں مجنوں سمجھ کر چھوڑ دیا۔

قدرت نے مسلم بن عقبہ سے مدینہ منورہ کی بے حرمتی کا اس طرح انتقام لیا کہ چند روز بعد ہی مر گیا۔ یہ ۶۳ھ کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ اِسکے بعد یزید بھی چل بسا جسکے اقتدار کو استحکام بخشنے کیلئے مسلم نے اتنا بڑا جرم کیا تھا۔ تاریخ میں یہ خونی "حادثہ واقعہ حرہ" کے نام سے مشہور ہے۔

البدایہ والنہایہ

شرح الزرقانی، علامہ محمد بن عبدالباقی، ۸: ۳۱۵

حجاز کی آگ

دربارِ رسالت کی خاص اور اجتماعی محفلیں، ایمان و عرفان اور رشد و ہدائت کی کہکشاں تھیں جہاں نورِ علم اور حقیقت و معرفت کے دریا بہتے رہتے تھے، خود فراموش دین و ایمان علم و اخلاق اور نور و نظر سے محروم، انسانیت اور شرافت کے تقاضوں سے بے بہرہ، تہی دامن بدقسمت لوگ آتے، اور علوم و معارف، ایمان و آگہی اور حکمت و بصیرت کے بیش بہا موتیوں سے دامن بھر کر واپس چلے جاتے، یہ نورانی محفلیں ایمان کی بالیدگی کا موثر ذریعہ اور روحانی تربیت و تعمیر اخلاق کا اہم مرکز تھیں جہاں شرعی مسائل و قوانین بھی سکھائے جاتے، اور مظاہر کائنات کے مستور حقائق اور سربستہ اسرار سے آگاہی بھی بخشی جاتی، بعض اوقات ماضی و مستقبل کے حالات و واقعات بھی زیر بحث آجاتے ایسے موقعہ پر حاضرین کا ایمان تازہ ہوجاتا، وہ مستقبل کے نادیدہ حالات سن کر حیران بھی ہوتے اور محظوظ بھی! کیونکہ غیب کی باتیں فطری طور پر انسان کو متاثر کرتی ہیں، وہ ایسی باتیں شوق و رغبت سے سنتے ہیں اور سنانے والے کی عظمت و فضیلت کے قائل ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس عظمت و فضیلت سے اپنے محبوب کو بہرۂ وافر عطا فرمایا ہوا ہے، کیونکہ اسے یہی منظور ہے کہ امتی اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نشانوں سے آگاہ ہوں اور ان کے کمال کے گیت گائیں اور ان کی عظمت و رفعت کا اعتراف کریں ایک ایسی ہی علمی و نورانی مجلس قائم تھی، صحابہ کرام مستقبل میں رونما ہونے والے حیرت انگیز واقعات کی تفصیلات سن سن کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمالات پر مسرور، اور رب تعالیٰ کی اس عطا پر بے حد خوش ہو رہے تھے کہ ایسا افضل و اعلیٰ، بزرگ و بالا اکرم و اعظم اور بصیر و دانا رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عطا فرمایا، کہ اچانک نگاہِ نبوت کے سامنے ۶۵۴ ھ ہجری میں وقوع پذیر ہونے والا ایک واقعہ آگیا، آپ نے اس طرح اس کی حقیقت سے آگاہ فرمایا۔

لا تقوم الساعۃ حتی تخرج نار بالحجاز تضیئ اعناق الابل ببصری [1]

" قیامت قائم نہ ہو گی، یہاں تک کہ حجاز کی سر زمین سے ایک آگ نکلے گی، جس کی روشنی میں اہل بصری اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں گے"۔

اس حدیث کے راوی ثقہ اکابر ہیں، اور جن محدثین و مورخین نے چھ سو سال بعد اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھا اور چشم دید حالات بیان کئے وہ بھی زمرۂ ثقات و اکابر سے تعلق رکھتے ہیں، مسلم شریف کے شارح امام نووی (۶۳۱ - ۶۷۶) اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے، اور قطب قسطلانی مکہ مکرمہ میں تھے مگر اس آگ کے فلک بوس شعلے انہوں نے وہیں سے دیکھ لئے۔ اپنی کتابوں میں ان حضرات نے اس حیرت انگیز آگ کی تفصیلات درج فرمائی ہیں۔

جمادی الاولیٰ ۶۵۴ھ کی آخری تاریخیں تھیں کہ مدینہ منورہ میں کچھ جھٹکے محسوس کئے گئے، مگر وہ اتنے معمولی تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔ جمادی الآخری کا مہینہ شروع ہوا تو ان میں شدت آگئی تیسری تاریخ کو منگل کی شب اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے جمعہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، مگر جمعہ کے روز ہولناک آواز کے ساتھ زمین نے لرزنا شروع کر دیا۔ ہیبتناک دھماکوں اور قیامت خیز جھٹکوں نے عوام کو مخبوط الحواس بنا دیا۔ ایسی جگر دوز اور ہوشربا صورتِ حال پیدا ہوئی جس کا انہوں نے کبھی سامنا نہیں کیا تھا۔

ابھی وہ زلزلوں کی اسی مصیبت میں گرفتار تھے، کہ ایک اور ناگہانی آفت نے آگھیرا جیسے بوتل سے کسی عفریت نے سر نکال لیا ہو۔ ہوا یہ کہ دہشت ناک شور کے ساتھ زمین پھٹ گئی، اور لہراتے ہوئے آگ کے خوفناک شعلوں نے تیزی سے ساتھ باہر لپکنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مشرق کی طرف کی ساری وادی آگ کے سمندر میں تبدیل ہو گئی، اور یوں محسوس ہونے لگا کہ سرخ و زرد سیال لاوے کی نہر بہنے لگ گئی ہے۔ اسکی تیز آنچ میں پتھر پانی کی طرح پگھلنے لگے اور پہاڑ نرم موم کی صورت اختیار کر گئے۔ اس نے لوہے پتھر کو اس طرح کھانا شروع

---

[1] مسلم شریف، ۲: ۳۹۳

کیا جیسے سُوکھے پتے جلائے جاتے ہیں، سنگ سوزی، تباہی و بربادی اور جلاؤ کے اِس عمل سے ایسا تلخ دھواں اور غبار اٹھا کہ سورج چاند اور ستارے تک اسکی تیرگی میں چھپ گئے اور آتشِ سیال کے اس دھکتے اور موجزن سمندر میں تحلیل ہو کر رہ گئے۔

یہ آگ کئی میلوں کے رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی، دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا اسے غیر مرئی فصیل میں بند کیا ہوا ہے۔ تاکہ اس سے باہر نہ نکل سکے، عجیب بات یہ تھی کہ پتھروں کو سیسے کی طرح پگھلا دیتی تھی، مگر درختوں پر اثر نہ کرتی تھی۔

اس وقت مدینہ کے امیر عز الدین تھے ظہورِ نار کی خوفناک خبر سن کر حیران و دہشت زدہ ہو گئے، عوام میں منادی کرادی کہ اعمال و نیات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، یہ سب گناہوں کی شامت و نحوست کا نتیجہ ہے۔ تنبیہ کیلئے یہ ایک نشان ظاہر کیا گیا ہے۔

لوگوں نے دبائی ہوئی امانتیں اور غصب کئے ہوئے حقوق فوراً ادا کئے ایک دوسرے سے زیادتیوں کی معافیاں مانگیں، اور حصول امن و مغفرت کیلئے اس دربار کی طرف دوڑے جہاں جانے کا حکم قرآن پاک نے دیا ہے

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءو ك
فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول [2]

استغفار و توبہ کی خاطر تمام لوگ روضہ اطہر پر حاضر ہو گئے

هبط الامير للنبی صلی الله عليه وسلم وبات فی المسجد
ليلة الجمعة وليلة السبت ومعه جميع اهل المدينة

امیر، روضہ اقدس پر آئے، اور جمعہ اور ہفتہ کی رات تمام اہل مدینہ کے ساتھ وہیں گزاری۔

امام سیوطی فرماتے ہیں سارا مہینہ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔

---

[2] وفاء الوفا، ۱۵۱۔ [3] تاریخ الخلفا، ۳۵۰۔ [4] وفاء الوفا، ۱۵۱

لوگ اپنے محبوب و مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے استغفار و شفاعت کی درخواستیں کرتے رہے، مسجد نبوی میں سجدہ ریز ہو کر روتے اور گڑگڑاتے رہے۔ ان ایام میں ان پر شبوں کا گداز اور دنوں کی تپش کا راز منکشف ہو گیا۔

یہ آگ بتدریج مدینہ طیبہ کی طرف بڑھتی رہی، باون دن بعد یہ حرم مدینہ کی حدود تک پہنچ گئی، لوگوں کی گریہ وزاری، مسکینی اور عاجزی انتہا کو پہنچ گئی، وہ اس مدت میں تضرع و خشوع اور مناجات و استغفار سے کندن بن گئے۔ آخر توبہ و انابت، درود و سلام اور روضہ اطہر پر حاضری اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم و شفاعت کی برکت سے اس آگ کے بجھنے کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ وہ حرم شریف کے اندر بالکل داخل نہ ہوئی، نہ اندر کی حدود کی کسی چیز کو کوئی نقصان پہنچایا اور مستقیم شکل میں آگے بڑھنے کی بجائے، شمال کی طرف مڑ گئی۔

اشفق منها اهل المدينة، غاية الاشفاق، والتجئوا الى نبيهم المبعوث بالرحمة، صرفت عنهم ذات الشمال، وزاحت عنهم الاوجال، وظهرت بركة تربته، فى امته۔ ۵؎

(آگ سے خوفزدہ ہو کر اہل مدینہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آ گئے وہ شمال کی طرف مڑ گئی اور ان کا خوف کم ہو گیا، اور امت کے سامنے تربتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ظاہر ہو گئی۔)

وہ آگ پیچھے ہٹ کر بالآخر بجھ گئی۔

اس آگ کے ظہور، زمانۂ ظہور اور مقامِ ظہور میں کچھ معنی خیز اشارات ہیں!

(الف) قرآن پاک فرماتا ہے۔ وما نرسل بالآيات الا تخويفا، ہم نشانیاں لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے بھیجتے ہیں، یہ اس لئے تاکہ وہ اپنے کرتوتوں پر متنبہ ہو کر نافرمانی و معصیت کی روش ترک کر دیں۔ گویا نشانات اہل سعادت اور

۵؎ وفاء الوفا، ۱۰۰

اہلِ ایمان کیلئے رحمت ہیں۔ یہ آگ بھی اہل مدینہ اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے لئے ایک طرح کی رحمت وارننگ اور تنبیہ تھی، جو انہیں ہوش میں لانے کے لئے ظاہر کی گئی، چنانچہ ڈیڑھ دو ماہ تک جب وہ برابر نظر آتی رہی تو لوگ از خود اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہو گئے اور انسان بن کر رہنے کا وعدہ کرلیا۔

(ب) اس آگ کے عمل اور طریقہ کار سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف اہل دل کو ہوشیار و بیدار کرنے کیلئے تھی، وہ صرف پتھروں کو جلاتی تھی۔ متعین اوقات میں آگے بڑھتی تھی، اور تقریباً دو ماہ تک جلتی رہی، یہ سارا عمل غافل دلوں کو اس حقیقت سے آشنا کرنے کے لئے کافی تھا، کہ یہ عام آگ نہیں ہے، بلکہ مامور و محکوم ہے اور نظم و ضبط کے ساتھ کام کر رہی ہے، وگرنہ اشیاء کو جلانے میں امتیاز نہ برتتی۔

(ج) مدینہ منورہ کے نواحی علاقہ کو اسکے ظہور کے لئے اس واسطے منتخب کیا گیا تاکہ امت کے لئے رحمت ہی رہے، باعثِ عذاب و نقصان نہ بن جائے جب تک اسکی ضرورت ہو جلتی رہے۔ پھر مرکزِ رحمت و کرم کے پاس پہنچ کر بجھ جائے، انذار و تخویف کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، اور امت پر اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پاک کی برکت بھی ظاہر ہو جائے۔

ولعل الحکمۃ فی تخصیصہا بھذا المحل.... فانھا لو ظھرت بغیرہ ....وسلطان القھر.... فانہ لربما استولت علی ذالک القطر ولم تجد صارفا فیعظم ضررھا علی الامۃ فظھرت بھذ المحمل الشریف لحکمۃ الانذار فاذا تمت قابلتھا الرحمۃ فجعلتھا بردا وسلاما [۶]

(د) اس کے ظہور کے لئے جمعہ کا دن اس لئے چنا گیا کہ یہ مسلمانوں کا خاص اور مقدس دن ہے: تاکہ وہ اس روز اس علامت کبریٰ کو دیکھ کر سمجھ لیں، یہ دن انکے لئے خصوصیت کا حامل ہے جسے فضول ضائع کرنا زیبا نہیں، اور اس دن کی طرح سارے ایام بلکہ مسلمان کی ساری زندگی ایک خاص مقصد کیلئے ہے کھیل تماشے کیلئے نہیں، جسے اطاعت ہی میں صرف ہونا چاہیئے۔

---

[۶] وفاء الوفا، ۱۰۰/۱ دفاء الوفا، ۱: ۱۰۰۔ البدایہ، ۱۳: ۸۷، تاریخ الخلفا، ۲۵۰

روضۂ اطہر میں نقب زنی کی کوشش

سُلطان نور الدّین زنگیؒ رحمۃ اللہ علیہ

آپ اتابک زنگی خاندان کے چشم و چراغ تھے ۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ الاتابک ھوالذی یربی اولاد الملوک۔ ۲: ۸

" شاہی اتالیق کو اتابک کہتے ہیں "، آپ کا خاندان شاہاں سلجوق کا اتابک تھا مگر سلجوقی فرمانرواؤں کا آفتاب اقبال گہنایا تو یہ خاندان خود مختار ہوگیا۔ اور اس کے متعدد حکمرانوں نے بڑے دبدبے اور وقار کے ساتھ حلب و موصل پر حکومت کی۔

اتابک خاندان کے سربراہ آق سنقر تھے جنکے بعد ان کے فرزند زنگی نے منصب حکومت سنبھالا ۵۴۱ھ میں جعبہ کے محاصرے میں وہ شہید ہوئے تو حلب کا علاقہ آپ کے فرزند محمود کے تصرف میں آیا۔

نورالدین محمود بچپن ہی سے، خوش ادا، متواضع، پرہیزگار، باوقار، سخی اور عبادت گزار تھے، حکومت کا بوجھ کاندھوں پر پڑا تو اور زیادہ محتاط، حساس اور فرائض کے معاملہ میں چوکس ہوگئے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں، " خلفائے راشدین اور جناب عمر بن عبدالعزیز کے بعد، ان سے زیادہ، سنت کا پیروکار، فرض شناس، بے نفس، فیاض اور درویش صفت حکمران کوئی نہیں گزرا۔ ہو بہو خلفاء راشدین کے نقشِ قدم پر تھے۔ فقہا سے فتویٰ لیا۔ کہ بیت المال سے کتنی تنخواہ لینی جائز ہے۔ انہوں نے گزارے کیلئے جتنی رقم بتائی اس سے زیادہ ایک کوڑی نہ لی۔ ردی کے سوکھے ٹکڑوں کے ساتھ افطار فرمایا کرتے تھے۔ گھر بھر میں آپکی سیرت سے قائم شدہ فضا کا یہ اثر تھا کہ سب اطاعت و عبادت میں دلچسپی لیتے تھے۔ ایک روز آپکی اہلیہ نے گریہ وزاری سے بُرا حال کرلیا۔ پوچھنے پر بتایا، رات آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے وظائف رہ گئے ہیں، اس لئے افسوس کررہی ہوں۔ آپنے فوراً ایک طبل خانہ بنوایا اور بھاری تنخواہ پر ایک ملازم رکھا، تاکہ وہ شب زندہ داروں کو، رات کے وقت طبل بجاکر جگادیا کرے۔ حضرت یافعی فرماتے ہیں،

جناب نورالدین محمودؒ ان سات سو اولیاء کرام میں سے تھے ،جن کا تعلق ابدال اور غوث کے ساتھ ہوتا ہے"۔ اس لحاظ سے آپ شاہی لباس میں بلند روحانی پائے کے مالک تھے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ طبیعت ومزاج میں کوئی نخوت نہ تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ پر دعویٰ کر دیا۔ آپ بلاتردد قاضی شہر زوری کی عدالت میں پہنچ گئے اور مجرموں کے کٹہرے میں مدعی کے برابر کھڑے ہو گئے۔ بعد میں آپکے خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا اور آپ کو بری کر دیا گیا ، مگر آپ نے کسی کارروائی کا برا نہ منایا، نہ مدعی کو سخت سست کہا۔

آپ میدان جہاد کے غازی اور اسلام کے نڈر سپاہی تھے۔ خود کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رکھتے اس مقصد کیلئے روزانہ چوگان کھیلتے تھے۔ اس کھیل میں اتنے ماہر اور شہسواری میں اس قدر طاق تھے کہ گیند کو ضرب لگا کر گھوڑے کو تعاقب میں دوڑا دیتے اور راستے ہی میں گیند کو ہاتھوں میں دبوچ لیتے ،کسی نے آپکی عظمت ،باوقار شخصیت کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کھیل پر اعتراض کیا، آپ نے جواب دیا اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ۔ میں لہوولعب، لذت نفس اور وقت گزاری کے خیال سے نہیں. بلکہ خود کو جہاد کیلئے ہمہ وقت تیار رکھنے کی نیت سے کھیلتا ہوں، اور گھوڑوں کو سدھانا بھی مقصود ہوتا ہے۔

اسی حسن نیت کا اثر تھا کہ غیب سے امداد ہوتی تھی، ایک مرتبہ آپ نے ایک امیر انگریز کو قید کر لیا۔ پھر اپنے مصاحبوں سے مشورہ لیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آپکی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اسکے بدلے میں زر خطیر آیا جس سے آپ نے غربا کیلئے خیراتی ہسپتال تعمیر کرایا۔ مگر اس واقعہ میں حیرت کا پہلو یہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے ملک میں پہنچتے ہی مر گیا اس طرح مسلمانوں کو یہ ہسپتال مفت میں مل گیا، یہ سب نصرت الٰہی اور سلطان عادل کے حسن نیت کی برکت تھی۔

حق پسند بادشاہوں کی طرح آپ سیاسی مصلحتوں کے نام پر بے راہ روی کے

قائل نہیں تھے۔ نہ ہی خود کو حکومت کا ستون سمجھتے جسکے بغیر کاروبار مملکت چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح شرعی آداب کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ غلط بات سن کر فوراً ٹوک دیتے۔

ایک مرتبہ آپ نے بھری مجلس میں فرمایا: ہم نے ہمیشہ شہادت کی تمنا کی ہے۔ بارہا ایسے مواقع بھی آئے، مگر یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ قسمت اچھی ہوئی تو یہ عزت مل ہی جائے گی"۔ قطب الدین نیسا پوری پاس ہی بیٹھے تھے، انہوں نے کہا:

"یا امیر! آپ ایسا نہ کہیں، آپ چلے گئے تو ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔"

سلطان کو یہ جملہ بہت برا لگا۔ برافروختہ ہو کر کہا:

"میں کون ہوتا ہوں، جسکے سہارے یہ کاروبار چل رہا ہے: سب کچھ مدبرو ناظم مالک کے دست قدرت میں ہے۔ وہی اپنے دین اور بلاد کا مالک ہے، میں آئندہ تمہاری زبان سے یہ جملہ کبھی نہ سنوں" اور پھر رد، رد کر آپ کی حالت غیر ہو گئی۔

"آپ کے کسی عامل نے لکھا، سیاسی مصلحت کی خاطر تعزیر و سزا کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے، ہر جگہ تو گواہی میسر نہیں آسکتی۔" آپ نے جواب دیا، "خدا نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے، اسلامی شریعت کی شکل میں نظامِ زندگی دیا ہے، جو اپنی جگہ مکمل اور انسانیت کے لئے کامل رہنما ہے۔ اگر سیاسی مصلحت کے نام پر آزادی کی گنجائش ہوتی تو خدا تعالیٰ اپنے لافانی قانون میں ضرور یہ شق بھی شامل فرما دیتے، مگر شامل نہیں فرمائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کامل ہے، اب جو اس میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ گویا اسے ناقص سمجھتا ہے"

اس لئے آئندہ ایسی احمقانہ تجویز میرے سامنے پیش نہ کرنا:

جناب نور الدین سیرت کے لحاظ سے اتنے صالح اور درویش ہونے کے باوجود ایک ذی شان اور پر جلال حکمران تھے، اپنے وقت کے بڑے بڑے جرنیل آپ کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے۔ اسد الدین شیر کوہ آپ کا منظور نظر اور مقرب ترین جرنیل تھا، حکومت کے معاملات میں بھی بہت زیادہ عمل دخل رکھتا تھا، سلطان کو معلوم ہوا کہ

شیر کوہ اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کی املاک غصب کر رہا ہے، آپ نے فوراً ایک دار العدل قائم کرنے کا حکم دیا۔ جس میں ہر خاص و عام کے لئے اذنِ عام کی گنجائش رکھدی۔ شیر کوہ نے قیام عدل کے یہ تمام انتظامات مکمل ہونے سے پہلے ہی لوگوں کی جاگیریں واپس کر دیں اور ہر طرف سے اپنی پوزیشن صاف کر کے بیٹھ گیا۔

جب دار العدل قائم ہو گیا تو سلطان نے عرصہ دراز تک اس میں فیصلے کئے مگر شیر کوہ کے خلاف کوئی مقدمہ نہ آیا۔ جس سے سلطان کو تعجب ہوا، قاضی صاحب نے بتایا!

"آپکے خوف سے شیر کوہ نے پہلے ہی تمام مغصوبہ جائدادیں لوٹا دی ہیں"

سلطان اظہار تشکر کے لئے سجدے میں گر گئے۔

یہی سلطان جس کے سامنے شیر کوہ جیسے بلا اجازت بیٹھنے کی جرأت نہ کرتے تھے وہ اہل علم، اصحاب فقہ و دین کا اتنا شیدا و قدر دان تھا کہ جب کوئی عالم و فاضل تشریف لاتے۔ تو اٹھ کر استقبال کرنا، اور اپنی جگہ پر بٹھاتا۔

ایک دفعہ نیسا پوری نے آپ کے سامنے کسی عالم کی غیبت کی۔

سلطان نے فرمایا، اگر تم سچے ہو، اور اس عالم میں واقعی یہ خامی موجود ہے تو بھی اسکو خسارہ نہیں کیونکہ اُسکے پاس اتنی نیکیاں ہیں کہ وہ اس خامی کا کفارہ بن سکیں گی مگر تم نے جو غیبت کی ہے، اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس نیکیوں کا کوئی انبار نہیں ہے،، اس لئے یاد رکھو! آئندہ کسی کی غیبت نہ کرنا، ورنہ سخت سزا دوں گا۔

جب کسی عالم کو نوازنے کا وقت آتا تو سراپا نیاز بن جاتے۔ کہ

"اہل علم و اصحاب خلوص کی برکت ہی سے خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ خزانے عطا فرمائے ہوتے ہیں، ان خزائن میں ان کا حق سب سے زیادہ ہے، اگر یہ اتنی سی چیز سے راضی ہو جائیں تو انکی بندہ پروری اور مہربانی ہے، ہم ان کی کیا خدمت کر سکتے ہیں"

گندمی رنگ کے ساتھ، تیکھے نین نقش رکھنے والے سلطان نور الدین نہائت خوش جمال، شیریں نظر، بلند قامت، علم دوست، مجاہد، عالی حوصلہ، سنی، اور متواضع و پرہیبت تھے، آپ کی ڈاڑھی گھنی نہیں تھی، بلکہ صرف ٹھوڑی تک محدود تھی۔ پیشانی پرنور جلال تاباں تھا۔

انکے ظاہری و باطنی اوصاف احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔

وله من المناقب والمآثر ما يستغرق الوصف

سب سے پہلے آپ نے صلیبی جنگوں میں حصہ لیا، اور بیت المقدس پر فتح پائی، انگریزوں نے کہا: سلطان نے حرب وضرب اور آلات وافواج کے ساتھ نہیں، بلکہ دعا وعبادت اور خلوص و نیک نیتی کے ساتھ فتح پائی ہے۔ ۵۶۹ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

ان الدعاء عند قبره مستجاب ولقد جربت ذالک فصح (ابن خلکان ۴ تعارف ۶۸۶)

آپکی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے، میں نے تجربہ کیا تو صحیح پایا

سازش کا پس منظر

اسلام کے کوکب اقبال کا عروج وکمال دیکھ کر گردش دوراں تو سہم ہی گئی تھی۔ یہود و نصاریٰ بھی اپنی اپنی چالاکیوں اور سازشوں کے باوجود اس کی عظمت و ترقی کے پھریرے چار دانگ عالم میں لہراتے دیکھ کر، بلوں میں دبک گئے تھے، پانچویں صدی ہجری میں جب ان اسلام دشمن اہل مذاہب نے، عباسی خلافت پر زوال وادبار کے سائے لہراتے دیکھے، تو یہ بوتل کے جن کی طرح لہرا کر باہر نکل آئے، اور اپنی بکھری ہوئی طاقت منظم کر کے مسلمانوں سے وہ علاقے واپس لینے کی تگ و دو شروع کر دی، جو مسلمانوں نے دور ترقی میں فتح کر لئے تھے، چنانچہ ۴۹۰ھ میں انہوں نے بیت المقدس پر غلبہ حاصل کر لیا، اور فتح کے نشے میں وہاں کے باشندوں کو جس وحشت و سفاکی کے ساتھ ذبح کیا وہ تاریخ بہیمیت کا ایک خونی اور نہایت لرزہ خیز باب ہے، اس زمانے میں ان مذہب

مذہب پرستوں کے قریب سے تہذیب و شائستگی اور انسانیت کان لپیٹ کر نکل گئی۔
چھٹی صدی ہجری میں یہ سیاسی کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ گئی، عیسائی حکمرانوں نے صلیب کے نام پر متحد ہونا، اور عوام کو جنگ کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا، مقدس جنگ کے نام پر سارے یورپ میں تہلکہ مچ گیا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے جنگ کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، جب اسلام کے خلاف یہ سیلاب بلا اٹھ رہا تھا، اس وقت مصر میں عبیدی خاندان کی حکومت تھی، جو قوت و شوکت کھو کر زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی۔ اور ۵۶۷ھ میں ختم ہو گئی۔ اسکے آخری خلیفہ العاضد نے جب محسوس کیا کہ پورے یورپ کا مقابلہ اسکی بساط سے باہر ہے، اور بغداد کی عباسی حکومت بھی اس امڈتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے، تو اس نے سلطان نور الدین العادل المحمود زنگی رح کو لکھا کہ وہ صلیبیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوں۔
سلطان کو اللہ تعالیٰ نے اس دور زوال میں تثلیث پرستوں کے ساتھ ٹکر لینے کی سعادت عطا فرمائی چنانچہ نو لاکھ صلیبیوں کے ساتھ آپ کا تصادم ہوا جسکی آہنی اور عددی قوت کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ سلطان نے پاش پاش کر دیا۔ عہ
اہل صلیب کا نشہ ہرن ہو گیا، اور وہ جان گئے ابھی مسلمانوں کے فولادی بازوؤں میں دم خم ہے اور حیدری قوت کے وارث، انکی کمر ہمت توڑ سکتے ہیں سلطان پیشقدمی جاری رکھ کر بیت المقدس واگزار کرانا چاہتے تھے، مگر موت نے مہلت نہ دی۔ سلطان معظم کی اس خواہش کی تکمیل چند سال بعد ۵۸۳ھ میں فاتح اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی نے کی اور بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔
مگر اس شان سے کہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اور ایک سو سال پہلے عیسائیوں نے اسی جگہ جس درندگی و بربریت کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا کوئی انتقام نہ لیا، یہ اسلامی رواداری انسانیت دوستی، بلندئ اخلاق اور تہذیب و شرافت کی ایسی مثال ہے، جسکے سامنے یورپ کا سر شرم و ندامت سے ہمیشہ جھکا رہے گا۔

روضۂ اطہر میں نقب زنی:-

یہ واقعہ چھٹی صدی ہجری کے اسی دور سے تعلق رکھتا ہے جب اسلام دشمنی کی مشترک قدر کو سامنے رکھ کر عیسائی حکمران متحد ہو رہے تھے۔ ۵۵۷ھ میں انہوں نے اسی سلسلہ میں سازش کی کہ مسلمانوں کے نبی کریم کا جسم مبارک روضہ اطہر سے نکال لیا جائے، کیونکہ یہی وجود مسعود مسلمانوں کی محبت کا مرکز، ان کی طاقت و روحانیت کا سرچشمہ اور کامیابی کا راز ہے، اس مقصد کے لئے انہوں نے دو مغربی عیسائی منتخب کئے اور سمجھایا کہ مدینہ طیبہ جاکر روضہ پاک کے قریب کوئی مکان کرائے پر لیں، اور نقب لگاکر تربت شریف تک پہنچ جائیں، اور اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں بے شمار زر و جواہر دے کر یہ دونوں شخص مغربی حاجیوں کے بھیس میں مدینہ طیبہ آئے اور روضۂ اطہر کے قریب ہی ایک مکان حاصل کر لیا، مساکین و غرباء اور ناداروں کو انہوں نے اس طرح نوازا کہ وہ انہیں اپنے شہر میں رحمت کا فرشتہ سمجھنے لگے، جب ان کو یقین ہوگیا کہ اہل مدینہ کو ان کی ذات کے ساتھ حسن ظن پیدا ہوگیا ہے تو انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ رات کو سرنگ کی کھدائی کرتے اور مٹی چرمی تھیلوں میں بھر کر رکھ لیتے، صبح باہر نکلتے اور جنت البقیع کی زیارت کے بہانے یہ مٹی وہاں پھینکتے اور دن بھر روضہ اطہر پر گزار دیتے۔

ان کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، تاآنکہ یہ سرنگ روضۂ اطہر کے قریب پہنچ گئی۔ اس رات بجلی اس زور سے کوندی جیسے زمین کا سینہ چیر دے گی، اور اتنا زبردست زلزلہ آیا جیسے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔

ایک رات سلطان نور الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا۔

قرار قلب حزین، پیکر نور مبین، امام الاولین و الآخرین، سرور کائنات، رحمت عالمیاں، نبی الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم تشریف لائے، طلعت زیبا پہ جلال کے آثار نمایاں تھے، آپ نے قہر آلود نگاہوں سے دو

سرخ منربی شخصوں کی طرف دیکھا، اور سلطان کو حکم دیا۔

" ان سے بچاؤ، یہ مجھے تنگ کر رہے ہیں "

یہ ہوشربا اور حیرت انگیز خواب دیکھ کر سلطان پریشان ہو گیا، اسکی تعبیر و تاویل سمجھ میں نہ آئی، پھر آنکھ لگی تو یہی منظر دیکھا، تیسری بار بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اب تو سلطان کو یقین ہو گیا کہ واقعی کوئی بات ہے، اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو بلایا، جو خلق و سیرت میں سلطان ہی کا چربہ تھے۔

" بار بار آنے والے خواب سے مطلع کیا "، وزیر نے کہا: مدینہ طیبہ میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے آپ کسی قسم کی تاخیر کے بغیر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو جائیں، تاکہ آقا علیہ السلام کے فرمان مبارک کے خلاف نہ ہو، میں بھی احتیاط کے طور پر کچھ فوج اور مال و اسباب لے کر آپکے پیچھے پہنچ جاؤں گا۔ سلطان نے چند ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی راہ لی، سولہ روز بعد یہ مختصر سا قافلہ منزل مقصود پر پہنچ گیا، سلطان نے سب سے پہلے اپنے آقا و مولا نبی مختار رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دی، صلوٰۃ و سلام کے مہکتے پھول پیش کئے اور حیران ہو کر بیٹھ گیا کہ کارروائی کا آغاز کس طرح کرے؟

وزیر جمال الدین نے دریافت کیا، " کیا آپ ان دو سرخوں کو پہچان لیں گے، جن کو آپ نے خواب میں دیکھا تھا "

سلطان نے اثبات میں جواب دیا۔

جمال الدین نے فوراً اعلان کرا دیا کہ سلطان دربار رسالت کی حاضری کے لئے آئے ہیں، اور اپنے دست مبارک سے تمام اہل مدینہ کو عطایا و ہدایا سے نوازنا چاہتے ہیں، لہذا تمام لوگ آئیں، اور سلطان کے دریائے جود و کرم سے حصہ حاصل کریں۔ "

سلطان نے آنے والوں کو مال بانٹنا شروع کر دیا، ہر سائل کو غور سے دیکھتے رہے، مگر مطلوبہ لوگ نظر نہ آئے، بڑی تشویش ہوئی، آخر وزیر نے چھان بین کی، پتہ

باقی اگلے صفحہ پر

واقعہ جسف

یہ ہراس آگین اور اندوہناک واقعہ علامہ سید شریف نور الدین علی سمہودی (م ۱۰۵۶ھ) نے اپنی مشہور تاریخی کتاب وفاء الوفاء میں "تاریخ بغداد لابن النجار، ابن سعدون اور محب طبری کی الریاض النضرہ سے بیان فرمایا ہے۔

عبیدی حکومت کے چھٹے حکمران الحاکم (۳۸۶ - ۴۱۱ھ) کے عہد میں کچھ شرارت پسند اور بے دین عناصر کو فتنہ آرائی کی ایک عجیب تدبیر سوجھی، جس نے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اور وہ بے قرار ہو کر فتنہ پردازوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ)

چلا گیا۔ دو مغربی حاجی روضہ شریف کے جوار میں رہتے ہیں، وہ نہیں آئے لوگوں نے بتایا، "وہ تو خود بڑے دولت مند اور فیاض ہیں، اہل مدینہ کو انہوں نے مالا مال کر دیا ہے، وہ آ کر کیا لیں گے؟"

مگر وزیر نے حکم دیا، انہیں بھی ضرور لایا جائے، سلطان نے ان کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، ان کی ظاہری حالت اتنی شاندار اور بزرگانہ تھی کہ شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی، مگر سلطان خواب میں ان کی حیثیت دیکھ چکا تھا، لہٰذا ان کی رہائش گاہ پر پہنچا، وہاں بھی کتابوں اور مشکیزوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا، مگر جونہی ایک جگہ مصلی اٹھایا، نیچے سے سرنگ نظر آگئی، یہ دیکھ کر سب کے ہوش اڑ گئے اور رنگ فق ہو گئے۔

بازپرس کرنے پر ان دونوں نے ساری سازش سے آگاہ کر دیا، سلطان اتنا رویا کہ حد نہ رہی۔ پھر ان کو قتل کر دیا، اور روضہ اطہر کے ارد گرد خندق کھدوا کر، پاتال تک اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا۔ تاکہ آئندہ کے لئے اس قسم کے خطرے کا امکان ہی نہ رہے۔ یہ اتنی بڑی خدمت تھی جس کو انجام دے کر سلطان کی خوشی کی حد نہ رہی، اور اس نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ایسی عظیم خدمت اس کو سونپی گئی اور حضور علیہ السلام نے اس کام کے لئے اس کو منتخب کیا۔ عمدۃ الاخبار، ۱۲۸

کیفر کردار تک پہنچادیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں کہ :۔ ؏ے

کچھ زندیق اور بے دین لوگ حاکم کے پاس آئے، اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ مدینہ کی طرف ساری مخلوق کا رجوع ہے۔ تم مصر میں ایک مقبرہ تیار کرا کے روضۂ اقدس کے مکینوں کے اجسام یہاں منگا کر دفن کر دو، اس طرح ساری اسلامی دنیا میں تیرا شہرہ ہو جائے گا اور لوگ زیارت کے لئے یہاں آنا شروع کر دیں گے۔

فسادی ذہن اور بے دین طبیعت رکھنے والے حاکم کو یہ بات بھاگئی، اس نے ایک شاندار مقبرہ تیار کرنے کے احکام جاری کر دیئے، شب و روز کی مسلسل محنت کے بعد بہت جلد ایک مقبرہ نما عمارت وجود میں آگئی، اب نازک ترین مرحلہ اگلا تھا، اس کام کے لئے اس نے ایک شخص کو تیار کیا جس کا نام ابوالفتوح تھا،

ابوالفتوح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جب اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے مدینہ طیبہ پہنچا تو اسکا ارادہ معلوم کر کے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی، اور پروانہ وار امڈ آئے، اور اس مذموم ارادے سے روکا۔ لوگوں کی محبت وارفتگی اور بے مثال عقیدت دیکھ کر ابوالفتوح کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ ایک انتہائی ذلیل حرکت کے لئے آمادہ ہو کر آیا ہے۔

اس نے عوام کے خوف سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مگر ابن سعدوں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے مشتعل ہو کر اسکے تمام ساتھیوں سمیت اسے قتل کر دیا۔

؏ے حاشیہ

مصر میں عبیدی حکومت ۳۶۲ھ میں قائم ہوئی، اور ۵۶۷ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا اس کے کل چودہ حکمرانوں نے حکومت کی، جو سب شیعہ تھے، اور فاطمی خلفاء کہلاتے، مگر علامہ سیوطی نے ان کی حکومت کو الدولۃ الخبیثہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ ان کا نسبی طور پر اس عظیم ہستی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا، بلکہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی خاطر انہوں نے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس خاندان کے ایک حاکم،

باقی حاشیہ آگے

محب طبری کی روایت ہے۔

اس وقت روضۂ اقدس کے خادم خاص حضرت شمس الدین صواب تھے، جو خدمت کے تمام فرائض انجام دیتے تھے، ایک روز ان کے دوست نے آکر بتایا، آج امیر کے پاس کچھ لوگ آئے تھے انہوں نے امیر کو آمادہ کرلیا ہے کہ روزۂ اقدس سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور جناب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اجسام مبارک نکال کرلے جائیں، شیعہ ہونے کی وجہ سے امیر نے یہ بات مان لی ہے۔ اور انہیں اجازت دیدی ہے کہ رات کے وقت آکر اپنے مقصد کی تکمیل کرلیں اب کچھ ہی دیر بعد امیر کے احکام آپ تک پہنچ جائیں گے۔

بقیہ حاشیہ

عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کی ہجو کہی اور اس کے نسب پر نامناسب اعتراضات کئے، اموی خلیفہ نے جواب دیا۔ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا، اس لئے تو نے دل کی بھڑاس نکال لی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری ہجو کہتے۔ یہ انتہائی ذلت آمیز جواب تھا، جس میں ان کے مجہول النسب ہونے پر کھلی تعریض تھی مگر العزیز عبیدی اس کا کوئی جواب نہ دے سکا جو ان کے فاطمی نہ ہونے کا کھلا ثبوت ہے

عباسی خلیفہ القادر نے بھی اسی قسم کی ایک دستاویز تیار کی تھی جس میں تحریر تھا کہ عبیدی حکمران نسبی لحاظ سے فاطمی نہیں ہیں۔

اس خاندان کا چھٹا حکمران الحاکم، بڑا ہی خبیث النفس، بدنہاد، شیطان سیرت اور بندہ ہوس تھا، امام سیوطی نے اسکے متعلق چند الفاظ میں سب کچھ بیان کردیا ہے۔

والحاکم بامر ابلیس لا بامر اللہ وناهیک بما فعل [تاریخ الخلفاء ۳۹۵]

(خود کو حاکم بامر اللہ کہلانے والا حقیقت میں حاکم بامر ابلیس تھا، اسکی ابلیسیت سے آگاہ ہونے کے لئے وہی کچھ جان لینا کافی ہے، جو اس نے کیا۔)

واقعۂ خسف اسی کے دورِ اقتدار میں پیش آیا، جو اسکی خباثت و بدباطنی اور اعتقادی گندگی کا زندہ ثبوت ہے۔ اور اِسکے ماتھے کا وہ سیاہ داغ ہے جو کسی پانی سے نہیں دھویا جاسکتا۔

حضرت صواب نے جب یہ بات سنی تو غم سے نڈھال ہو گئے، سب کچھ بھول گیا اور آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، اتنے میں امیر کا فرستادہ آیا کہ اگر رات کو کچھ لوگ آئیں تو آپ روضۂ اقدس کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں اور انہیں کسی بات سے نہ روکیں۔ اس حکم نے یقین دلا دیا کہ بات سچی ہے اور واقعی یہ منصوبہ تیار کر لیا گیا ہے رونے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا، لہذا بلک بلک کر رونے لگ گئے، تن بدن کا ہوش نہ رہا، رات ہوئی تو حرم شریف کا دروازہ کھٹکا، یہ اٹھے اور دروازہ کھولا، باہر کچھ لوگ اوزار اور شمعیں لے کر کھڑے تھے، انہوں نے اندر آنا شروع کر دیا چونکہ جناب صواب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر چوٹ لگی ہوئی تھی، ان کے عزائم سے آگاہ تھے اس لئے ان کو گننا شروع کر دیا، وہ چالیس آدمی تھے۔ ابھی حجرہ شریف کے نزدیک بھی نہیں پہنچے تھے۔ کہ جناب صواب نے وہ منظر دیکھا جو ہوشربا اور عبرتناک تو تھا مگر جناب صواب کی منشاء و آرزو کے عین مطابق تھا۔ حضرت صواب کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور بے قرار دل تسکین پا گیا۔

ہوا یہ کہ وہ چالیس بدکردار ناپاک قدموں کے ساتھ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ زمین پھٹی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سما گئے، اور نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

جب صبح اہل مدینہ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو انہوں نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا اور اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں صلوۃ والسلام کے پھول پیش کرنے کے لئے پروانہ وار امڈ آئے یہ

ان کے لئے عید سے کئی گنا بڑھ کر خوشی کا دن تھا، جسے انہوں نے روضہ اقدس پر حاضری دے کر منایا ان لوگوں کے زمین میں دھنسنے کی جگہ پر ایک پختہ نشان بنا دیا گیا تاکہ اس عبرتناک واقعہ کی یاد تازہ رہے، اور اہل دل اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی شان اعجاز سے واقف ہوتے رہیں، چنانچہ آج تک وہ عبرت کا نشان موجود ہے، جو دھنسنے والوں کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے

آٹھواں باب

گنبد خضراء کی زیارت

- زیارت کا ثواب اور فضیلت
- قرآن پاک سے دلائل
- احادیث سے دلائل
- صحابہ کرام کی حاضری
- ائمہ اربعہ کے اقوال

چند شبہات کا ازالہ

- لا تجعلوا قبری عیدا کا جواب
- لا تجعل قبری وثنا یعبد کا جواب
- لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد کا جواب



زیارت کا ثواب اور فضیلت

دلِ مسلم میں عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جو شمع کافوری فروزاں ہے وہ نہ بجھ سکتی ہے، نہ بجھائی جا سکتی ہے۔ اسی کی دلنواز روشنی، سینۂ مسلم کو منور و تاباں اور زندگی کی تیرہ و تار راہ کو روشن کئے ہوئے ہے، یہی اس فقیر حرم کی متاعِ بے بہا ہے اور اسی سے وہ غریبی میں امیر ہے۔

اس عشق اور اس کی واردات کی تاریخ بڑی قدیم ہے، صحبتِ نبوی سے فیض یافتہ دلدادگانِ وفا سے یہ رسمِ عشق چلی ہے۔ اور نورانی و حیات افروز تقاضوں سمیت تمامتر دلنوازیوں اور لطافتوں کو اپنے جلوہ بار جلو میں لئے بصد ناز و ادا، ان کے معنوی اور ہم مشرب و ہم جرعہ بیدہ کاروں تک پہنچی ہے۔

جب صحابہ کرام میں سے کوئی زیارت کے لئے بے قرار ہوتا، تو پیاسی اور اداس آنکھوں کو تازگی بخشنے کے لئے اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا۔ طلعتِ زیبا کی ایک ہی جھلک اسے قرار و سکون بخش دیتی اور وہ حیات تازہ لے کر دوسری ملاقات تک کے لئے روانہ ہو جاتا، یہی ان عاشقانِ باصفا کا دستور تھا اور یہی ان کی لازوال محبت کی ریت تھی بعد میں آنے والے بادہ عشق کے سرمستوں کے لئے یہ قرار بخش اور حیات افروز سہولت ممکن نہ تھی، پیکرِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ دلنوازی اور خوئے بندہ پروری سے بعید تھا کہ زمانۂ مابعد کے اہلِ عشق اور وفا پیشہ اربابِ محبت کو اس نعمتِ عظمیٰ سے حسی یا معنوی طور پر اپنے جذب و شوق کے مطابق حصہ حاصل کرنے سے محروم رکھا جاتا، چنانچہ تسکینِ قلب و روح کے متلاشیوں اور جویائے نعمتِ دیدار کے لئے یہ فرحت افزا خوشخبری سنا دی کہ

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ١؎

اور ایک روائت میں ہے۔

فکانما زارنی وانا حیّ ٢؎

یعنی جس نے میرے وصال فرمانے کے بعد بھی میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

یہ واضح اشارہ تھا کہ بے قرار و مضطرب اور سکون و قرار سے محروم، غلط راہوں پر بھٹکی ہوئی روحوں کو یہاں آکر ویسے ہی سکون و قرار نصیب ہوگا۔ جو آپ کی حیات ظاہری میں حاضر ہونے والوں کو حاصل ہوتا رہا ہے۔ انہیں تسکین بھی نصیب ہوگی اور لذتِ دیدار کی دولت فراواں بھی!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ پاک سے، بعد والے عشق پیشہ امتیوں کے دل کی دھڑکنیں اور محبت کی بے قراریاں پوشیدہ نہ تھیں، ان کے عشق کی انتہا اور عظمت سے بھی آپ واقف تھے یہ

بھی علم تھا کہ شراب وصل و زیارت کے بغیر ان کے بے قرار و سیماب کیفیت جذبے کی تسکین نہیں ہو سکے گی، اس لئے ان کو تسلی اور دلدہی کی خاطر بتا دیا۔ وہ روضۂ اطہر پر آ جائیں گے تو ان کے دل کی حسرت و تمنا اور مراد پوری ہو جائے گی، وہی کیفیت و حالت نصیب ہوگی جو زندگی میں حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوا کرتی تھی، اور وہ خاطر خواہ طمانیت و آسودگی محسوس کیا کریں گے۔

بلکہ محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقوں کا ذوق تیز تر کرنے کے لئے، زیارت کا اس دعوے کے ساتھ شوق دلایا کہ جو خالص زیارت اور روضۂ اقدس پر حاضری کی نیت سے آئے گا، اسے دنیا و آخرت کی بے شمار عزتیں نصیب ہوں گی۔ ہم اس کی شفاعت کریں گے، اس کے حق میں شہادت دیں گے۔ اور وہ قیامت کے روز ہر قسم کے خوف و خطر سے بالاتر، اس طرح ہمارے دامان کرم کے نیچے ہوگا، کہ اسے کوئی تشویش و افسردگی اور فکر دامنگیر نہیں ہوگی

١؎ شفاء السقام، ٣٢ بحوالہ دارقطنی : ٢؎ شفاء السقام، ٣٥

من زار قبری وجبت له شفاعتی [3]

دوسری روائت میں ہے۔

حلت له شفاعتی [4]

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔

من زارنی بالمدینة محتسبا کنت له شفیعا وشهیدا [5]

جس نے ثواب کی نیت سے، مدینے میں میری زیارت کی، میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا، اور شہادت دوں گا۔

من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة [6]

"جس نے قصداً اور نیت کر کے میری زیارت کی، وہ قیامت کے روز میری پناہ میں ہوگا" ان احادیث میں محتسبا اور متعمدا کے کلمات، بڑے معنی خیز اور قابل غور ہیں جن کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ زیارت کے لئے آنا، تسکین قلب و روح کا سامان ہی نہیں، بلکہ باعث اجر و ثواب بھی ہے، کسی صاحب نسبت سچے امتی کو اس سعادت کبریٰ کے حصول میں کبھی غفلت و بے نیازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

چنانچہ آپ نے ایسے بدبختوں اور ازلی محروموں کی ستم گری، رونگٹے کھڑے کر دینے والی جفا کاری ان کی سنگدلی اور بدنصیبی سے آگاہ کر دیا، جنہوں نے استطاعت و توفیق کے باوجود، اس سعادت و فلاح کے حصول کی کوشش نہیں کرنا تھی۔ فرمایا:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی [7]

جس نے فریضہ حج ادا کیا، مگر میری زیارت کے لئے نہ آیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

من وجد سعة ولم یفد الیّ فقد جفانی [8]

جس نے گنجائش ہوتے ہوئے میری طرف کا سفر نہ کیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

ما من احد من امتی له سعة ثم لم یزرنی فلیس له عذر [9]

میرے جس امتی کے پاس دولت و وسعت تھی، پھر بھی اس نے میری زیارت

---

[8] شفاء السقام، ۳۹ بحوالہ اخبار المدینہ : [9] شفاء السقام ۳۷ بحوالہ الدر الثمینہ فی فضائل المدینہ

نہ کی تو اس کا کوئی عذر مسموع اور قابل قبول نہیں ہوگا۔

من لم یزر قبری فقد جفانی [۱۰]

جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی، تو اس نے مجھ پر ستم ڈھایا

زیارت سے پہلوتہی، غفلت اور سستی کرنے والوں کو مختلف اسالیب میں یہ انذار و وعید، زیارت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے آپ نے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور ہر پہلو پر روشنی ڈال کر بتادیا، کہ حیات پاک میں، اور بعد میں، اور روضہ اطہر پر، اور نیت وارادہ کے ساتھ، ہر صورت میں آنا جائز ہی نہیں، بلکہ اہل دل اور اہل ایمان کے لئے ضروری بھی ہے اور روضۂ اطہر کی زیارت بہر صورت سعادت و فلاح کا باعث اور نجات و شہادت کی ضامن ہے۔

احادیث کے یہ ارشادات ایک معجزے سے کم نہیں، معلوم ہوتا ہے نگاہ نبوت کے سامنے مستقبل کے کچھ ٹیڑھے میڑھے بے ہنگم ہیولے تھے، جن کی دراز دستی اور جعلسازی سے آپ آگاہ تھے، اور اپنی امت کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ و باخبر رکھنا چاہتے تھے، اس لئے پہلے ہی ہر پہلو کی وضاحت کر دی اور بتادیا میری زیارت ہر طرح اور ہر زمانے میں جائز ہے، اتنی تفصیلات اس لئے بیان فرمائیں تاکہ اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے، اور زیارت کے لئے آنے والے کسی دغاباز منافق کی دسیسہ کاری اور وسوسہ اندازی میں الجھ کر اس سعادت سے محروم نہ رہیں، بلکہ ہر باطل خیال دامن سے جھٹک کر اور ہر دشمن کی باتیں نظر انداز کر کے پروانوں کی طرح اور عشق سے لبریز دل لے کر آتے رہیں اور شوق فراواں اور محبت کی جزا پاتے رہیں۔

آنے والے ابواب تشکیک و دسیسہ کاری اور وسوسہ اندازی کے ایسے ہی پردے چاک کرنے کے لئے مختص ہیں تاکہ قرآن و احادیث اور اکابر کے نظریات اور عقلی دلائل سے مسئلہ زیارت کی وضاحت ہو جائے، اور ایمان و اعتقاد کے تن نازک سے وہ تمام کانٹے نکل جائیں جو شکوک و شبہات کی صورت میں پیوست ہو کر اس نورانی پیکر کا نازنین جگر چھلنی کرتے رہتے ہیں۔

---

[۱۰] شفاء السقام ۳۹ بحوالہ الدر الثمینہ فی فضائل المدینہ

قرآن پاک سے دلائل

قرآن پاک نے بتایا ہے کہ مسلمان کے لئے گناہ اور ظلم و زیادتی کے سیاہ داغوں سے پاک ہونے اور نجات حاصل کرنے کا دارومدار تین باتوں پر ہے۔

(الف) دربار نبوی میں حاضری دے۔

(ب) رب تعالیٰ سے طلب مغفرت کرے۔

(ج) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لئے سفارش و شفاعت اور طلب مغفرت فرمائیں۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۱۱ے

اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر لیں تو آپ کے پاس آجائیں۔
پھر رب تعالیٰ سے طلب مغفرت کریں۔
اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے طلب مغفرت کریں۔
تب وہ اللہ تعالیٰ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری میں ظالم و خطاکار آپکے دربار میں حاضر ہوکر اس صلائے عام اور سہولت سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ سینوں کے داغہائے سیاہ کے ساتھ حاضر ہوتے، تائب ہوکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استغفار کراتے اور تزکیۂ نفس و تطہیرِ روح و ضمیر کی نعمت لے کر شاداں فرحاں، کامیاب و بامراد لوٹ جاتے اس نورانی و روحانی فیض کے لئے ضروری تھا کہ قیامت تک ساری امت کے لئے جاری و عام رہے اور حاضر ہونے والے مغفرت و بخشش کے موتیوں سے جھولیاں بھرتے رہیں اس

۱۱ے القرآن الکریم، ۴، ۶۴

کی واحد صورت یہی تھی کہ جو بھی دربارِ نبوی میں حاضر ہو، سرکار اس کے لئے دُعائے مغفرت فرمائیں، تاکہ وعدۂ الٰہی کے مطابق پہلی دو شرطیں پوری ہونے پر جب تیسری شرط پوری ہو تو نصاب مکمل ہو جانے کے سبب آنے والا بخش دیا جائے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم نوازی فرمائی اور قیامت تک مسلمانوں کے لئے دعا کرنے اور تیسری شرط ہمیشہ پوری کرتے رہنے کا وعدہ فرما لیا، تاکہ زائر کے ذمہ صرف آنا اور دعا کرنا رہ جائے جونہی روضۂ اقدس پر پہنچے اور دعا کرے اسے یقین آجائے کہ بخش دیا گیا ہے۔

آپ کا ارشادِ عالی ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم، تعرض علی اعمالکم فما رایت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رایت من شر استغفرت لکم [12]

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے، میری ممات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے نیکیاں دیکھ کر میں اللہ کریم کی حمد کروں گا، اور گناہ دیکھ کر تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

دراصل آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ بتا دیا کہ ہمارے دربار میں آنے کے لئے ظاہری حیات کا زمانہ خاص نہیں ہے کہ زندگی مبارک میں تو گنہ گار اس رعائت سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اور بعد والے اس رعائت و سہولت سے محروم کر دیئے جائیں۔ بلکہ سمجھا دیا کہ امت کے لئے استغفار کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ چنانچہ جو امتی بھی دربار پر حاضر ہو کر رب تعالیٰ سے معافی مانگے گا، تو ہم بھی اس کے لئے استغفار کریں گے، اور یقینی طور پر وہ تینوں امور متحقق ہو جائیں گے، جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے، اور وہ شخص بخشا جائیگا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیات ہیں، جس طرح زندگی میں کوئی گنہ گار آپ کے دربار میں جاتا تھا آج بھی اس کا جانا ایسا ہی ہے اور بعینہ آیت پر عمل ہے خود آپ کا ارشادِ عالی ہے:

---

12 البدایہ والنہایہ، 5: 275

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی وانا حی ۱۳؂

"جس نے حیات ظاہری کے بعد میری زیارت کی، تو یہ ایسا ہوگا۔ گویا میری زندگی میں زیارت کی" حیات نبوت کے متعلق آپ کے واضح ارشادات ہیں۔

نبی اللہ حی یرزق

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ۱۴؂

اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے

خدا نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔

ان احادیث کی روشنی میں

تمام اکابر امت کا یہی نظریہ ہے کہ زمین کو اجسام نبوت کے اندر تصرف و تجزیہ کرنے کی قدرت نہیں، وہ حیات اولی کی طرح، بلکہ اس سے بھی برتر و اعلی صورت میں زندہ پائندہ اور صاحب تصرف و بااختیار ہیں اور ان کا احترام پہلے ہی کی طرح واجب و لازمی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرتے دیکھا، تو بلا کر فرمایا:

تم کون ہو؟

معلوم ہوا، مسافر ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم مقامی ہوتے تو درے سے کھال ادھیڑ دیتا، تمہیں اتنا بھی احساس و شعور نہیں کہ یہ مسجد نبوی ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آرام فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہمسائے نے دیوار میں کیل ٹھونکنا شروع کیا جس کی دھمک حجرۂ انور تک آئی، تو آپ نے فوراً کہلا بھیجا۔

لاتوذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء و تکلیف مت دو۔

خلیفہ ابو جعفر منصور...... نے دربار نبوی کی حاضری دی، تو اسے جناب امام مالک سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اس نے سواری بھیجی مگر آپ نے احترام مدینۂ نبوی کو ملحوظ

۱۳؂ شفاء السقام ۳۵ - ۱۴؂ شفاء السقام ۳۵۰

رکھتے ہوئے سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ اور مریض ہونے کے باعث دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں آئے۔

خلیفہ، بلند آواز سے باتوں میں مصروف تھا، امام مالک رضی اللہ عنہ کے جذبۂ عشق اور ولولۂ حق و صداقت نے یہ توہین برداشت نہ کی، شوکت شاہی کو نظر انداز کر کے اسی وقت متنبہ کیا۔

قرآن پاک نے اس دربار میں آواز دھیمی رکھنے کا حکم دیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم [۴۹ : ۲]

اور جن لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا، ان کی تعریف کی ہے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم [۴۹ : ۳]

یعنی نوید جانفزا سنائی ہے کہ ایسے تقوی شعار خوش بختوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور جن لوگوں نے عمل نہ کیا، ان کی مذمت فرمائی ہے، اور انہیں بے عقل قرار دیا ہے۔ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون [۴۹ : ۴]

خلیفہ اس کلمۂ حق اور بیان صافی سے بہت متاثر ہوا فوراً سنبھل گیا اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

"روضۂ اطہر کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پشت کر کے دعا کروں یا اس کے برعکس، قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟"

جناب امام مالک نے ایمان افروز اور مبنی بر حقیقت جواب ارشاد فرمایا:

تم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف، کس طرح پشت کر سکتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے اور باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔

ان کی طرف منہ کر کے رب تعالیٰ سے دعا کرو، اور آپ کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ [15]

ان حرمته میتا کحرمته حیا

جس طرح حیاتِ اولیٰ میں آپ کی حرمت لازم تھی، وہ اب آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی لازم ہے

(ب) قرآنِ پاک نے بتایا ہے حضور علیہ السلام کے دربار میں آنے اور استغفار کرانے سے منافقین بدکتے تھے۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رؤسھم

ورایتھم یصدون وھم مستکبرون [16]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے، کہ دربارِ نبوی میں آؤ! "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے استغفار کریں گے۔ وہ یہ سن کر، سر موڑ کے چل دیتے ہیں، تم دیکھو گے ان کے اس اعراض میں، غرور و تکبر کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین

یصدون عنک صدودا — [17]

جب ان سے کہا جاتا ہے، خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ۔

تو تم دیکھتے ہو، منافقین منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

(۳) واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا

حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا [18]

"جب ان سے کہا جاتا ہے، خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ!

تو جواب دیتے ہیں: جس عقیدے پر اپنے آباء کو کاربند پایا ہے، وہی ہمیں کافی ہے" ان آیات کی روشنی میں مومن اور منافق کے طرزِ عمل کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ

---

[15] شفاء السقام، ۶۹ : [16] القرآن، ۶۳: ۵ - [17] القرآن، ۴: ۶۱

[18] القرآن، ۵: ۱۰۴

مومن اس دربار میں آنا اور استغفار کرانا عار نہیں سمجھتا، بلکہ ادب واحترام اور حسنِ اعتقاد کے تمامتر جذبے کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کی مغفرت سے حصہ پاتا ہے۔

اس کے برعکس، منافق کو اس حاضری میں سبکی و ذلت اور بدعت محسوس ہوتی ہے، وہ پیکرِ غرور و تکبر یہاں آنا، کسرِ شان اور اپنی حیثیت کے منافی سمجھتا ہے، چنانچہ نتیجتاً وہ اس دولت سے بھی محروم رہتا ہے۔ جو یہاں آنے والوں کے حصہ میں آتی ہے غالباً محروم ازلی ہونے کے باعث ہی یہاں آنا گوارا نہیں کرتا۔

(ج) دربارِ نبوی کی حاضری کو پسند نہ کرنے والی منافقت کے ڈانڈے شیطنت سے بھی مل جاتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کریم صراطِ مستقیم ہے جو آپ تک پہنچ گیا وہ صراطِ مستقیم پاگیا، اور شیطان صراطِ مستقیم ہی سے روکتا ہے۔ اس نے روزِ ازل کہا تھا

لاقعدن لهم صراطک المستقیم [19]

میں انہیں صراطِ مستقیم سے روکنے کے لئے راہ مل کر بیٹھ جاؤں گا۔

گویا جو دربارِ نبوی میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ وہ شیطان کا مقصد پورا کرتا ہے یا خود شیطان اور اس کا نمائندہ ہوتا ہے۔

(د) دربارِ نبوی کی زیارت و حاضری کے لئے اس آیتِ کریمہ میں بڑا ہی حسین اور لطیف اشارہ موجود ہے۔ جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بڑی گنجائش و وسعت پائے گا۔ ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ [20] یعنی اسے زمین میں کہیں تنگی محسوس نہ ہو گی۔ ایمان کی حفاظت و سلامتی کے لئے ہجرت کرنے اور آبائی سرزمین چھوڑنے والے کی دستگیری، اللہ کریم خود کرے گا، اور اسے بہتر اجر و ثواب سے محروم نہیں رکھے گا۔

جب یہ آیت کریمہ اتری تو مکہ میں موجود ایک ضعیف و مریض مسلمان کی روح تڑپ اٹھی، جذبۂ غیرت ایمانی بیدار ہو گیا، اس نے اپنے بیٹوں سے کہا:

---

[19] القرآن، ۷: ۱۶، [20] القرآن ۴: ۱۰۰

میں کفار کی سرزمین میں نہیں رہوں گا۔ تم مجھے مدینہ منورہ، حضور علیہ السلام کے دربار میں لے چلو۔

سب بچوں نے اس کی پاکیزہ خواہش کا احترام کیا اور اس کے حکم کے مطابق لے کر چل دیئے، مگر مقام تنعیم پر اس کا وصال ہو گیا۔

کفار ومشرکین اور منافقین نے مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ بوڑھے نے اتنی مصیبت بھی اٹھائی، مگر مقصود پھر بھی حاصل نہ کر سکا، اس کی ساری محنت ومشقت رائیگاں گئی۔

اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ومن یخرج من بیتہٖ مہاجرا الی اللّٰہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہٗ علی اللّٰہ ۲۱ے

اور جو خدا اور اس کے رسول کی طرف مہاجر بن کر نکلے گا، پھر اسے راستے میں موت آ لے گی تو (اس کا یہ سفر اکارت نہیں جائے گا) بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اجر وثواب ملے گا۔

اس آیت کریمہ کے کلمات بڑے ہی معنی خیز ہیں، مرنے والے کے اجر وثواب کے استحقاق کا ذکر کرتے ہوئے، قیامت تک کے مہاجرین اور زائرین کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ یعنی آیت میں ومن یخرج کے کلمات ہیں، جن کا مطلب ہے اجر وجزا کا مستحق ہونا اس مرنے والے ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ بعد میں بھی جو زیارت کے لئے آئے گا۔ اس کی بھی یہی شان ہو گی۔

کیونکہ اگر اسی ایک آدمی کا حکم بیان کرنا مقصود ہوتا، تو عبارت یوں ہوتی: ومن خرج من بیتہ مہاجرا الی اللّٰہ ورسولہ ثم ادرکہ الموت۔

مگر عبارت قرآن میں مضارع کے صیغے ہیں جو اس حقیقت کبریٰ سے نقاب سرکاتے ہیں کہ قیامت تک زیارت نبوی کا سلسلہ جاری رہے گا، اور آنے والوں کو تواب ورحیم کے خزانے سے اجر وثواب ملتا رہے گا۔

۲۱ے القرآن، ۴: ۱۰۰

احادیث سے دلائل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے سے آپ کی اس سنت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر شہدا اور مسلمانوں کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے احادیث میں اس سلسلہ کی تفصیلات جزئیات سمیت موجود ہیں، جنکے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکارہ ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام کی قبور کی زیارت کے لئے جانا، اپنے اعزہ واقارب اور احباب کے پاس جانے کے مترادف ہے اور ایک اسلامی شعار وطریقہ ہے، جس سے مسلمانوں کے ایک خاص زاویہ نگاہ اور عقیدے کا اظہار ہوتا ہے، اور اہل قبور کے بارے میں ان کی زندگی اور شعور کے نظریئے پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ اپنے زائر کی آمد سے آگاہ ہوتے، اور اپنائیت کے اظہار سے لذت و انس محسوس کرتے ہیں، اور مسرت محسوس کرنے کے ساتھ انکے لئے نیک خواہشات کے ساتھ دُعاگو بھی ہوتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے قبرستان پہنچ کر انہیں سلام کہنے کے لئے جو الفاظ تعلیم فرمائے ہیں، ان سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے، ایک بے شعور جامد شے کو سلام کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ قبرستان میں حاضری جائز ہے اور اس کے باقاعدہ آداب ہیں کہ سلام کے بعد کسی قبر کو نہ روندے نہ ٹیک لگائے اور نہ بے حرمتی کرے۔ ان آداب وضوابط اور اس رکھ رکھاؤ کی تعلیم ہی قبور کی زیارت کے بارے میں نبوی رہنمائی اور فیصلے سے باخبر کر دیتی ہے۔

زیارت قبور کے سلسلہ کی احادیث اور واقعات یہ ہیں۔

(۱) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم۔ فنعم عقبی الدار وکذا کان یفعل ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم ۱؎

۱؎ روح المعانی، ۷: ۱۲۵

حضور ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لاتے تھے، اور فرماتے!

تم پر سلام، جو تم نے صبر کیا، دار آخرت بہترین اور شاندار ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو دستور کے مطابق پہلے سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے گئے

خرج یوما فصلی علی اهل احد صلاته علی المیت ثم انصرف الی المنبر[2] صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی قتلی احد بعد ثمانی سنین کالمودع للاحیاء والاموات[3]

حیات مبارکہ کے بالکل آخری ایام میں آپ احد پر تشریف لے گئے، جبکہ ان حضرات کو شہید ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے۔ اس بار آپ نے ان محبوبوں کے لئے، اس درد وسوز اور انہماک و محویت کے ساتھ دعا کی، جیسے کوئی فوت ہونے والا اپنے پس ماندگان کو الوداع کہتا ہے۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نرید قبور الشهداء حتی اذا اشرفنا علی حرة واقم، فلما تدلینا منها فاذا قبور بمحنیة قال قلنا: یارسول اللہ! اقبور اخواننا هذه؟ قال قبور اصحابنا، فلما جئنا قبور الشهداء قال: هذه قبور اخواننا۔

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبور شہداء کی زیارت کرنے کے ارادے سے نکلے، یہاں تک کہ موضع واقم کے ریگ زار علاقہ میں جا پہنچے جب بلندی سے نیچے اترے تو ایک طرف قبور دکھائی دیں۔

ہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ! یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟

آپ نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔

پھر جب ہم قبور شہداء کے پاس پہنچ گئے، تو آپ نے فرمایا! یہ ہمارے بھائیوں

---

[2] بخاری، ۱۷۹ : [3] بخاری، ۵۷۸

کی قبریں ہیں۔ ۴ے

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابومویہبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

طرقنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ، فقال: یا ابا مویھبہ! انطلق، استغفر، فانی قد امرت ان استغفر لاھل البقیع فانطلقت معہ، فلما بلغ البقیع، قال: السلام علیکم یا اھل البقیع لیھن لکم ما اصبحتم فیہ۔ لو تعلمون ما انجاکم اللہ منہ اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم، یتبع اولھا آخرھا۔ ثم قال: ان اللہ خیرنی ان یؤتینی خزائن الارض، والخلد فیھا۔ ثم الجنۃ وبین لقاء ربی عزوجل۔ فقلت، بابی انت وامی فخذ مفاتیح خزائن الارض، والخلد فیھا ثم الجنۃ۔ قال کلا، یا ابا مویھبۃ! لقد اخترت لقاء ربی عزوجل ثم استغفر لاھل البقیع ثم انصرف ۵ے

ایک دفعہ آپ رات کے وقت تشریف لائے اور فرمایا:
میرے ساتھ چل اور استغفار کر!
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں۔
میں آپ کے ساتھ چل دیا، جب بقیع پہنچے تو آپ نے فرمایا:
السلام علیکم یا اہل البقیع! جہاں تم پہنچ چکے ہو، وہ جگہ تمہیں مبارک ہو، کاش! تم جان لیتے، خدا نے تمہیں کن فتنوں سے نجات دی ہے جو شب تار کے پارہ ہائے سیاہ کی طرح لگاتار امڈے چلے آرہے ہیں۔
پھر فرمایا: اے ابومویہبہ! اللہ پاک نے مجھے اختیار دیا ہے، زمین کے خزانے لے لوں، اس میں ہمیشہ رہوں، پھر جنت میں چلا جاؤں یا ابھی وصال الٰہی کے لئے تیار ہو جاؤں۔
ابومویہبہ نے عرض کی! میرے ماں باپ قربان! آپ خزائن زمین کی چابیاں دائمی زندگی، اور جنت اختیار فرمالیں۔

۴ے ابوداؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور۔ ۲۷۹، ۵المستدرک، کتاب المغازی ج ۳: ۵۶
۵ے المستدرک، کتاب المغازی، ۳: ۵۶

فرمایا؛ ہرگز نہیں! اے ابو یہبہ! میں نے وصال الٰہی کو اختیار کر لیا ہے۔
پھر اہل قبرستان کے لئے آپ نے دعائے مغفرت کی، اور واپس تشریف لے آئے۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ مر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بمصعب بن عمیر فوقف علیہ وقال! اشھد انکم احیاء عند اللہ، فزوروھم وسلموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ السلام الی یوم القیامۃ [۶]

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں؛ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مصعب کی قبر کے قریب سے گزرے تو فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو۔
پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:
پس تم ان کی زیارت کیا کرو، اور سلام کہا کرو، مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو بھی انہیں سلام کہے گا، یہ قیامت تک اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

یہ تمام احادیث اس حقیقتِ ثابتہ کا بین ثبوت ہیں کہ سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں مزارات و قبور پر تشریف لاتے رہے۔ اور آپ نے اس فعل کو اسلامی شعار و سنت کا درجہ بخشا، اور مبارک زندگی کے آخری ایام تک قبرستانوں میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت کے لئے، سندِ جواز و سنت مل گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس اور گنبدِ خضرا کی زیارت، شرعی اعتبار سے محلِ نظر کس طرح ہو سکتی ہے؟

حضور محبوب اکرم نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کا تقاضا تو یہ ہے کہ، مسلمان سر کے بل چل کے روضۂ پاک کی حاضری دیں، پلکوں سے راہیں صاف کریں اور اسے بھی کم جانیں۔

آخر میں ایک ضروری نکتہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس سے ناواقفی بہت سی الجھنوں کا باعث بنتی ہے

---

[۶] شواھد الحق، ۸۴

وہ ضروری چیز یہ ہے کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدائی ایام میں خواتین کو صراحتاً زیارت قبور سے منع فرما دیا تھا، اور اس پر وعید بھی سنائی تھی۔

لعن اللہ زائرت القبور۔

یعنی قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔

مردوں کو بھی آپ نے یہ حکم فرمایا تھا یا نہیں، اس کی صراحت مذکور نہیں ہے البتہ قرآئن سے پتہ چلتا ہے آپ نے مردوں کو بھی ممانعت کر دی تھی، کیونکہ بعد میں جب آپ نے زیارت کی اجازت دی تو اس میں مردوں سے خطاب ہے

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ۔

یعنی میں تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، (اب یہ حکم واپس لیتا ہوں) تم قبور کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے

جب مردوں کو اجازت ملی تو اسی ضمن میں عورتوں کو بھی مل گئی۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لمعات میں صراحت کی ہے۔

قیل تعم الرخصہ للرجال والنساء ے

یہ رخصت مردوں اور عورتوں کو عام ہے۔

چنانچہ ایسے بہت سے حالات و واقعات ہیں، جن سے اسی نظریہ کو تقویت ملتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبرستان سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کو روتے دیکھا، آپ نے فرمایا۔

اتقی اللہ واصبری۔ "اللہ سے ڈر، اور صبر کر"۔

وہ عورت غم کے صدمہ سے اتنی نڈھال اور بے خود تھی کہ آپ کو نہ پہچان سکی اور ایسا جواب دیا۔ جس سے بے زاری اور بد خلقی ٹپکتی تھی۔

ے شواھد الحق، ۸۴ ، ے ابو داؤد، ۱۶۱

حضور علیہ السلام خاموشی سے تشریف لے گئے۔ بعد میں لوگوں نے اسے آگاہ کیا۔ "تمہارے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

یہ سن کر وہ عورت بہت گھبرائی اور ہراساں پریشاں دربارِ نبوی میں حاضر ہوئی اور معذرت طلب کی۔

آپ نے فرمایا: صبر وہی ہوتا ہے جو صدمہ کے آغاز میں کیا جائے، بعد میں تو قرار آہی جاتا ہے۔ ؎

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

خواتین کا قبرستان جانا ممنوع نہیں، وگرنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس عورت کو ناراض ہوتے، اس کے بعد صبر و تقویٰ کی تلقین کرتے، مگر آپ نے وعظ و نصیحت کے سوا کچھ نہ فرمایا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے ساتھ آپ نے عورتوں کو بھی اجازت دے دی تھی۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر علی المرءۃ المذکورۃ عن زیارۃ قبر میتھا، وانما امرھا بالصبر فدل علی الجواز

اس حدیث کی شرح میں قسطلانی کے خیالات بھی علامہ عینی سے ہم آہنگ ہیں۔

استدل بہ علی زیارۃ القبور سواءٌ کان الزائر رجلا او امرءۃ

اس حدیث کے ذریعہ زیارتِ قبور پر استدلال کیا گیا ہے، چاہے زائر مرد ہو یا عورت، زیارتِ قبور کی ممانعت اور رخصت کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کی تطبیق اور ان کے مسلک کا بیان فرمایا ہے۔

ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء

یعنی قبور کی زائرات پر لعنت فرمانے والی جو بات ہے، وہ رخصت سے پہلے کی ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کی اجازت و رخصت عطا فرمادی، تو اب اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔

؎ بخاری، ۱۷۱

مزید فرماتے ہیں۔ والعمل علی ھذا عند اھل العلم، لا یرون بزیارۃ القبور باساً۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے، وہ زیارت قبور میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اِس حدیث سے یہی کچھ سمجھا تھا۔
حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ان عائشۃ اقبلت ذات یوم من المقابر، فقلت لھا: یا ام المومنین من این اقبلت؟ قالت: من قبر اخی عبدالرحمان. فقلت لھا! الیس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن زیارۃ القبور؟ قالت نعم، کان نھی ثم امر بزیارتھا ۹

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔
میں نے کہا امی جان! آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟
فرمایا! بھائی عبدالرحمان کی قبر سے ہو کر آرہی ہوں۔
میں نے پوچھا: کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا ہے؟
انہوں نے جواب دیا: پہلے منع فرمایا تھا، لیکن پھر اجازت دیدی تھی۔
یہ تمام احادیث، واقعات اور دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ
مزارات و قبور کی زیارت سنت نبوی ہے، صحابہ و اکابر کا اس پر تعامل رہا ہے اس حسین و مقبول عمل میں کوئی ایسی بات نہیں، جس پر اسے ناجائز و نامشروع قرار دیا جا سکے، اس لئے مسلمانوں کے مزارات و قبور سے روکنے کی کوشش، ایک نئی راہ، مذموم بدعت، اور اسلامی شریعت و حکم کے خلاف سخت اقدام ہے، اور ایک طرح سے خداوندی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے، جس کی جرأت ایک صادق و فائق مسلمان کے شایان شان نہیں
جب عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت جائز، بلکہ ضروری و باعث اجر ہے تو گنبد خضراء کی زیارت کی فضیلت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

۹ مستدرک، ۳۷۶

صحابہ و اکابر کی حاضری

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، بعد میں آنے والے امت کے اکابرین، قدسی نفوس برگزیدہ حضرات اور عام مسلمان، ہر دور میں زیارت روضۂ اطہر کے لئے، بڑے حساس و فعال رہے ہیں، اس مقصد کے لئے بڑی لگن، خاص ذوق و شوق، حسنِ اہتمام اور عقیدت کے گہرے جذبات کے ساتھ تیاری کرتے اور دیار حبیب کی حاضری دیتے۔

اس عمل زیارت کے بارے میں، ان کے ذہن میں روشن تصورات تھے، وہ اسے باعثِ اجر و قرب، سعادت و خیر، اور خوش بختی کی اعلیٰ منزلِ مقصود سمجھتے تھے، زیارت و حاضری کے بارے میں منفی خیالات و تصورات سے ان کے پاکیزہ و نورانی ذہن یکسر خالی تھے۔

انوار و ھدی اور ملائک کی زیارت گاہ گنبد خضراء ان کی محبت فراواں اور الفت بے پایاں کا مرکز تھا، جہاں انہیں تسکین و سرور اور قرب و حضور کی نعمت نصیب ہوتی تھی۔ وہ یہاں آکر عرفان ذات کی روشنی حاصل کرتے، اور سینوں میں حقائق کی معرفت کی فروزاں قندیلیں لے کر واپس جاتے

قلب و روح کی والہانہ چاہتوں کی آماجگاہ اور نور و نکہت کی رعنائیوں کی جلوہ گاہ جو جگہ ایسی قابلِ تکریم اور عشق و محبت کی ناز آفرین ادب گاہ ہو، وہاں بے قرار محبت کی بے خودی ضبط و احتیاط، نیاز و ادب اور جوشِ عشق و گداز قلب کے کیسے پر سوز و حیات افروز مظاہر ہوتے ہوں گے، ان کا چشم خرد سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مرکز تجلیات و انوار، روضۂ اطہر پر انتہائی عجز و انکسار اور عقیدت و نیاز مندی کے ساتھ حاضری دیتے تھے اور اپنی قلبی کیفیات کا حرکات و آداب کے ذریعہ مکمل مظاہرہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔

(۱) اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوقف فرفع یدیہ حتی ظننت انہ

افتتح الصلاۃ فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم انصرف ۱۰

حضرت انس روضۂ انور پر تشریف لائے، پھر وہاں کھڑے ہو گئے، پھر سلام کرنے کے لئے اس حد تک ہاتھ اٹھائے کہ میں سمجھا، نماز پڑھنے کے لئے ہاتھ بلند کر رہے ہیں۔ اس شانِ ادب کے ساتھ انہوں نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا، پھر چلے گئے

(۲) ان عبداللہ ابن عمر کان اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ

حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر، جب بھی سفر سے واپس آتے تو روضۂ اطہر پر حاضری دیتے اور یوں سلام عرض کرتے۔

یا رسول اللہ آپ پر سلام — اے ابوبکر آپ پر سلام

اے اباجان آپ پر سلام

(۳) حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت حضرت فاروق اعظم میں حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے قاصد و پیغام رساں کی حیثیت سے روانہ کیا، اس زمانے میں آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا ہوا تھا، جب حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو دخلھا لیلا ودخل المسجد وسلم علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی قبر ابی بکر رضی اللہ عنہ

آپ رات کے وقت شہر میں داخل ہوئے، مسجد نبوی میں حاضر ہو کر پہلے روضہ اطہر پر حاضری دی اور حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کیا۔

اس حاضری، زیارت، اور سلام سے فارغ ہو کر تب آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا، لکھا تھا کہ امیر المومنین خود تشریف لے آئیں اس طرح جنگ کے بغیر فتح کے روشن امکانات موجود ہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں ہر قسم کی کامیابی نے قدم چومے، اور کعب احبار بھی اسلام سے مشرف ہوئے، جن کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی ۱۱۔

۱۰ شفاء السقام، ۷۰ ، ۱۱ شفاء السقام ۷۳

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے کہا: هل لك ان تسير معی الی المدینة وتزور قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتمتع بزیارته

کیا تم میرے ساتھ مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہو؟ تاکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کر سکو، اور اس زیارت سے روحانی نفع اٹھاؤ۔

حضرت کعب نے رضامندی کا اظہار کیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو

اول ما بداء بالمسجد وسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [12]

سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کیا۔

(۴) جاء ایوب السختیانی فدنا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستدبر القبلة واقبل بوجهه الی القبر فبکی بکاء غیر متباك [13]

حضرت ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ روضہ انور پر حاضر ہوئے، قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور روضۂ پاک کی طرف منہ کر کے اتنا روئے کہ بے خود ہو گئے۔

(۵) عاشق رسول، موذن مقبول حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی فتوحات کے بعد وہیں اقامت اختیار کر لی تھی، درد عشق اور اس کے جانکاہ صدموں نے اس پیکر عزم و استقلال اور کوہ علم و وقار کو ہلا کر رکھ دیا تھا، انہوں نے درد کا درماں اس چیز میں تلاش کیا کہ اس دیار پاک سے دور رہیں جسکے چپے چپے پر محبوب کی یاد کے دائمی نقوش ثبت ہیں اور سامنے آ آ کر زخموں کو ہرا کرتے رہتے ہیں

لیکن عاشق کا یہ فیصلہ محبوب کے دربار میں بے وفائی پر محمول کیا گیا۔

خواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو محبوب مکرم، حسن مجسم، پیکر لطف و کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا۔

ماهذه الجفوة یا بلال! اما آن لك ان تزورنی

اے بلال! یہ کیا محبوبانہ جفا ہے، وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو

---

[12] شفاء السقام، ۵۶ - [13] شفاء ۴۷

اس حسین خواب نے حضرت بلال کا سکون و قرار لوٹ لیا، رات کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں، دردِ نہاں میں شدت آ گئی، اسی وقت رختِ سفر باندھا اور دیارِ حبیب کی طرف روانہ ہو گئے۔

فحین وصل القبر صار یبکی عنده ویمرغ وجهه علیه [1]

جب روضۂ اطہر پر پہنچے تو بے محابا رونے لگے، اور اپنا چہرۂ مبارک تربت شریف پر ملنا شروع کر دیا۔ جب عالی مرتبت شہزادگان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ بلال آئے ہیں تو بھاگے آتے اور اپنی نورانی باہیں ان کے گلے میں حمائل کر دیں۔ حضرت بلال بھی ان کے ساتھ چمٹ گئے اور عقیدت و احترام کے ساتھ بوسے دیئے۔

حضرت بلال کی آمد سے صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، غمِ جاناں تازہ ہو گیا۔ وہ شب و روز نگاہوں میں گھوم گئے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں بڑی لے اور سوز کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے، بلال کو دیکھ کر سب کی طبیعت مچل اٹھی، انہی حسین دنوں کی یاد تازہ کرنے اور گردشِ ایام کے ساتھ واپس لوٹنے کیلئے بے قرار ہو گئے، شہزادوں سمیت سب نے کہا، "بلال اذان دو۔"

حضرت بلال بھی بے خود ہو چکے تھے۔ اسی عالمِ جذب و شوق میں لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اٹھے، چھت پہ جا کر اپنی مخصوص جگہ پر کھڑے ہو گئے، اور درد و کرب میں ڈوب کر اذان کہنا شروع کر دی۔ ابھی پہلے ہی دو کلمات بلند ہوئے تھے کہ مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، شناسا آواز نے دردِ دل اور سوزِ غم کو کئی گنا بڑھا دیا، در و دیوار سے گریہ و فغاں کی آوازیں اور سسکیوں میں ڈوبی ہوئی پُر درد آہیں سنائی دینے لگ گئیں جیسے سب پر غم کی قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

یہ اس نقیبِ خاص کی آواز تھی جسکے فردوسِ گوش ہوتے ہی وہ مسجدِ نبوی کی طرف اپنے محبوب کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے لئے چل پڑا کرتے تھے، اور آپ کے پیچھے عبادت کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ زیارت کی نعمت سے بھی فیض یاب و لذت

---

[1] شفاء ۵۳ ۔ شواهد الحق ۸۷

اندوز ہوا کرتے تھے۔ آج اذان بھی مگر محبوب کی زیارت کا جلوۂ حسین عام نہیں تھا، اس تصور سے سوز دروں میں اور اضافہ ہوگیا۔ اور جب بلال کی زبان سے محمدؐ رسول اللہ کے دلنواز کلمات بلند ہوتے تو کسی میں یارائے ضبط نہ رہا، آہوں کے طوفان اور آنسوؤں کے سیلاب میں قرار وصبر کی ساری قدریں بہہ گئیں اور یاد ایام وصال نے انہیں ڈھاڑیں مار کر رونے پہ مجبور کر دیا۔ اس طرح بلک بلک کر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

(۶) ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ بڑے پرسوز و دلگداز انداز میں عرض کی! یارسول اللہ! خدائے برتر نے آپ پر قرآن پاک اتارا جس میں یہ ہدایت ہے

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما [۴ : ۶۴]

اگر لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرلیں تو آپ کے دربار میں حاضری دے کر استغفار کریں، اور رسول کریم بھی ان کے لئے استغفار کریں تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

یارسول اللہ! میں گناہوں کا پشتارہ لے کر حاضر ہوگیا ہوں، اب آپ بھی میرے لئے دعا فرمائیں۔

پھر اس نے بڑے درد سے یہ اشعار پڑھے،

"یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فیه العفاف وفیه الجود والکرم"

اے سب سے بہتر، اور سراپا خیر و برکت رسول پاک!
جو اس جگہ مدفون ہیں اور ان کی خوشبو سے گردوپیش کی ساری زمین، ٹیلے اور میدان مہک اٹھے ہیں۔

اس قبر منور پر میری جان قربان! جہاں آپ سکونت پذیر ہیں۔
بے شک اسی میں طہارت وعفت اور کرم وسخاوت کی ساری نشانیں موجود ہیں۔

وہ اس عقیدت ونیازمندی کا اظہار، گریہ وزاری اور دعا کر کے چلا گیا

اس وقت ایک صاحب، عتبی وہاں موجود تھے، خواب میں آقا علیہ السلام نے انہیں حکم دیا، اس اعرابی کو جاکر خوشخبری سنا دو، کہ رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔

اس اعرابی کے دل پر درد سے نکلے ہوئے ان اشعار کو اتنی مقبولیت نصیب ہوئی کہ آج بھی اہلِ دل انہیں پڑھ پڑھ کے روتے اور محبت میں آنسو بہاتے ہیں۔

عشق نبوی کی دولت سے بہرہ ور شعراء نے ان پر تضمینیں لکھی ہیں، اور اس طرح اظہارِ محبت کے ساتھ دِل کی تسکین کا سامان کیا ہے۔ احمد بن عبدالعزیز کی یہ تضمین بڑی ہی پرکیف اور وجد آفرین ہے، جسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

اقول، والدمع من عینی منسجم
لما رایت جدار القبر یستلم
والناس یغشونه باک ومنقطع!
من المهابة اوداع فملتزم!
فما تمالکت ان نادیت من حرق!
فی الصدر کادت لها الاحشاء تضطرم

میں اشک بار آنکھوں کے ساتھ یہ شعر کہہ رہا ہوں، جبکہ روضۂ اطہر کی دیوار میرے سامنے چومی جا رہی ہے، آئے ہوئے لوگ گریہ کناں ہیں، کچھ ہیبت وجلال کے باعث دور کھڑے ہیں، کچھ چمٹ کر دعا و مناجات میں مصروف ہیں۔

یہ نظارہ کر کے میرا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا، ضبط نہ کر سکا سینے میں محبت کے جو الاؤ دھک رہے تھے، اِن کی سوزش کی بدولت بے اختیار پکار اٹھا۔

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه

اگلا بند ہے۔

وفیه شمس التقی والدین قد غربت
من بعد ما اشرقت من نورها الظلم
حاشا لوجهک ان یبلیٰ وقد هدیت
فی الشرق والغرب من انواره الامم

وان تمسک ایدی الترب لامة

وانت بین السماوات العلی المعلم [15]

اور اسی میں تقویٰ و دین کا آفتاب ہے، جس کے نور سے تاریکیاں، اجالوں میں ڈھل گئی ہیں ۔ آپ کی ذات اقدس اس سے بلند ہے کہ میلی اور بوسیدہ ہو، حالانکہ مشرق و مغرب کی تہ میں ان کے انوار سے ہدایت یاب ہو چکی ہیں ۔

اور آپ اس سے بھی پاک ہیں کہ مٹی کے ہاتھ آپ کو چھوئیں جبکہ آسمانوں کے درمیان آپ ہی کی ذات بالا قامت و عالی مرتبہ ہے ۔

عن جعفر الصادق انه کان بنفسه یزور النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ویقف عند الاسطوانۃ التی تلی الروضۃ ثم یسلم [16]

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بذاتِ خود روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے ۔ روضۂ اقدس کے پاس ہی جو ستون ہے، اس کے پاس کھڑے ہو کر سلام عرض کیا کرتے تھے ۔

(۸) روشن ضمیر اہلِ دین اور پاک باز اہل عشق کا یہ دستور بھی تھا کہ، روضۂ اطہر پر حاضری دینے والوں سے کہا کرتے تھے ''ہماری طرف سے بھی سلام عرض کرنا ۔''

سلطانِ انبیاء سے میرا سلام کہنا
امت کے پیشوا سے میرا سلام کہنا

یزید بن ابو سعید حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آئے، واپسی پہ آپ نے ان سے فرمایا، میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں ۔
''جب روضۂ اقدس پر حاضری دو تو میری طرف سے بارگاہِ رسالت میں دست بستہ سلام عرض کرنا ۔''

کسی کی طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا طریقہ یہ ہے

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ من فلاں بن فلاں

[15] شفاء السقام: [16] شواہد الحق، ۶۵

ائمہ اربعہ کے اقوال

قرآن پاک واحادیث مبارکہ اور اکابر امت کے تعامل سے جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، کہ زیارت روضۂ اقدس جائز و باعث برکت ہے، ان پاکیزہ وثقہ دلائل کی روشنی میں مسلمانوں کے چاروں فقہی مسالک نے بھی زیارت گنبدِ خضرا، کو نہ صرف جائز، بلکہ حقائق واقعات اور زوردار احکام کا لحاظ کرتے ہوئے، اس کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کسی امام نے بھی اسے غیر ضروری قرار نہیں دیا۔ بلکہ زیارت سے پہلو تہی کرنے کو ازلی محرومی اور انتہائی بدبختی سے تعبیر کیا ہے۔

فقہائے کرام کی عمیق نظر، روشن بصیرت، غیر معمولی قوتِ اجتہاد اور بے مثال فہم و فراست نے قرآنی آیات اور احادیث سے جو یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ زیارت روضۂ اقدس قربت کا درجہ رکھتی ہے اور انتہائی ثواب واجر کا باعث ہے۔

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

احکامِ زیارت سطحی نوعیت کے نہیں، جن میں صاحبِ استطاعت کو اختیار ہو، چاہے تو ان پر عمل کرے، اور اگر نہ چاہے تو بیٹھا رہے، بلکہ یہ احکام ہر لحاظ سے قوی و محکم اور حتمی و لازمی ہیں، جن کے اسالیب کے تیور دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ روضۂ پاک کی زیارت اور حاضری، وجوب و لزوم اور قطعیت کا درجہ رکھتی ہے

حنفی مسلک

علامہ کمال بن ہمام حنفی ۸۶۱ھ نے فتح القدیر میں احکام زیارت کے لئے باقاعدہ ایک باب مختص کیا ہے، جس کا عنوان ہے۔

المقصود الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"تیسرا مقصود" روضۂ اطہر کی زیارت کے بیان میں ہے"

قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ، من افضل المندوبات وفی شرح المختار

انھا قریبۃ من الوجوب

ہمارے مشائخ نے فرمایا! زیارت پاک افضل ترین مستحب ہے۔

اور شرح مختار میں ہے، دولت مندوں کے لئے تقریباً وجوب کا درجہ رکھتی ہے

والاولی فیما یتّضح عند العبد الضعیف تجرید النیة لزیارة قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اذا حصلت لہ اذا قدم نوی زیارۃ المسجد الخ

بندے کے نزدیک صرف زیارت کی نیت سے حاضری دینا زیادہ مناسب ہے چنانچہ جب حاضری کی نیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ جاتے، تو مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے۔ آگے لکھتے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ عظمت وجلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے، یہ بڑی مناسب صورت ہے اور پھر اس طریقہ سے حضور کے اس ارشاد پر بھی عمل ہوجاتا ہے۔ "جو صرف میری زیارت کے لئے آئے، کوئی اور کام نہ ہو،

اس کے لئے شفاعت کا وعدہ ہے"

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

الحنفیۃ قالوا ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات [17]

احناف نے فرمایا ہے:

زیارت افضل ترین مستحبات میں سے ہے، بلکہ قریب بدرجۂ واجبات ہے۔

فتاویٰ ابواللیث سمرقندی میں ہے۔

عن ابی حنیفۃ، الاحسن للحاج ان یبدأ بمکۃ فاذا قضیٰ نسکہ، مر بالمدینۃ وان بدأ بھا جاز

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

حاجی کے لئے احسن یہ ہے کہ مکہ سے ابتداء کرے، اور مناسک حج ادا کرے۔ مدینہ طیبہ جائے، اور اگر ابتداء ہی میں مدینہ طیبہ حاضر ہوجاتے، تو یہ بھی جائز ہے۔

الغایۃ میں حضرت ابوالعباس سروجی کا فتویٰ ہے:- اذا انصرف الحاج والمعتمرون من مکۃ فلیتوجھوا الی طیبۃ، مدینۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزیارۃ قبرہ، فانھا من انجح المساعی

---

[17] شفا، ۶۵

جب حاجی اور عمرہ کرنے والے مکہ سے لوٹیں تو مدینہ طیبہ اور روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہوں، یہی کامیاب و نفع رساں کوشش ہے۔

حنبلی مسلک

علامہ موفق الدین بن قدامہ مقدسی نے بھی احناف کی طرح اپنی عظیم کتاب المغنی میں زیارت کے لئے ایک الگ فصل قائم کی ہے، جو حنبلی فقہ کی معتبر اور ضخیم ترین کتاب ہے۔

فصل: یستحب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔اسی طرح احمد بن القاسم نے مستوعب میں الگ باب باندھا ہے باب زیارہ قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

واذا قدم مدینۃ الرسول علیہ السلام استحب لہ ان یغتسل لدخولھا ثم یاتی مسجد الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ویقدم رجلہ الیمنی فی الدخول ثم یاتی حائط القبر فیقف ناحیۃ ویجعل القبر تلقاء وجھہ [18]

یہ باب زیارت روضۂ پاک کے بیان میں ہے۔

جب مدینہ طیبہ آجائے تو زائر کے لئے زیارت کی خاطر غسل کرنا مستحب ہے، مسجد میں آئے تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے، پھر روضۂ اقدس کی چہار دیواری کے پاس آکر ایک طرف کھڑا ہو اور اپنا منہ ادھر ہی رکھے۔

قال ابوالقاسم رأیت اھل المدینۃ اذا خرجوا منھا اودخلوا اتوا القبر فسلموا وذالک رأیی [19]

ابن قاسم کا بیان ہے:

"میں نے اہل مدینہ کو دیکھا ہے، جب وہ کہیں جائیں، یا کہیں سے آئیں، تو پہلے روضہ اطہر پر حاضری دے کر سلام عرض کرتے ہیں۔ میری بھی یہی رائے ہے۔"

حضرت محبوب سبحانی، غوث صمدانی شہباز لامکانی، عارف ربانی، غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں زیارت کے باقاعدہ آداب و طریقے، سلام و درود تحریر فرما کر دعائیں لکھی ہیں، تاکہ زائر آسانی کے ساتھ، قواعد و آداب ملحوظ رکھ کر زیارت کر سکے، آپ نے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

---

[18] شفاء ۶۵، [19] شفاء ۷۱، [20] شواہد الحق ۷۵،

وان احب ان يتمسح بالمنبر تبركا به والصلاة بمسجد قباء وان ياتی قبور الشهداء والزيارة لهم فعل ذالك واكثر الدعاء هنالک ۲۰ے

"اور اگر چاہے تو تبرک کے لئے منبر پہ ہاتھ پھیرے، مسجد قبا میں جاکر نماز پڑھے۔ شہداء کے مزارات پر حاضری دے، اور وہاں خوب دعائیں کرے۔"

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کی روشنی میں علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عبدالوہاب نجدی کے دعوائے حنبلیت پر اس طرح تبصرہ فرمایا ہے۔

یہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات وعقائد ہیں، جو اہلسنت کے امام، فقہاء ومحدثین اور اولیاء کرام کے سرتاج ہیں، آپ کے بیان سے واضح ہوتا ہے حنبلی مسلک میں روضۂ اقدس کی زیارت شہداء کی قبور پر حاضری، توسل، دعا اور سلام جیسے تمام امور سے برکات وثواب حاصل کرنے کا حکم ہے جبکہ شیخ نجدی نے ان تمام اعمال کو گمراہی، فسق وفجور، اور کفر وشرک قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے حنبلی ہونے کا دعوی بھی کیا ہے، ——— حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے بیان کی روشنی میں معلوم ہوا اس کا دعوی اکذب صریح اور ناواقفوں کو دھوکا دینے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، وہ قطعی حنبلی نہیں، خود کو خواہ مخواہ امام احمد جیسی عظیم وجلیل ہستی کی طرف منسوب کرتا ہے عہ

حاشیہ

عہ فتاوی رشیدیہ کے مرتب نے بھی جو شیخ نجدی ہی کے ہم مسلک ہیں، مگر کھل کر اس کی تعریف سے گریزاں ہیں، کیونکہ اس کے خوفناک غیر اسلامی اعمال اس اعتراف کی راہ میں حائل ہیں، اس لئے تذبذب کے سے عالم میں شیخ نجدی کی "انگشت حیرت دردہاں نہیے بردں"، قسم کی یوں وکالت فرمائی ہے:

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے، اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آگیا ہے۔ (مطبوعہ قرآن محل، ۲۳۵)

۲۰ے شواہد الحق، ۷۵

شافعی مسلک

حنفی اور حنبلی مسلک کی طرح، اہلسنت وجماعت کے شافعی مسلک کی نمائندہ کتب میں بھی زیارت کے احکام وآداب بتانے کے لئے الگ باب مرتب کئے گئے ہیں۔

امام نووی شافعی (۶۷۶ھ) نے ایضاح المسالک میں فرمایا ہے۔

الباب السادس فی زیارۃ قبر سیدنا ومولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یتعلق بذالک:

چھٹا باب روضۂ اطہر کی زیارت اور اس کے متعلقات کے بیان میں ہے

اس کے بعد آپ نے بھی وہ تمام آداب اور طریقے درج فرمائے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ زائر حج وعمرہ سے فارغ ہو کر، بڑے شوق وانہماک کے ساتھ زیارت روضۂ پاک کے لئے روانہ ہو، جب مدینہ منورہ کے نشانات نظر آنے لگ جائیں تو دل ودماغ کو پوری طرح حاضر کرے۔ بڑی محبت ورقت اور سوز وگداز کے ساتھ درود پاک کا ورد کرنا شروع کردے، اور احادیث میں مدینہ منورہ کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ تصور ونگاہ میں رکھے تاکہ طبیعت ادھر ہی لگی رہی، اور دل کا تار ٹوٹنے نہ پائے، پھر غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنے، اور اپنی ناچیز حیثیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ دربار رسالت میں حاضری دے۔

ولیکن من اول قدومہ الی ان یرجع مستشعرا لتعظیمہ، ممتلئ القلب من ھیبتہ کانہ یراہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور آمد کے لمحے سے لے کر واپسی تک، آپ کی تعظیم کو ہمیشہ ملحوظ اور آپ کی ہیبت سے دل کو معمور رکھے، گویا آپ کا دیدار کر رہا ہے،

مالکی مسلک

اہلسنت وجماعت کے دستور ونظریات کے مطابق حسن عدوی مالکی نے مشارق الانوار میں لکھا ہے: اعلم ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعظم القربات وارجی الطاعات:-

جان لے کہ روضہ شریف کی زیارت، عظیم عبادت اور مقبول ترین اطاعت ہے۔

ابو عمران مالکی تہذیب المطالب میں لکھتے ہیں۔

ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجبۃ، یعنی من السنن الواجبۃ [۲۱]

روضۂ پاک کی زیارت واجب ہے، یعنی سنت واجبہ ہے

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو روضۂ اقدس کی حرمت ملحوظ رکھنے کیلئے جو تلقین کی، اور اس کے سوال کا ایمان افروز تسلی بخش جواب دیا۔ وہ زیارت کے معاملے میں آپ کے نظریئے کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اسلام کے مستند قانون دان اور عظیم مفکر قاضی القضاۃ ابوالحسن ماوردی (۵۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے امیر الحج کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حجاج کو زیارت روضۂ پاک کے لئے لے جانا بھی مستحسن ہے تاکہ ان کے لئے شفاعت کا دروازہ کھل جائے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (احکام سلطانیہ: ۹۵)

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے شفاعت واجب ہوگئی۔

المدخل میں ابن الحاج کا دعویٰ اور جواب دعویٰ بڑا ایمان افروز ہے،

فاذا خرج من مکۃ فلتکن نیتہ، وعزیمتہ وکلیتہ فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وزیارہ مسجدہ والصلاۃ فیہ، ومایتعلق بذالک کلہ لایشرک معہ غیرہ من الرجوع الی مقصودہ، اوقضاء شیئ من حوائجہ وما اشبہ ذالک لانہ، علیہ الصلاۃ والسلام متبوع لاتابع، فھوراس الامر المطلوب والمقصود الاعظم

---

[۲۱] شفاء السقام، ۶۷

جب حاجی مکہ سے نکلے تو اس کے عزم و ارادہ میں زیارت روضۂ اطہر، زیارت مسجد اور اس میں نماز پڑھنے کے سوا کسی اور مقصد کی آلائش نہیں ہونی چاہیئے وہ تمام ضروریات و حاجات اور تمام کاموں کا خیال دل سے جھٹک کر جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبوع و مقصود اعظم، روحِ تمنا اور جانِ آرزو ہیں، کسی کے تابع نہیں" اس لئے اولین اور بالذات آپ ہی کی زیارت کا قصد ہونا چاہیئے۔

یہ تمام فتاوی و بیانات، نظریات اور عقائد ائمہ کے مذاہب سے پردہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں، سب نے زیارت پر زور دیا ہے، اور کسی کے کلام میں اس بدعتی عقیدے کا شائبہ تک نہیں کہ زیارت کے لئے جانا ناجائز ہے، اس لئے یہ عقیدہ وخیال بدعت سیئہ گناہ، بدبختی کی علامت اور نفاق کا سمبل ہے، مومنانہ ذہن اور اس کی حسین و پرنور روایات اور مسلمانی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں، بلکہ کسی فاسد جذبے، ذہنی کجروی، اور شوخیٔ اندیشہ کی پیداوار ہے۔

امام اہلسنت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

جب اہلسنت وجماعت کے چاروں مسلک اس مرکزی نقطہ پر متفق ہیں کہ روضۂ اقدس کی زیارت مسنون و باعث ثواب اور قریب قریب واجب کے حکم میں ہے تو ایک سچا صاحب نسبت، فرمانبردار اور ایمان دار امتی اس کے بارے میں کوئی غلط اور مکروہ رائے قائم کرنے کی مذموم جرات کس طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ یہ نشانِ بدبختی ہے، کہ سراپا کرم و رحمت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کی حاضری کو ناپسندیدہ قرار دیا جائے، اور اس عمل خیر کو بدعت و ناجائز جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جائے؛

جب حقیقت یہ ہے تو چاروں مسالک کے مسلمانوں کے متفقہ نظریہ و عقیدہ کے برعکس، زیارت روضۂ اقدس کے بارے میں شیخ نجدی کے مذموم اور بدعتی خیال و گمان کا کوئی اعتبار اور وزن نہیں، اس کے بڑ مارنے سے یہ اجماعی و متفقہ نورانی عقیدہ مجروح و متاثر نہیں ہوتا۔

چند شبہات کا ازالہ

یہاں چند شبہات کا ازالہ بہت ضروری ہے، جو ایک مکتبِ فکر کی طرف سے اس دعوی کے ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں کہ زیارت روضۂ اقدس اور اسی طرح دیگر اولیاء اللہ کے مزارات کی طرف سفر ممنوع و ناجائز ہے بلکہ اسے حرام و شرک اور کفر تک قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

چونکہ یہ بات بڑی سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے کہ ایک طرف اہل سنت و جماعت، مکتبِ فکر کا یہ دعوی ہو کہ زیارت پاک نہ صرف موجبِ رحمت و برکت بلکہ باعثِ ثواب و سعادت بھی ہے، اور دوسری طرف اسے گناہ و حرام دے دیا جائے، تو ناواقف یا حقیقت سے بے بہرہ شخص کے ذہن کا الجھ جانا یقینی ہے اس لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ بحث کو سمیٹنے سے پہلے اس پہلو پر بھی روشنی ڈال دی جائے تاکہ جہاں ایک طرف اہل سنت و جماعت کے افراد کو بصیرت کی روشنی حاصل ہو، تو دوسری طرف فریق ثانی کو بھی اندھا دھند اپنی فتوی بازی پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ مل جائے۔ اور وہ ٹھنڈے دل سے مسئلہ کی نزاکت و اہمیت پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

سفر زیارت پر معترض ہونے والوں کی طرف سے، عام طور پر تین احادیث پیش کی جاتی ہیں، جو ان کے تمام اعتراضات کا مبنیٰ اور شبہات کا منبع و مرجع ہیں، چونکہ حدیث کا نام سن کر مسلمان کے دل میں عقیدت مندانہ ہیبت پیدا ہو جانا ضروری ہے کہ جب حدیث میں زیارت کی ممانعت ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ اس لئے ان احادیث کا مفہوم جاننا ضروری ہے تاکہ مومن کا ذہن مطمئن ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے، ان احادیث کا سرے سے وہ مطلب ہی نہیں ہے، جو غلط رنگ دے کر پیش کیا جاتا ہے۔

وہ تین احادیث یہ ہیں۔

١- لا تجعلوا قبری عیدا

٢- لا تجعل قبری وثنا یعبد

٣- لا تشد الرحال الا الی ثلاثہ مساجد

ان احادیث کا ملخص ونتیجہ بیان کرتے ہوئے، زیارت سے روکنے والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے: (ا) فی الحدیث دلیل علی منع شد الرحال الی قبرہ والی غیرہ من القبور والمشاهد لان ذالک من اعیاد، بل من اعظم اسباب الاشراک باصحابها ٢٢ے

اس حدیث میں دلیل موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے روضۂ پاک اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات کی طرف جانا ممنوع ہے، کیونکہ یہ عید بن جاتی ہے یہی نہیں بلکہ یہ اصحاب قبور کے ساتھ شرک کرنے کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

(ب) والسفر لمجرد الزیارۃ فیہ نزاع ومن سافر لمجرد قبر فلم یزر زیارۃ شرعیۃ بل بدعیۃ ٢٣ے

صرف زیارت کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، جس نے صرف قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا، اس نے شرعی زیارت نہیں کی، بلکہ وہ زیارت کی جو بدعت ہے

(ج) وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد یا غیر ایشاں، آنست کہ دلیلے بر جواز آں از کتاب وسنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست۔

انبیاء یا اولیاء کرام کے مزارات کی طرف سفر زیارت کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کتاب وسنت یا اجماع اور قیاس سے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

(د) مکان متبرک کی طرف سفر کرنا درست نہیں، برابر ہے کہ کسی نبی کی قبر ہو یا ولی کی، لیکن اگر تقرب الی اللہ مقصود نہیں، بلکہ کوئی اور حاجت ہو، مانند تجارت اور سیکھنے علم وغیرہ کے، تو اس کے لئے ہر جگہ اور ہر مکان کی طرف سفر کرنا درست ہے۔ یا لاجماع

٢٢ے فتح المجید شرح کتاب التوحید، ٢١٥ ، ٢٣ے، رحلۃ الصدیق، ٧٩

(ھ) طالب علم اور دیگر ضروریات کے لئے سفر کا کوئی حرج نہیں، صرف کسی جگہ کی طرف جس میں قبر نبوی بھی داخل ہے، ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں ۔

یہ ہیں وہ بیان کردہ معانی جن کے تصور ہی سے ایمان و یقین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے یہ عجب توحید، شرک بیزاری، یا ایمان اور رسول کے ساتھ محبت ہے کہ دنیا بھر کے کاموں کے لئے دنیا کے ہر خطے کی طرف جانا جائز ہے ۔ لیکن گنبد خضراء اور خدا والوں کے مزارات ہی وہ مقامات ہیں جنکی طرف جانا حرام و ناجائز ہے، حالانکہ وہ مزارات حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق سرزمین فردوس کا ایک ٹکڑا ہوتے ہیں ۔ روضۃ من ریاض الجنۃ۔ عقل انسانی حیران اور ایمان و یقین انگشت بدنداں ہیں کہ اس رسول دشمنی کھلی ہوئی منافقت، ابولہبیت کے ساتھ ہم آہنگی، اور ابن ابی کی ہم مشربی کو کیا نام دیں، جسے علم و تحقیق کے نام پر حفاظت توحید کے ریشمی پردے کی آڑ میں پیش کیا جاتا ہے ۔

اب ان اخذ کردہ مفاہیم و معانی کو اصل احادیث کی روشنی میں جانچا جاتا ہے، تاکہ یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے، آیا ان احادیث سے یہ مستنبط ہوتے ہیں، یا خواہ مخواہ دانستہ اور ڈھٹائی کے ساتھ انہیں یہ معانی پہنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ شمع نبوی کے پروانوں کو گنبد خضرا کی زیارت سے روکا جا سکے، جو ایک معیوب، ناپسندیدہ، غیر مستحسن اور منافقانہ کوشش ہے، چاہے کسی رنگ اور پردے میں ہو، کیونکہ صاحب دل اور صاحب ایمان مسلمان زیارت نبوی سے روکنے یا اس کے حرام ہونے کا دل ہلا دینے والا تصور بھی نہیں کر سکتا وہی زبان یہ الفاظ ادا کر سکتی ہے وہی دماغ اس نہج پر سوچ سکتا ہے ۔ جسکے تعلقات نفاق کے ساتھ قائم ہو چکے ہوں، اور اس کی زندگی کے ڈانڈے اس راہ کے ساتھ مل چکے ہوں جو فتن و زلازل کی سرزمین نجد کی طرف جاتی ہے ۔ یمن ۔ شام بیت المقدس یا مدینہ منورہ کی طرف نہیں ۔

(ج) عرف الجادی، ۲۴۹ ۔ (د) فقہ محمدیہ کلاں (ھ) مسلہ سماع موتی ۔

نوٹ:۔ اقتباسات ا ب ج د اور ھ ۔ بحوالہ مقیاس حنفیت ، ۵۴۷

پہلی حدیث کا جواب

لاتجعلوا قبری عیدا (تم میری قبر کو عید مت بناؤ)

اس حدیث کا یہ مطلب قطعی غلط اور سنگدلانہ تحریف ہے کہ "میری زیارت کے لئے مت آؤ"، کیونکہ اسی باب کے آغاز میں، کتنی ہی احادیث سے زیارت کے ثواب اور اس کی فضیلت پر روشنی ڈالی جاچکی ہے، اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے تو ان تمام مستند احادیث کے ساتھ تعارض لازم آتا ہے، اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ زیارت مت کرو۔

نیز اگر یہی مطلب ہوتا تو آقا علیہ السلام یہ انداز و اسلوب اختیار فرمانے کی بجائے "لا تزوروا" فرما دیتے کہ مت زیارت کرو، مگر آپ نے لا تجعلوا فرمایا ہے۔ اور قبر کو عید بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے منشائے نبوی معلوم کرنے کے لئے ہمیں، عید کا مفہوم ڈھونڈنا پڑے گا، اور جب عید کا مفہوم متعین ہو جائے گا۔ تو وہی اس حدیث کا مطلب ہوگا کہ قبر کو اس قسم کی عیدگاہ بنانا ممنوع ہے۔

اس زمانے میں عید کا جو تصور تھا اور جو تفریبا آج بھی ہے اس پر احادیث سے کافی روشنی پڑتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عید کو کھیل کود، طرب و غنا اور دعوتِ عام کے معنی میں لیا جاتا تھا، ثبوت کے لئے ان احادیث کا سمجھ لینا کافی ہے۔

(الف) ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوی میں حاضر ہوئے اتفاقاً دو ننھی منھی بچیاں جنگِ بعاث کے رجز یہ اشعار گا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل بہلا رہی تھیں، اپنے دیہاتی ماحول اور سادہ سے رواج کے مطابق ڈھول کے قبیل کی ایک چیز دف پر بھی ہاتھ ماری جاتی تھیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے طرب و غنا کا یہ منظر دیکھا تو جلال میں آگئے، اور اپنی صاحبزادی کو ناراض ہوئے کہ تم نے کاشانۂ نبوی میں حضور کے سامنے، یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے۔ اور طرب و غنا کی یہ کیسی مجلس برپا کر رکھی ہے؟

آقا علیہ السلام نے رخِ انور حضرت صدیق کی طرف کیا اور فرمایا: اے صدیق!

ان لکل قوم عیدا وان عیدنا ھذا الیوم ۲۴؎

ہر قوم کے لئے ایک عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔

گویا آپ نے عید کے دن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جائز حدود کے اندر موجود، سادہ سے انداز کے طرب وغنا اور اس انداز میں اظہارِ مسرت کی اجازت دے دی، جس سے معلوم ہوا عید طرب وغنا کا دن ہے۔ اور آپ نے اپنے روضۂ اطہر کے نزدیک اسی قسم کی عید یعنی طرب وغنا سے روکا ہے کہ وہاں گانے بجانے کا شغل اختیار نہ کیا جائے، کیونکہ اس زیرِ آسماں نازک ترین ادب گاہ کے اندر تو آواز اونچی کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔

(ب) عید کے روز ہی حبشی لوگ مسجد میں جنگی مشقوں کا مظاہرہ کر رہے تھے، ان کی اچھل کود پینترا بدلنے، وار روکنے اور حملہ کرنے کے کرتب اور فنونِ حرب کی نمائش کو سبھی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے بینما الحبشة یلعبون عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ے

یہ اس وقت کی بات ہے، جب حبشی لوگ آقا علیہ السلام کے سامنے کھیل رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب ۲۶ے

" عید کا روز تھا، اور حبشی لوگ ڈھال اور نیزے کے ساتھ کھیل رہے تھے" اتنے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کھیل کود دیکھا تو غصے میں آ گئے اور

اھوی الی الحصا فحصبھم بھا کنکر روڑے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! اے عمر! انہیں کچھ نہ کہو۔

یہ واقعہ اور اس کے آخر میں حضور کا ارشاد عید کے دوسرے مفہوم کو متعین کرتا ہے کہ عید کھیل کود پر مشتمل ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں عید نہ بناؤ کا مطلب ہوگا.... میرے روضے پر آ کر کھیل کود، اچھل پھاند کا مظاہرہ مت کرو، بلکہ ادب کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھو۔

(ج) عید ہی کے مفہوم میں دعوت طعام مل کر کھانا پینا اور موج اڑانا بھی شامل ہے۔

عید کے خصوصی ایام کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔

۲۴ے بخاری، ۵۵۹: ۲۵ے بخاری، ۴۰۶: ۲۶ے بخاری ۴۰۷

لاتصوموا فی ھذہ الایام فانھا ایام اکل وشوب وبعال

ان ایام میں روزے مت رکھو، کیونکہ یہ کھانے پینے اور دل لگی کے دِن ہیں۔

روضہ پاک پر اس قسم کی عید منانے سے بھی منع کر دیا۔

غرض عید کے جو مروّج و مشہور مفہوم تھے، حدیث پاک آپ ﷺ نے ان ہی سے روکا ہے، نفس زیارت کی قطعاً ممانعت نہیں فرمائی ہے

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آداب زیارت سکھائے ہیں، کہ ڈھول بجاتے، ناچتے گاتے، بھنگڑا ڈالتے اور لغویات کا ارتکاب کرتے مت آؤ، جو قوموں میں عید کے دن روا رکھی جاتی ہیں بلکہ اس طرح آؤ، جیسے ایک باوقار، سنجیدہ، بردبار اور معزز انسان کے آنے کا انداز ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکابرین امت بعض لوگوں کو غلط انداز اختیار کرنے پر روک دیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بن حسن بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے روضۂ اطہر پر ایک شخص کو اسی حالت میں دیکھا، آپ سخت برافروختہ ہوتے، ڈانٹا اور فرمایا!

کیا میں تمہیں حضور کی حدیث نہ سناؤں، آپ نے فرمایا ہے!

لا تجعلوا قبری عیدا ولا تتخذوا بیوتکم قبورا وصلوا علی حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلغنی [۲۷]

میری قبر کو عید مت بناؤ، اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں بناؤ، اور جہاں بھی تم رہتے ہو، اسی جگہ سے مجھ پر درود بھیجو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی نامناسب، غیر شرعی اور میلہ جیسی حالت بنانے پر گرفت کی اور تنبیہ فرمائی کہ اس انداز سے یہاں آنا مناسب نہیں، حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی تو ہے کہ ہر جگہ سے درود و سلام مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ چاہے پڑھنے والا کہیں بھی ہو، اس لئے اگر آداب ملحوظ نہ رکھ سکتے ہوں، تو بہتر ہے۔ یہاں آنے کی بجائے گھر ہی میں بیٹھ کر یہ فریضہ ادا کر لیا جائے۔

۲۷۔ شفاء السقام، ۷۹ بحوالہ مصنف عبدالرزاق۔

حضرت حسن کا یہ قطعی نظریہ نہیں تھا کہ زیارت کے لئے آنا ممنوع ہے، کیونکہ زیارت کرنا تو سب کا معمول تھا، سب اہل بیت خود بھی حاضری دیتے تھے، اور زیارت کے لئے آنے والوں کو بھی دیکھتے رہتے تھے، کوئی کسی کو منع نہیں کرتا تھا، اس لئے ماننا پڑے گا یہ ممانعت اور ڈانٹ اس بے ڈھب اور ناشائستہ انداز کی وجہ سے تھی جو ان لوگوں نے اختیار کیا، اور جس سے عید کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ غیر معقول سماں جسے برپا کرنے سے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عید کا اور اس حدیث کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے

"لا تتخذوا قبری عیدا میری قبر کو میلہ مت بنانا۔

اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، خوشیاں کرنا، زینت و آرائش اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا، یہ سب منع ہے، کیونکہ زیارت قبور عبرت اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے ہے، نہ کہ غفلت اور زینت کے لئے۔

یہ معنی نہیں ہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے، ورنہ قافلوں کا روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

حقیقت ہے کہ زیارت قبور، اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے[28] پیشوا

یہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے، جو تمام مکاتیب فکر کے مسلمہ روحانی اور دینی رہبر ہیں، آپ کو علمی و روحانی دنیا میں جو مقام حاصل ہے وہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، آپ جیسی عظیم شخصیت نے گہری فکر و بصیرت کی روشنی میں اس حدیث پاک کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت عید کے سے انداز اختیار کرنا ممنوع و حرام ہے، نفس زیارت کسی طور ممنوع نہیں، یہ معنی بیان کرنا سینہ زوری بھی ہے، علم و دیانت کے ساتھ دغا بھی، اور نفاق و عداوت اور ابلیسی قوتوں کے ساتھ مفاہمت کی علامت بھی، دربار نبوی کی حاضری سے روکنا ابوجہلی، ابولہبی اور یہودی طریقہ ہے، شیوۂ اہل محبت اور اہل وفا نہیں

[28] فیصلہ ہفت مسئلہ / ۲۶

دوسری حدیث کا جواب

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔

اے اللہ! جس طرح کسی بت کی عبادت کی جاتی ہے، میری قبر کو ایسا نہ بنا۔

امت کو زیارت روضۂ اقدس سے روکنے کے لئے اس حدیث کو بطورِ حجت و استدلال پیش کیا جاتا ہے، کہ زیارت کے لئے اہتمام میں عبادت کا شائبہ ہے۔ اس لئے عملِ زیارت ممنوع و حرام ہے۔ نعوذ باللہ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث سے جو مفہوم و مطلب اخذ کیا گیا ہے، وہ اس سے حاصل بھی ہوتا ہے، یا نہیں؟ اگر اس کا یہ مطلب نہیں تو اصل مفہوم و مدعا کیا ہے؟

دراصل یہ حدیث باطل پرستی، شرک نوازی، جاہلانہ طرزِ فکر اور معرفت خداوندی سے بے بہرہ فلسفہ و نظریہ کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمائی گئی ہے، اس لئے جب تک اس کے پورے پس منظر سے آگاہی حاصل نہ ہو، اس وقت تک یہ پتہ نہیں چلتا کہ آقا علیہ السلام نے اس انداز میں یہ ارشاد کیوں فرمایا ہے اس لئے حقائق و واقعات کی صحیح تہہ تک پہنچنے کے لئے اس پس منظر کی تفصیلات جاننا ضروری ہیں۔

یہود اپنی عادات و خصائل، افتادِ طبع، ہر دم متلوّن جبلت اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے مزاج و کردار کے اعتبار سے اس موج تند جولاں کی مانند تھے جسے کہیں بھی اور کسی پل قرار نہیں آتا، جو اپنے تند و تیز بہاؤ میں خس و خاشاک اور لپیٹ میں آنے والی ہر چیز کو لئے محوِ سفر رہتی ہے۔ یہ لوگ آنِ واحد میں سرکش طاغوت اور بے قید دیوِ مغرور کی صورت اختیار کر لیتے، جس کے قہر و غضب کی زد میں آنے والی کوئی چیز سلامت نہیں رہتی اور پھر دوسرے ہی لمحے بادِ نسیم کے خنک اور جاں بخش جھونکوں کا روپ دھار لیتے جو جسم و روح کو تازگی بخشتے اور قلب و جگر کو حیاتِ نو عطا کرتے ہیں۔

ان کے پہلے روپ کو قرآنِ پاک نے یوں بیان فرمایا ہے۔

ویقتلون النبیین بغیر الحق ۲۹؎

وہ انبیائے کرام کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

اور دوسرے روپ کے بارے میں بتایا ہے کہ جب وہ اس روپ میں جلوہ گر ہو کر کسی پہ مہربان ہوتے ہیں تو عنایات خسروانہ کی انتہا کر دیتے ہیں تا آنکہ مدح و ثنا کی ساری حدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تعریف کے ڈانڈے توحید کی حدیں توڑ کر شرک و کفر سے جا ملتے ہیں۔

وقالت الیھود عزیز ابن اللہ ۳۰؎

اور کہا یہود نے ''عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہود کے مزاج سے آگاہ کرنے کے بعد قرآن پاک نے نصاریٰ کے اعمال انکے افکار و نظریات سے بھی باخبر کیا ہے۔ جنہیں یہود کے بعد الہامی دستور العمل اور احکام خداوندی کا مجموعہ تورات کی صورت میں عطا کیا گیا تھا۔ نصاریٰ کچھ عرصہ تک توحید کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم، روشنی اور ہدایت کا مینار بن کر ان کے عمل و فکر کی راہوں کو منور کرتی رہی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تاباں اور روشن راہیں، شرک اور ضلالت کے اندھیاروں میں گم ہونا شروع ہو گئیں" چنانچہ تیسری صدی عیسوی کے آغاز تک ان ظلمتوں نے مکمل طور پر اس راہ کے مسافروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اس بدبختی کا آغاز اس بات سے ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں ان کے درمیان اختلافِ رائے ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے یہ رائے دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی قوت اور بے مثل شان کے پیشِ نظر ان کو ابن اللہ ہونے کی حیثیت بخشی جائے، ایسے حیرت انگیز معجزات، زندگی بخش کلمات اور کشف و کرامات، ان کے سوا کسی اور کو ودیعت نہیں ہو سکتے، وہ قم کہہ کر زندہ کرتے اور پھونک مار کر پرندے

۲۹؎ قرآنِ حکیم، ۲: ۶۱ ، ۳۰؎ سورہ التوبہ ۹: ۳۰

اڑا دیتے ہیں، یہ ایک انسان کی طاقت نہیں، بلکہ خالق کے بیٹے کی طاقت اور عظیم شان ہے اس کافرانہ اندازِ فکر کی صاحب العقل حضرات نے شدومد سے مخالفت کی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز دب کر رہ گئی، جب ان کے بادشاہ قسطنطین نے اقتدار سنبھالا تو اسے اپنی سیاسی بقا اور اقتدار کی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ وہ اس کافرانہ عقیدے کو پھیلائے اور ایسے حامی حاصل کرے جو صرف اسی کے ساتھ ہمدردی اور جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں، چنانچہ اس نے توحید کی نزاکتوں سے ناآشنا ہونے کے باعث سنہ ۳۲۳ء میں ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، جو عیسائیوں کے لئے مذہبی عقائد وضع کرے۔

چنانچہ یہ مجلس عقائد ساز منعقد ہوئی، جس نے الہامی اور اسلامی عقائد، ضروریاتِ دین اور توحید و رسالت کے تقاضوں کو پس پشت پھینک کر اپنے کافرانہ ذہن سے مذہب کے نام پر غلط، بے بنیاد، غیر اسلامی، بالکل مہمل اور نتائج کے لحاظ سے انتہائی خوفناک عقائد اختراع کئے، جن میں مسئلہ ابنیت بھی شامل تھا، سرکاری سطح پر اس عقیدے پہ مہرِ تصدیق ثبت ہو گئی تو اسے مذہب کا درجہ حاصل ہو گیا، لوگ اس سرکاری مذہبی عقیدے پر ایمان لے آئے۔

اس گمراہی کی دلدل میں پھنس جانے کے بعد، دینی احکام بازیچہ اطفال بن گئے، وقتاً فوقتاً مجالس منعقد ہوتیں جن میں مرضی کے مطابق عقائد گھڑ لئے جاتے، اور پھر انہیں مذہب کا تقدس عطا کر دیا جاتا۔ یہ تماشا کئی سو سال تک جاری رہا، اس سلسلہ کی مشہور ترین اور اہم مجالس سنہ ۴۵۱ء اور سنہ ۶۸۰ء میں قائم ہوئیں جن کا بنیادی زور اس بات پر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن ہیں بلکہ اس الوہیت میں حضرت مریم اور روح الامین کو بھی شامل کر لیا گیا اور ان کا تسمیہ کچھ یوں صورت اختیار کر گیا۔[31]

باسم الاب والابن والروح القدس [32]

اس خالص شرک نے انہیں ایسی قباحتوں سے بھی دوچار کر دیا جو اس ضلالت کا

۳۱؎ حضرت پیر محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ۱: ۲۱۲ میں اس موضوع پر محققانہ تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

۳۲؎ المنجد

لازمی اور منطقی نتیجہ تھیں اور ان ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ ان اقوام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جو ان کے قرب و جوار میں آباد تھیں۔ اس گمراہی کے سب سے زیادہ اثرات عرب نے قبول کئے۔ تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص عمرو بن عامر خزاعی نے ان سے شرک کے یہ نئے آداب و اطوار سیکھے، اسے یہ انوکھے انداز بہت پسند آئے، چنانچہ وطن پہنچ کر اس نے اہل عرب کو بت پرستی کے تقاضوں سے آگاہ کیا، اس فن کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سکھائے، اس کی باریکیاں سمجھائیں اور اس کودن قوم کو ایک نئی اور تاریک راہ پر ڈال دیا[۳۳]۔

صراطِ مستقیم، الہامی رہنمائی سے محروم اس قوم کو تراشیدہ پتھر کے آگے سرفگندگی کا ایسا چسکا پڑا کہ اس اولین خانۂ خدا کو تین سو ساٹھ بتوں سے بھر دیا جو انسانی حرمت کا امین اور شرفِ آدمیت کا پاسباں تھا۔[۳۴]

ان کے ذوقِ سجدہ پسند نے اس پر بس نہ کی، بلکہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت مریم کے بت بنا کر بھی اس میں نصب کر دیئے، اور جوئے بازی، شگون، اجازت ممانعت وغیرہ کے لئے اپنی توہم پرستی کے مطابق جو تیر وہ استعمال کیا کرتے تھے وہ ان کے ہاتھوں میں تھما دیئے، یہ دینِ فطرت کے مسخ ہو جانے کی انتہائی گھناؤنی اور جگر دوز علامت تھی کیونکہ ان مقدس اور پاک باز ہستیوں کا اس بت گری، ازلام بازی اور تیر تکوں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ ان خرافات کو مٹانے اور ان ذہنی عیاشیوں سے نجات دلانے تشریف لائے تھے، مگر ستم کاروں نے ان کی ہستیوں کو بھی اپنی باطل پرستی کا تختۂ مشق بنا ڈالا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

قاتلهم الله، والله ان استقسما بالازلام قط[۳۵]

خدا انہیں غارت کرے، ان قدسی نفوس حضرات نے کبھی پانسے اور شگون کے ان تیروں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا،

---

[۳۳] بخاری ۴۹۹، ۶۶۵، [۳۴] بخاری ۶۸۶، ۶۱۴، [۳۵] بخاری، ۳۷۴، ۶۱۴، ۶۱۸، ۷

اس طرح آپ نے مکہ پر تسلط ہو جانے کے موقعہ پر تمام بت گرائے اور خانہ کعبہ کو ان اعتقادی آلائشوں سے پاک کر کے وہاں اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوئے اس یادگار تاریخی موقعہ پر آپ کی زبان مبارک پہ یہ آیت تھی۔

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا [۳۶]

فرمادو ! حق آگیا۔ باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے کے لئے تھا۔

ان کی بدعقیدگی اور ذوق بت پرستی کا نقطہ عروج یہی نہیں تھا کہ انہوں نے خاص خانہ خدا کو اپنے باطل جذبے کی تسکین کے لئے منتخب کر لیا تھا، اور توحید کے مرکز میں وہ اپنے فن اور اسکی باریکیوں کا مظاہرہ کرتے تھے، بلکہ وہ اس سلسلے میں بہت آگے جا چکے تھے۔

حضرت ابورجاء عطاردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کنا نعبد الحجر فاذا وجدنا حجرا ھو خیر منہ القیناہ واخذنا الآخر فاذا لم نجد حجرا جمعنا جثوۃ من تراب، ثم جئنا بالشاۃ فحلبنا علیہ ثم طفنا بہ [۳۷]

"ہم ایک پتھر کی پرستش کرتے رہتے۔ پھر اگر اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو اسے پھینک کر دوسرے کی پوجا پاٹ میں لگ جاتے، اگر پتھر نہ ملتا تو مٹی کا ڈھیر لگا کر اس پر بکری کا دودھ دوہ لیتے اور اس کا طواف کرنے لگ جاتے۔"

جنات کو بھی اس نظر کرم سے محروم نہیں رکھا تھا، بڑے شوق سے ان کی عبادت کرتے تھے، جب نصیبین کے جنات اسلام لے آئے، اور ان کی تحریک سے باقی جنات کی جماعت میں بھی اسلام قبول کرنے کی خواہش پیدا ہوگئی تو یہ لوگ پھر بھی پرانے جھوٹے معبودوں ہی کی پرستش میں لگے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کان ناس من الانس یعبدون ناسا من الجن فاسلم الجن وتمسک ھولاء بدینھم [۳۸]

۳۶؎ بخاری، ۶۸۶ ، ۳۷؎ بخاری ۶۳۸ ، ۳۸؎ بخاری، ۶۸۵

کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، جنات مسلمان ہو گئے، مگر وہ اپنے باطل دین پر اڑے رہے۔''

اس گمراہی نے یہ شرمناک صورت اختیار کرلی کہ انسانیت ہی دم توڑ گئی، اور فہم وفراست کا مادہ بالکل ختم ہو گیا، صرف ان کی طلب ایک مجسمہ تک محدود ہو کر رہ گئی، جس کے آگے ماتھا رگڑا جائے، خواہ وہ مجسمہ کسی بھی چیز کا ہو، چنانچہ روائت ہے۔

اساف ونائلہ دو بدکار مرد وعورت تھے جنھوں نے حرم شریف کا احترام بالائے طاق رکھ کر قبیح حرکت کی، ان پر بروقت قہر ٹوٹا اور وہ پتھر بن گئے۔ مگر ان لوگوں نے انہیں بھی معبود بنالیا۔[۳۹]

عرب اور بیرون عرب، مشرک اقوام، یہود ونصاریٰ وغیرہ کی یہ قابل نفرت، مکروہ اور ذلیل صورت حال اس لئے تھی کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا سبق بھول گئے تھے، اور توحید کے لطیف تقاضوں کو نظر انداز کر کے قلب وذہن کی ظلمتوں کی چہار دیواری میں محصور ہو گئے تھے۔

خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان ہی وہ شفاف آئینہ ہے، جو خیر وشر کا اصلی روپ دکھاتا ہے۔ اس مقدس اور نورانی راہ سے بھٹک جانے اور اس روشنی سے محروم ہو جانے والا شخص ہر کام کے لئے آمادہ وتیار ہو سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی برا، ناپسندیدہ اور نگاہ آئینہ ساز میں قابل ملامت ہو۔

راہ ہدائت سے بھٹکی ہوئی تابع اور متبوع قومیں بلا استثناء ایسی ذلیل حرکتوں کا ارتکاب کرتی تھیں جو دین وتقویٰ، تہذیب وشرافت، توحید ورسالت ہر چیز کے خلاف تھیں، مگر شرک کے مرض لاعلاج میں مبتلا اور توحید کے سرمۂ بصیرت سے محروم ہو کر ہو کر انہیں اپنی خطرناک حرکات کی سنگینی کا بالکل علم نہ تھا۔

مخلوق کو ابن اور خدا بنا کر ان یہود ونصاریٰ نے شرک کی جو صورتیں گھڑ لیں وہ یہ تھیں۔

---

[۳۹] ، ارشاد العباد، ۶۶، باب فضل مکۃ،

(الف) انبیاء کی قبروں پر مساجد تعمیر کرکے، ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔

(ب) تعظیم کی خاطر عبادت کے ارادہ سے انہیں سجدہ کرتے تھے

(ج) کلیساؤں اور گرجوں میں تماثیل و تصاویر بنا کر انہیں پوجتے تھے۔

حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ نے ملک حبشہ میں ایک ایسا ہی گرجا دیکھا، جس کا نام ماریہ تھا، اس میں انہوں نے تصاویر آویزاں کی ہوئی تھیں، ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے اس کا حال سنا تو فرمایا۔

اولئک اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجدا ثم صوروا فیه تلک الصور اولئک شرار الخلق عند الله [۱۸]

ان لوگوں کی عادت تھی، کوئی مرد صالح فوت ہو جاتا، تو اس کی قبر پر بھی مسجد بنا ڈالتے تھے پھر اس میں تصاویر لٹکاتے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔

اسی پر بس نہیں، انہیں غیروں کے حضور سجدے لٹانے کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ اظہار خوشنودی یا کورنش بجالانے کے لئے بے تکلف سجدے میں گر پڑتے تھے۔

ھرقل کا مشہور واقعہ ہے۔

جب اس کے دربار میں نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے مابین السطور ہدایت کا نور دیکھ لیا اور اپنے درباریوں کو دعوت دی کہ اس نور سے سینے روشن کرلیں مگر وہ اڑیل ٹٹو کی طرح رسی تڑا کر بھاگے، ھرقل سمجھ گیا ایمان لا کر اقتدار اور جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اس لئے گویا ہوا۔

صرف تمہارے دینی تصلب اور اعتقادی پختگی کی آزمائش مقصود تھی، بے شک اپنے آبائی دین پر کاربند رہو،

سجدواله ورضوا عنه [۱۹]

یہ سن کر وہ سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہوگئے۔

یہود و نصاریٰ کی شرکیہ حرکات اور مشرکانہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبدالحق

---

[۱۸] بخاری، ۱۷۹، [۱۹] بخاری، ۵

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے۔

احدهما کانوا یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لهم وقصد العبادة فی ذالک ثانیهما انهم کانو یتحرون الصلاة فی مدافن الانبیاء والتوجه الی قبورهم فی حالة الصلاة والعبادة لله تعالیٰ[42]

"اول یہ لوگ تعظیم کے لئے، قبور انبیاء کو عبادت کے ارادے سے سجدے کرتے تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے دوران، نماز کی حالت میں انبیاء کرام کے مدفن کی طرف منہ کرتے تھے۔"

شرک یہی ہے کہ انسان کسی کو معبود اور خدا سمجھے۔
یا کسی مخلوق کی عبادت کرے۔
اس لئے یہ شرک کی دوسری قسم میں گرفتار ہو جاتے تھے۔

چونکہ شرک و ایمان کا مسئلہ بہت نازک ہے۔ اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ شرک اسی صورت میں ہوتا ہے، جب قبر سامنے ہو اور ادھر منہ کر کے عبادت کی نیت سے نماز پڑھی جائے یا سجدہ کیا جائے۔ اگر قبر کا نشان سامنے نہ ہو، اور کسی مخلوق کی عبادت کی نیت بھی نہ ہو تو یہ شرک نہیں، کیونکہ حرم کعبہ میں حطیم کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک موجود ہے، اور حجر اسود سے لے کر زمزم شریف تک ستر انبیاء کرام کی قبریں موجود ہیں حالانکہ ان مقامات پر نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے[43]

حضرت بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قوم کی گمراہی کے اسباب گناتے ہوئے لکھا ہے۔ لما کانت الیهود والنصاریٰ یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانهم ویجعلونها قبلة یتوجهون فی الصلاة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم[44]

چونکہ یہود و نصاریٰ تعظیم کے لئے انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ کرنے لگ گئے تھے،

42۔ بخاری، 629 : 43۔ حاشیہ مشکوٰۃ، 69 : 44۔ بخاری 629

نماز میں ادھر منہ کر کے انہیں قبلہ بناتے تھے۔ اور انہیں بت کی طرح بنالیا تھا، اس لئے ان پر لعنت فرمائی۔ یہود و نصاریٰ کے شرک کی وجہ یہ تھی کہ وہ سجدہ ہی نہیں بلکہ سجدے کے ساتھ عبادت کی نیت اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ اگر عبادت کی نیت کے بغیر سجدہ کرتے تو انہیں شرک قرار نہ دیا جاتا، اس لئے کہ سابقہ شرائع میں سجدہ تعظیمی جائز تھا، اسی لئے جناب آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو انکے بھائیوں نے سجدہ کیا، اگر یہ شرک ہوتا تو قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی اجازت نہ ملتی کیونکہ شرک کی کسی شریعت میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چونکہ یہود و نصاریٰ قبور انبیاء کی عبادت کرتے، انکی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور مسجد بناتے تھے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد [۴۵]

خدا تعالیٰ، ان یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے، جنھوں نے قبور انبیاء کرام کو مسجدیں بنا ڈالا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا، جبکہ حبیب اعلیٰ سے ملنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، ایسے نازک وقت میں یہ فرمان معنی رکھتا اور بڑی اہمیت اختیار کر لیتا ہے، اندازہ ہوتا ہے، یہود و نصاریٰ کی اس روش سے آپ بہت ناخوش تھے، اور اس طرز عمل کو شرک تصور فرماتے تھے اس لئے آخری وقت میں انکی گمراہی کی حقیقت سے پردہ اٹھا کر امت کو خبردار کر دیا کہ وہ اس روش کے قریب بھی نہ آنے پائے، چونکہ یہی خطرناک صورت ہر قباحت کی جڑ تھی اس لئے یہود و نصاریٰ کی بدبختی، گمراہی اور شرک کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے، بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی۔

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد [۴۶]

کہ بار الہا! یہود و نصاریٰ نے جس طرح اپنے انبیاء کرام کی قبور کو سجدہ گاہ اور

۴۵؎، بخاری، ۶۳۹، ۴۶؎

عبادت گاہ بنالیا اور انہیں پوجنے لگ گئے، میری قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو۔ میری امت اس قباحت، شرک اور ہولناک خرابی سے محفوظ رہے۔

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا منظور ہوئی، آج تک آپ کی قبر مبارک محفوظ ہے، کسی امتی کو خیال تک نہیں آتا کہ روضۂ انور کو سجدہ کرے، جس طرح کے یہود و نصاریٰ کرتے رہے۔ بلکہ اس امت کا یہ امتیاز اور اعجاز ہے کہ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں عشق و محبت کی ایک شاد و آباد دنیا رکھتے ہوئے بھی گنبد خضرا کے حضور وہ بے قابو نہیں ہوتی۔ بلکہ نہائت متانت، خضوع، عاجزی اور ادب کے ساتھ حاضری دیتی اور تمام ضوابط و آداب ملحوظ رکھتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو بتا بھی دیا تھا کہ

ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی [47]

مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کروگے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے۔

نیز آپ کا فرمان ہے۔ الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلادکم ھذہ ابدا ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضی بہ [48]

خبردار! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے شہروں میں پھر اس کی عبادت کی جائے گی۔ البتہ حقیر اعمال میں اس کی اطاعت ہوگی تو وہ اسی پر قناعت کرکے راضی ہو جائے گا۔

اس لئے ان تمام حقائق و واقعات اور طویل پس منظر کی روشنی میں ماننا پڑے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہود و نصاریٰ کی ہولناک بدعملی، غیر ذمہ دارانہ روش اور گمراہی سے آگاہی بخشنے کے ساتھ، بارگاہِ خداوندی میں اپنی امت کی سلامت روی اعتقادی صحت مندی اور ہدائت و فلاح کی دعا کرنا ہے

اس دعائیہ حدیث کا تعلق گنبد خضرا کی زیارت سے روکنے کے ساتھ کسی طور نہیں ہے،

---

[47] بخاری ، [48] ترمذی ۳۸

تیسری حدیث کا جواب

لاتشد الرحال الاالی ثلاثۃ مساجد' المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصیٰ۔

کجاوے نہ کسے جائیں مگر ان تین مساجد کی طرف!

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

روضۂ اقدس کے سفر مبارک سے روکنے اور اسے حرام قرار دینے والے بعض ناسمجھ کلمہ کے مدعیوں کو اصرار ہے کہ اس حدیث کی رو سے مزارات اولیاء قبرستان، بزرگانِ دین وطریقت، یہانتک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سبز گنبد کی زیارت بھی ممنوع و حرام ہے، اس حدیث کو بنیاد بنا کر وہ شوقِ دید کے متوالوں کو سفرِ زیارت سے روکتے اور زائرین کو بدعت اور حرام کا مرتکب کہتے ہیں۔

اب سکون واطمینان سے دیکھنا ہے کہ اس حدیث سے ان کا مدعا حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ وہ معانی اس حدیث سے اخذ کرتے ہیں، درست ہیں یا یونہی مسلمانوں کو غلط مشورہ دیا جاتا ہے۔

جہاں تک حقائق وواقعات اور دیگر احادیث کا تعلق ہے۔ ان سے اس حدیث پاک کا صحیح مفہوم ومدعا سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس حدیث میں تین مساجد کی عظمت وفضیلت کا حسین وفلنشین اور موثر پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے اور بس! کسی اور جگہ یا متبرک مقام کی طرف سفر کرنے کی ممانعت کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

کسی تفصیل میں جانے کی بجائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث کے ذریعہ اس حقیقت کو بڑی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، آپ کا ارشاد ہے۔

لاتر کب البحر الاحاجا او معتمرا او غازیا فی سبیل اللہ [۴۹]

حج، عمرہ اور جہاد کے سوا کے سمندر کا سفر اختیار نہ کر

---

[۴۹] مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، ۳۳۳۔ ابوداؤد، ۳۳۷

اگر مخالفین کا نقطہ نظر تسلیم کر لیا جائے تو اس حدیث کا مطلب بنتا ہے، حاجی، مجاہد اور عمرہ کرنے والے کے سوا کسی شخص کے لئے سمندر کا سفر جائز و مباح نہیں، جو شخص کاروبار تجارت، سیر و سیاحت خرید و فروخت، زیارت عیادت، حصول تعلیم و تلاش معاش غرض کسی بھی مقصد کے لئے سمندر کا سفر کرے گا، وہ گنہ گار و معتوب ہوگا۔

حالانکہ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا دیانت و امانت ہی نہیں علم و فکر کے بھی خلاف ہے۔

لامحالہ کہنا پڑے گا، اس حدیث میں آقا علیہ السلام نے حج و عمرہ اور جہاد کے فضل و شرف کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی نے سمندر جیسا پر صعوبت سفر کرنا ہو، تو ان عظیم و جلیل کاموں کے لئے کرے، کیونکہ اسلام میں یہ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اور بے حساب اجر و ثواب کے حامل ہیں۔

بعینہ مذکورہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے:

دنیا بھر کی مساجد کے مقابلہ میں صرف تین مساجد ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں ایک نماز کا ثواب ہزار ہا گنا زیادہ ملتا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صلاۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ، وصلوتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسمائۃ صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الاقصٰی بخمسین الف صلاۃ وصلاتہ فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ، وصلاتہ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلاۃ ۵۰؎

گھر میں ایک نماز کا ایک ہی ثواب ملتا ہے محلے کی مسجد میں پچیس گنا اور جامع مسجد میں پانسو گنا ملتا ہے۔ مسجد اقصٰی میں پچاس ہزار، میری اس مسجد نبوی میں پچاس ہزار اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

اسی خوبی کے پیش نظر آپ نے فرمایا:

۵۰؎ مشکوۃ، ۷۲

حق تو یہ ہے کہ ان ہی مساجد کا سفر کیا جائے، کیونکہ سفر کی صعوبتیں اور مشقتیں سہنے کا اچھا اجر مل جاتا ہے، اس سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا کہ کسی اور طرف سفر کرنا ہی ناجائز ہے۔ جیسے سمندر والی حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ کسی اور کام کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے

ہماری اپنی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

ایک باپ اپنے بیٹے کو دینی تعلیم دلانا چاہتا ہے۔ ملک میں بے شمار مذہبی ادارے ہیں مگر وہ اپنے بیٹے سے کہتا ہے "اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف ان تین مدارس میں جا کر حاصل کرو"

(الف) دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

(ب) جامعہ نظامیہ لاہور

(ج) **جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد**

اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ تعلیمی ادارے، نظم ونسق، علمی معیار، اعلی نصاب تعلیم اور محنت و جانفشانی کے اعتبار سے باقی اداروں پر فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے جان عزیز کو جوکھم میں ڈالنے، پردیس کی تلخیاں سہنے اور صعوبتیں جھیلنے کا بہترین ثمرہ یہ ہے کہ زندگی کے اوقات ان اداروں میں گزارے جائیں جہاں سے زندگی کو مقصد، فکر کو شعور اور حیات کو تابندگی نصیب ہوتی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیٹے کے لئے زندگی کے دوسرے ہنگاموں اور باقی کاموں میں حصہ لینا جائز نہ رہا خرید و فروخت، کسی کی عیادت۔ سیر و سیاحت اور کاروبار میں مصروف ہونا ممنوع ہو گیا، کیونکہ ان چیزوں کا یہاں ذکر نہیں، پھر ان کے ممنوع وحرام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث کا بھی یہی مطلب ہے جس میں کوئی پیچ وخم نہیں کہ اس میں صرف تین مساجد کی فضیلت کا بیان ہے، اس میں مزارات اور متبرک مقامات کا کوئی ذکر نہیں، اگر یہی معنی لینے پر اصرار کیا جائے تو دو ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کا کوئی حل ہی نہیں۔ اور کئی احادیث بھی متضاد ہو جاتی ہیں:

پہلی الجھن یہ ہے کہ تین مساجد کے سوا اور مساجد کی طرف جانا بھی ناجائز ہو جاتا ہے

حالانکہ آقا علیہ السلام ہر ہفتے مسجدِ قبا کی طرف پیدل یا سوار تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی زندگی بھر یہی معمول رہا۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی مسجد قباء کل سبت ماشیا وراکبا وکان ابن عمر یفعلہ [۵۱]

نیز آپ نے مسلمانوں کو باقاعدہ باوضو ہو کر مسجدوں کی طرف جانے کا حکم دیا ہے، اور ثواب بیان کر کے اس فعلِ خیر پر ابھارا ہے۔

من تطہر فی بیتہ ثم مشی الی بیت من بیوت اللہ لیقضی فریضۃ من فرائض اللہ کانت خطوتاہ احداہما تحط خطیئۃ والاخری ترفع درجۃ [۵۲]

جو شخص باوضو پاک صاف ہو کر، فریضہ خداوندی ادا کرنے کے لئے اللہ کے گھر کی طرف جاتا ہے، اس کے ایک قدم پر گناہ جھڑتے ہیں، اور دوسرے پر درجات بلند ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے، "اسے اتنا ثواب ملتا ہے، جتنا احرام باندھنے والے حاجی کو۔" [۵۳] منہ اندھیرے مسجدوں کا قصد کر کے آنے والوں کو یہ مژدہ سنایا کہ

"انہیں بروزِ قیامت تمام وکمال نور حاصل ہوگا۔" [۵۴]

اگر تین مساجد والی حدیث کا یہ مطلب بیان کیا جائے کہ تین کے سوا کسی طرف جانا جائز نہیں تو، ایک طرف یہ حدیث حضور کے عمل کے ساتھ ٹکرا جاتی ہے، اور دوسری طرف ارشاداتِ نبوی میں تضاد بیانی لازم آتی ہے کہ ایک حدیث میں دوسری مساجد کی طرف جانے سے روکا، اور کچھ احادیث میں جانے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ثواب بھی بیان کیا۔

اس طرح اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ کسی مزار یا قبرستان کی طرف جانا ممنوع ہے تو بھی زبردست الجھن پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ خود حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے، اور وضاحت کی ہے:۔

۵۱؎ بخاری، ۱۵۹؛ ۵۲؎ مسلم، ۵۳؎ شفاء السقام، ۱۰۵: ۵۴؎ شفاء السقام، ۱۰۵

اس میں انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کے مزارات سے ممانعت کا کوئی ذکر نہیں صرف تین مساجد کا ذکر ان کی فضیلت بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ اہتمام کے ساتھ ان کا سفر کرو کیونکہ باقی مساجد اس فضیلت میں انکے ساتھ شریک نہیں ہیں ،، ان میں عبادت کا اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنی عبادت کی جائے، مگر دنیا بھر کی مساجد کے برعکس ان کی نرالی شان ہے یہاں عبادت اجر و ثواب کے لحاظ سے ہزار ہا گنا بڑھ جاتی ہے، اس چیز کو آپ نے اس اسلوب میں بیان فرمایا۔

لاتشد الرحال الی ثلاثہ مساجد۔

امام غزالی لکھتے ہیں۔

اس ارشاد میں مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ یا متبرک مقام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے

ویدخل فی جملتہ زیارۃ قبور الانبیاء وقبور الصحابۃ والتابعین وسائر العلما والاولیاء، وکل من یتبرک بمشاھدتہ فی حیاتہ یتبرک بزیارتہ بعد موتہ۔ ویجوز شد الرحال لھذ الغرض ولا یمنع من ھذا قولہ علیہ السلام" لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، المسجد الحرام، ومسجدی، والمسجد الاقصیٰ" لان ذالک فی المساجد لانھا متماثلۃ لعد ھذہ المساجد [55]

اس سفر میں انبیاء کرام۔ صحابہ و تابعین، علماء اور اولیاء سب کی قبریں شامل ہیں کیونکہ جن ہستیوں سے زندگی میں برکت حاصل کی جاتی ہے، ان سے ان کے وصال کے بعد برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور اس مقصد کے لئے سفر کر کے جانا جائز ہے اور حدیث ،، شد رحال ،، اس کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم صرف مساجد کے بارے میں ہے، اور ان تین مساجد کے بعد باقی تمام مسجدیں یکساں ہیں۔

55؎ غزالی، احیاء العلوم، کتاب آداب السفر، باب اول ۲: ۷ء ۲

نواں باب

گنبد خضراء کے زائرین

اہلِ دل کے قافلے

1. فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے نام
2. ابو ابراہیم و دار
3. امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ،
4. حضرت حاتم اصم رضی اللہ عنہ،
5. حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ،
6. حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
7. حضرت امام احمد رضاء بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
8. حضرت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
9. حضرت شیخ الحدیث محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ



گنبدِ خضرا، کا حسین و بہار آفریں تصور اور اس کی زیارت کا بے پایاں شوق، اہل ایمان کے دلوں کی دھڑکن، بے قرار و مشتاق نگاہوں کی سکون بخش جنت اور قرب و حضور کی نورانی تمنا کی معراج ہے، جس کے بعد آرزوئیں دم توڑ دیتی اور تمنائیں مٹ جاتی ہیں۔ مومن کے افکار و تصورات کی لطیف و غیر مرئی اور قدسی دنیا پر گنبدِ خضرا، کی تابناک و پُر جمال اور نورانی کہکشاں ہی پرفشاں ہے، اور دل میں سجی ہوئی خوبصورت یادوں اور آرزوؤں کی پُر کیف و دلکش روشنی ہی اس کی زندگی کی رہگذر میں چراغاں کئے ہوئے ہے، گنبدِ خضرا، کے اس جانفزا تصور ہی سے اس کے اجڑے چمن میں بہار آتی اور ناشاد روح قرار و سکون محسوس کرتی ہے۔

لیکن تصور کی یہ اعجاز آفرینی مشروط ہے۔

اس تصور کی مسیحائی اس وقت کارگر اور قلب و روح کیلئے آبِ حیات ثابت ہوتی ہے جب دل و نگاہ، روح کی گہرائیوں کے ساتھ اس قدسی تصور کے گرویدہ اور عملی زندگی میں جلوے سمیٹنے کے شیدا ہوں، جذبات کی اس شدت اور شوق کی اس فراوانی کے بغیر، اس تصور کی کرشمہ نمائیوں کی طلب اور جھلک دیکھنے کی آرزو، طلب محال ہے اور اس کی ذوق افروزی کا انکار۔ دل کی موت اور شقاوت و محرومی کی علامت ہے

تصورِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور زیارت گنبدِ خضرا کے شوق میں مست رہنے والوں کی بے تابیوں اور بے قراریوں ہی کا یہ اثر ہے کہ روزِ اول سے دلوں کے قافلے گنبدِ خضراء کی طرف رواں دواں ہیں، اور اس عقیدت و اخلاص، محبت و احترام اور نیازمندی

کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ ان کے مظاہر بھی سے ایمان کو تازگی نصیب ہوتی اور عشق کو راحت ملتی ہے، یہ قافلے محبت کی راہ پر ہمیشہ سے گامزن ہیں اور یونہی جادہ پیما رہیں گے اور عشق بے قرار کو ذوق و شوق کے نئے اور ولولہ انگیز رنگ ڈھنگ عطا کرتے رہیں گے محبت کی شدت و ندرت اور جذب دروں کی کارفرمائی اس جذبے کو کبھی فنا نہیں ہونے دے گی۔

آج تک کروڑوں انسانوں نے اس بارگاہ میں حاضری دی ہے، ان میں اقلیم ولایت و امامت کے تاجدار بھی تھے اور لشکر و سپاہ کے ارباب کجکلاہ بھی! اصحاب علوم و فنون بھی تھے اور خداوندان دانش و آگہی بھی! فرخندہ بخت، فرشتہ سیرت، نیک محضر فقراء، و صلحا اور زاہد و عابد بھی تھے، اور مظلوم و درماندہ، مغموم و ستم رسیدہ حاجت مند اور دل گرفتہ روسیاہ گناہ گار بھی!

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جود و سخا اور نگاہ کرم کی لطف و عطا نے سب کو نوازا، کسی کو بھی محروم و ناشاد نہ کیا، جو کسی نے چاہا، انکے دستگیر ہاتھ اور طبع سخا پسند نے اپنے سائل کو وہی بخشا، شان فقر و غنا بھی۔ لذت قرب و رضا بھی، شراب وصل بھی، اور دولت دیدار بھی! چند ایسے ہی فیض یافتہ خوش بخت زائرین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو آرزوؤں اور ولولوں کے ہجوم کے ساتھ گنبد خضرا پر حاضر ہوئے، اور دامن طلب میں گوہر مراد پاکر سرخرو ہوتے۔ یا ان کے عشق نے خلوص و ارادت اور ادب و نیازمندی کے ایسے نرالے اور منفرد انداز اختیار کئے، جنھوں نے اہل عشق کے لئے، رسمے خوش نظرے،، کا سماں پیدا کر دیا اور محبت کے میدان میں تقلید کے لئے ایک حسین مثال چھوڑ دی یہ چند دلنشیں مثالیں حقیقت کشا بھی ہیں، روح پرور اور ایمان افروز بھی جنہیں پڑھ کر، جہاں محبوب کے مقام سے آگاہی نصیب ہوتی ہے، وہاں ایمان و عشق کو جلاء بھی ملتی ہے۔

خلافت نبوی کے مسند نشین، امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فردوس بداماں، جنت نشان عہد ہمایوں میں، قومی بیت المال کے خازن بیان فرماتے ہیں۔ ا؎

بارش نہ ہونے کے باعث، مدینہ منورہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں خشک سالی کے آثار نمایاں ہو گئے، قحط کے بھیانک تصور نے دلوں کا قرار چھین لیا، ہونٹوں کی مسکراہٹیں نوچ لیں اور چہروں پر افسردگی اور غم روزگار کے نقش گہرے کر دیئے۔

ایک عاشق اور صاحب نسبت روشن ضمیر زائر، روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، لوگوں کے کرب و اضطراب کا مشاہدہ کر چکا تھا، اس سے امت حبیب کی یہ دگرگوں اور خستہ حالت نہ دیکھی گئی، بارگاہِ رسالت میں بصد عجز و نیاز ملتجی ہوا۔

"یا رسول اللہ! آپ سے امت کی تکلیف مخفی نہیں، اس غریب و بے کس امت کی دستگیری فرمایئے باران رحمت رک گئی ہے، لوگ ابر کے ٹکڑوں کی دید کو ترس گئے ہیں دعا کیجیے، ان کی مراد بر آئے، اور غم کے بادل چھٹیں، اور پانی کے بادل گھنگور گھٹا کی صورت میں مسرت کی نوید جاں بہار لے کر آئیں"

سعید بخت انسان کی وہیں آنکھ لگ گئی، اور خواب میں جمالِ نبوی کی دید نے اس کے دل کے ویرانوں کو حسن و نور کی لازوال تابشوں سے آباد و منور کر دیا، فرمایا:

> اے میرے امتی! میرے عمر کے پاس جا، اور اسے ہماری طرف سے پیغام دے، کہ اطمینان رکھے، بارش ہو گی اور مصیبتوں کے بادل چھٹ جائیں گے، اور اسے بتا کہ زہد و ریاضت اور احتیاط و تقویٰ کی اسی قدسی روش پر قائم رہ! عدل و انصاف کی جو حسین روایات قائم کی ہیں، ان میں فرق نہ آنے پائے۔

ا؎ حجۃ اللہ علی العالمین، ۸۰۷ بحوالہ بیہقی

جب اس نیک نفس کی آنکھ کھلی تو مسرت کی خوشبو سے اس کا سارا وجود مہک رہا تھا خوشی سے جھومتا ہوا امیر المومنین کے حضور پہنچا اور نبوی پیغام ان تک پہنچایا حضرت کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو رواں ہو گئے، پھر فرض شناسی کی تاکید مزید اور ہر لمحہ ہوشیار و بیدار رہنے کا حکم پاکر عرض گزار ہوئے۔

میری تمام صلاحیتیں تو خدمت و اشاعت دین کے لئے وقف ہیں، کسی کام میں دانستہ کوتاہی نہیں کرتا، آئندہ مزید احتیاط برتوں گا۔

اس پیغام اور نبوی ہدایت نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ فعال و پرجوش بنا دیا۔ اور ایک زائر کی درخواست کی بدولت بارش بھی ہو گئی۔

حضرت الوابراہیم وہ دارِ قلب و نظر کی بصیرتوں اور باطنی جمال کی تابانیوں سے بہرہ ور ان سعید فطرت بزرگوں میں سے تھے، جو بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں تو سنی جاتی ہے، اور روحانی اشارات و ہدایات کے ذریعہ ان کے لئے راہ عمل متعین کی جاتی ہے۔

وادی شفشاوہ کے یہ مقبول و برگزیدہ انسان عوام کی عقیدتوں کا مرکز اور ان کی محبت و نیاز مندی کی آماجگاہ تھے۔ ان کے وجود مسعود سے سرزد ہونے والی حیرت انگیز کرامات نے شہرت و ناموری اور مقبولیت کی ساری راہیں ان کیلئے کھول دی ہوئی تھیں لوگ عقیدت سے آتے، اور اللہ کے اس نیک و مقبول بندے کی زیارت سے یادِ الٰہی عبادت اور ذوق و شوق کا نیا جذبہ اور ولولہ لے کر واپس جاتے۔

دنیائے مغرب کے یہ فردِ کامل حج و زیارت کے لئے ایک قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے، حرمین کی زیارت اور حج کے ارکان سے فارغ ہوئے، تو وطن کی طرف واپسی کا مسئلہ پیش ہوا۔ چونکہ تہی دست اور ظاہری دولت سے بے نیاز انسان تھے۔ اس لئے اہل قافلہ نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ اور غریب سمجھ کر اپنے ساتھ لے

جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اِس بے کسی و مجبوری کی حالت میں روضۂ اطہر پر حاضری دے کر فریاد کرنے اور دردِ دل کی داستان سنانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ ناداری کا غم پہلو میں دبائے، اہلِ قافلہ کے خلاف دربارِ رسالت میں شاکی ہوئے، کہ "مفلس سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں، اور اب وطن پہنچنے کے ظاہری وسائل بالکل مفقود ہیں۔

چارہ ساز محبوب آقا نے اپنے اِس مخلص امتی کی طرف نگاہِ کرم مبذول فرمائی، اور خواب میں ہدایت کی: مکہ مکرمہ پہنچو، وہاں تمہیں چاہ زم زم پر ایک شخص ملے گا، جو زائرین کو پانی پلانے میں مصروف ہوگا، اِس ساقی سے جاکر کہو، اللہ کے رسول حکم دیتے ہیں، کہ وہ تمہیں تمہارے وطن پہنچادے۔

ابوابراہیم حکم کے مطابق مکہ مکرمہ پہنچے۔ چاہِ زمزم پر انہیں ایک حسین و وجیہہ بزرگ دکھائی دیئے، انہوں نے حکم سننے سے پہلے ہی مسکرا کر کہا:

مجھے اِس کام سے فارغ ہولینے دو، پھر چلتے ہیں۔

ابوابراہیم سمجھ گئے، بارگاہِ رسالت سے انہیں دستگیری اور معاونت کی ہدائت مل چکی ہے، اپنے غریب نواز اور مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عنائت پر وہ مسرور و بے خود ہوگئے۔

جب وہ بزرگ ساقی گری کے فرائض سے فارغ ہوتے، تو حکم دیا:

"الوداعی طواف کرلو، اور دعائیں مانگ لو"

پھر رات کے تاریک حصے میں انہیں لے کر آبادی سے باہر کی طرف روانہ ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ انہیں اپنی وادی شفشاوہ کی عمارات نظر آنے لگ گئیں، اپنے وطن پہنچ چکے تھے، جب گھر والوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے، مگر جب حالات سے آگاہ ہوئے تو مکین گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس خصوصی توجہ اور عنائت پر قربان ہوگئے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضۂ اقدس پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو اس وقت اتفاق سے عباسی خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰ھ-۱۹۳ھ) بھی وہاں حاضری کے لئے پہنچ گیا، ذہن میں اقتدار کا سودا سمایا ہوا تھا، اور ہر جگہ اپنی برتری قائم رکھنے کی زبردست خواہش شعور کی گہرائیوں میں دبی ہوئی تھی، جو حضرت امام کاظم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی جس کا اظہار اس نے یوں کیا کہ مواجہ شریف کے سامنے جاکر عرض کی:

السلام علیک یا ابن عم! اے میرے ابن عم! آپ پر سلام۔

اس سے ہارون کا مقصد اپنی شاہانہ وجاہت و امارت کے ساتھ، اپنا نسبی قرب اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسلی تعلق ظاہر کرنا بھی تھا، مگر اقتدار کے نشے میں وہ یہ بھول گیا کہ جس پیکرِ نور کو وہ یہ بات سنا رہا ہے، وہ ان کا بھتیجا نہیں بلکہ بیٹا ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ قریبی اور نسبی تعلق رکھتا ہے۔

چنانچہ امام کاظم رضی اللہ عنہ اس کی آنکھوں سے پندار کا پردہ ہٹانے اور اسے اپنی عظمت سے آگاہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اور نہایت ادب اور پیار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی:

السلام علیک یا ابت! اے اباجان! آپ پر سلام۔

ہارون کے خطاب اور حضرت امام کاظم کے خطاب میں جو زمین و آسمان کا تفاوت اور بین فرق تھا، اس نے ہارون کی بھی آنکھیں کھول دیں، وہ سمجھ گیا ابن عم کے مقابلے میں یا ابت کہنے والے کا مرتبہ بلند ہے۔ مگر شاہی جلال اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا، اقتدار کی پیشانی پہ ناگواری اور ناراضگی کی سلوٹیں ابھر آئیں، حکومت کے نشے نے الزام لگایا کہ:

ہمیں نیچا دکھانے کے لئے ہمارے مقابلے میں اِس انداز سے سلام کیا گیا ہے جو سراسر توہین ہے۔ اور توہین کی سزا یہ ہے کہ اِس کے مرتکب کو پابندِ سلاسل اور حوالۂ زنداں کر دیا جائے۔

چنانچہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو اِس جرم اظہارِ قرب ونسب کے بدلے قید میں ڈال دیا گیا، جہاں آپ تاحیات محبوس رہے۔ اور وصال کے بعد ہی عتابِ شاہی سے چھوٹے۔

قافلہ سالارِ منزلِ شوق، پیکرِ تسلیم و رضا حضرت حاتم اصم بعد آداب و نیاز مندی روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

یا رب انا زرنا قبر نبیک صلی اللہ علیہ وسلم فلا تردنا خائبین

"اے رب کریم! ہم نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی ہے، پس تو ہمیں یہاں سے ناکام و نامراد واپس نہ پھیر۔"

چونکہ نورِ بصیرت سے بہرہ ور اور بارگاہ کے مقبول بندوں میں سے تھے اِس لئے القا ہوا "اے اصم! ہم نے تمہیں اِسی لئے زیارت کی توفیق نہیں بخشی کہ تمہیں ناکام لوٹائیں ہم نے تیری حاضری قبول کی، اور جو لوگ بھی آتے ہیں، سب کو بخش دیا۔

حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر حاضر ہوئے تو اپنی شانِ انفرادیت اور مقامِ ولایت کے ساتھ ایک ایسی حقیقت سے بھی پردہ ہٹا دیا جو اہلِ نظر کو ذوق و سرور بخشتی ہے، اور وہ گنبدِ خضرا کی حاضری دینے والے زائرین کی ایک عجیب قسم سے متعارف کراتی ہے۔

آپ دربارِ رسالت میں پہنچے تو اپنی والہانہ محبت اور خصوصی نوازش کی درخواست اس طرح پیش کی:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہٖ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کے تحظی بھا شفتی

" جب یہاں سے دور تھا تو اس حالت میں حاضری اور زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اپنی روح، یہاں بھیج دیا کرتا تھا۔ وہ حاضر ہو کر نائب کی حیثیت سے یہاں کی پاک چوکھٹ اور آستانہ عالیہ کو بوسے دیا کرتی تھی۔

اب اس بار میں جسم کو لے کر بھی حاضر ہو گیا ہوں، اور اس مرتبہ خواہش یہ ہے کہ حضور کے دستِ کرم کو بوسہ دوں، عرض گزار دی ہے، نگاہِ کرم فرمائیے اور ہاتھ مبارک نکالئے، تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی کی لذت سے آشنا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہوں۔"

اپنے ایک عاشق اور محبوب امتی کی اس عرضِ محبت کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبول بخشا، دستِ مبارک نمودار ہوا، اور حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ نے بکمال ادب وشوق، اور انتہائی وارفتگی اور بے خودی کے عالم میں اسے بوسے دیئے اور جذبات محبت کو تسکین پہنچائی۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب حریم قرب وحضور اور محبت وشوق کی نئی منزلوں سے آگاہ ہوئے تو خصوصی عنایات ان کی طرف مبذول ہوئیں، اور انہیں توجہ کا مرکز بنالیا۔

ایک روز خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

"ہماری زیارت کے لئے مدینہ طیبہ آؤ"۔

یہ حکم ملتے ہی حاضری کے لئے شوق فزوں تر ہوگیا، ایسی بے خودی اور پُر سرور کیفیت طاری ہوئی کہ کسی چیز کی طرف دھیان نہ رہا، اسی حالت میں کسی قسم کا اہتمام کئے بغیر ہی چل پڑے، بعد میں بھائیوں کو صورتِ حال کا علم ہوا تو زادِ راہ اور دوسری ضروریات لے کر حاضر ہوئے، اور ۱۲۶۰ھ کو مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے روانہ کیا۔

۱۲۶۱ھ میں آپ جدہ کی بندرگاہ کے قریب لنگر انداز ہوئے، اور وفورِ شوق میں کوئے جاناں کی طرف چل پڑے۔

وہاں آپ کی ملاقات شاہ محمد اسحاق صاحب سے ہوئی جو ظاہری علم و فضل کے ساتھ روحانی کمالات کی بھی ان بلندیوں پر فائز تھے، جو خال خال لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں، انہوں نے باطنی تربیت اور روحانی ارتقا کے لئے تواضع و خاکساری کی تعلیم دی، اور خود کو ناچیز و حقیر سمجھنے کی برکات سے آگاہ کیا، اس علاوہ ملکی صورت کے وجدان، اور رؤیت باری کی حقیقت سے باخبر کرنے کے لئے خصوصی وظائف کی اجازت دی، اور سلسلے کی دعاؤں کی تلقین کی۔ ان فیوضات سے دامن مراد بھر کر حضرت حاجی صاحب آگے بڑھے۔

شاہ قدرت اللہ صاحب نے اس گوہر نایاب اور بلائے ہوئے مہمان کی خوب قدر افزائی کی، اور روحانی طور پر ان کے مرتبے سے آگاہ ہو کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اس وقت حاجی صاحب کے سامنے سب سے بڑا مقصد روضۂ اقدس کی حاضری ہی تھی، کیونکہ طویل ترین مسافت طے کرنے اور ہر طرف سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار آنے کا سبب، شوقِ دید کی بڑھی ہوئی خواہش ہی تھی، اس آپ نے شاہ قدرت اللہ صاحب کے سامنے اظہار کیا اور کہا اگر حاضری نصیب نہ ہو تو اس سفر کا مقصد ہی فوت ہوتا ہے۔ اس لئے دربارِ نبوی تک پہنچنے کا انتظام ضروری ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اسی وقت راستے کے شناسا بدوی لوگ بلائے اور

انہیں ہدائت کی ،کہ حاجی امداد اللہ صاحب کو روضۂ اقدس پر لے جائیں ، اور ان کی خدمت کو سعادت جانیں نیز انہیں تنبیہ کی، اس سلسلہ میں اگر ان سے کوتاہی ہوئی، تو دین و دنیا میں نقصان اٹھانا پڑے گا، حاجی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی خدمت کی جائے تو رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب ان انتظامات کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں خیال آیا کہ "اگر کوئی خدا رسید نیک بندہ درود تنجینا کی اجازت عطا فرمادے تو بڑی خوشی ہو، بلا طلب ایک خزانہ ہاتھ آجائے"،

آپ منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ دل کی گہرائیوں سے سلام محبت عرض کیا، چونکہ بلائے ہوئے مہمان تھے، خصوصی حکم اور توجہ کے ساتھ طلب کئے گئے تھے، اس لئے سلام کے جواب سے شرف یاب ہوئے، اور مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب امتی کو سلام کا جواب مرحمت فرما کر عزت کے عرش کمال اور محبت کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ جواب سے شادکام و بامراد ہونا کوئی معمولی اعزاز نہ تھا، آپ لذت جواب اور سرور باطنی سے سرشار ہو گئے، اور ان منزلوں تک پہنچے جہاں تک رسائی نہ تھی۔ یہاں پیر شاہ غلام مرتضیٰ صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی، جن کے سامنے آپ نے دلی کیفیت کا اظہار کیا: "میرا دل چاہتا ہے کہ یہیں قیام کر دوں، اور ہندوستان واپس نہ جاؤں"۔

انہوں نے فرمایا! ابھی قیام کی اجازت نہیں، صبر و استقلال سے کام لیں، اور طبیعت پر جبر کر کے واپس چلے جائیں، پھر دوبارہ طلبی ہو گی۔

وہیں آپ کی خواہش بھی پوری ہو گئی، جو راستے میں دل کے اندر پیدا ہوئی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ بلا طلب درود نجات کی اجازت دے دے، چنانچہ شاہ گل محمد خاں نے از خود ارشاد فرمایا کہ، ممکن ہو تو روزانہ ہزار بار، ورنہ تین سو ساٹھ بار، اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو صرف اکتالیس بار پڑھ لیا کریں بے شمار فوائد ظاہر ہونگے۔

(بقیہ مضمون صفحہ آخر پر)

شہر عشق، بریلی شریف کے کوچہ و بازار مہک رہے تھے، اس کا ہر گوشہ دامان باغبان اور کفِ گلفروش بنا ہوا تھا متانت و سنجیدگی، عقیدت و شائستگی کی ساری حسین قدریں سمٹے، دلکش گہما گہمی پورے شباب پر تھی، مگر احترام و محبت سے سب کی نگاہیں، جھکی ہوئی تھیں، اور پیشانیوں پہ وہ نور نمایاں تھا، جو نیازمندی کے حسن میں بجلیاں بھر دیتا ہے۔

محلہ سوداگراں خصوصی طور پر مسرت کے اجالوں میں ڈوبا ہوا، اور جذبِ یقین کی دلآویز خوشبو میں لبا ہوا تھا، یہاں کا آسمان ہی بدلا بدلا اور دنیا ہی نرالی تھی، جابجا آئینہ بندیاں اور تلاوت کاریاں تھیں، جو حسن ذوق کے ساتھ حسنِ عقیدت کی غماز اور دل کی گہرائیوں میں بسی ہوئی محبت کی عکاس و امین تھیں۔

جب نغمہ درود و سلام کے جلو میں ایک حاجی صاحب اپنے احباب و عشاق کے ہجوم میں نمودار ہوتے تو پتہ چلا یہ سب تیاریاں ان کے استقبال کے لئے تھیں۔

حاجی صاحب کی آمد کی اطلاع پا کر سپہرِ علم و حکمت کے نیّر تاباں، دنیائے عشق و محبت کے سالارِ اعظم، شیدائے ناموسِ نبوت، محافظِ دین مبین، مجدد برحق، امام اہلسنت وجماعت، قائدِ امت اجابت حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اپنے کاشانہ عالیہ سے برآمد ہوئے، اور والہانہ انداز سے حاجی صاحب کی طرف بڑھے، جیسے کوئے حبیب کی فضاؤں کی سیر کر کے آنے والے اس محبوب دوست میں جذب ہو جانا چاہتے ہوں۔

”کیا گنبدِ خضراء پر بھی حاضری دی؟“

آپ کے ہونٹوں پر سب سے پہلا سوال مچلا، جیسے اس سوال کے جواب پر ان کی عقیدت و نیازمندی کا دارومدار ہو، اور اس دربار کی حاضری ہی کو ایمان د

ایقان کی کسوٹی اور شرفِ قبول کی علامت سمجھتے ہوں، کیونکہ اسی بارگاہ سے مناسک وارکانِ حج کی فضیلت سے شعور و آگہی کی دولت نصیب ہوئی، اور ایک درِ معبود پہ جھکنا آیا، یہ نہ آتے تو انسانی پیشانیاں بدستور تراشیدہ بتوں کی چوکھٹوں پر جھکتی رہتیں، انہوں نے آدابِ انسانیت اور مقامِ آدمیت سے آگاہ کیا اور رب سے تعارف کرایا۔ اس لئے احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی عظمت کو بوسے دیئے جائیں، اور ان کے در کی حاضری ہی سے اپنی نیازمندی اور قدر شناسی کا ثبوت فراہم کیا جائے، جن کے طفیل حج کی سعادتیں اور سنگِ اسود بوسی کی برکتیں حاصل ہوئیں۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے!

اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے!

حاجی صاحب آبدیدہ ہو گئے، بے قرار محبت، حسرتِ ناتمام بن کر ہونٹوں پہ آ گئی، غمزدہ لہجے میں بولے، "یا حضرت! دربارِ رسالت میں حاضری دی تھی، مگر دو روز سے زیادہ قیام کی سعادت نصیب نہ ہوئی، یہ آرزو پوری نہ ہو سکی کہ مزید کچھ عرصہ آپ کے قدموں میں رہتا۔"

عشق سراپا اعلیٰ حضرت امام اہلِ نجابت، حاجی صاحب کے آگے جھک گئے اور عقیدت سے ہاتھ چوم لئے اور ان کو ایک حقیقتِ عظمیٰ سے آگاہ کرنے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا "حاجی صاحب! آپ تو بڑے ہی فیروز بخت اور سعادت مند ہیں کہ دو روز تک گنبدِ خضرا کی زیارت کرتے اور مدینہ منورہ کی فضاؤں میں سانس لیتے رہے، عشق کی لہریں سینے میں موجزن ہوں تو حوارِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مبارک شہر کے مقدس و نورانی ماحول میں لی جانے والی چند سانسیں بھی صدیوں کی زندگی پر بھاری اور سرمایہ حیات ہوتی ہیں، آپ کی سعادت کا کیا ٹھکانا کہ دو روز تک حاضری نصیب رہی"

زائرِ کوئے حبیب کی ملاقات نے اعلیٰ حضرت کے جذبۂ محبت اور عشق کی آگ کو تیز کر دیا۔ شرابِ طہور کا خمار آگیں کیف سا چھا گیا، اور آپ تصورِ گنبدِ خضرا میں بے خود

ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی خوشگوار اور بہار آفریں فضاؤں کا تصور پردۂ ذہن پر لہرایا، تو باغِ جنت کی نشاط انگیز ہوائیں، عنبر فشاں ہو گئیں۔

؎ نام مدینہ لے دیا، چلنے لگی نسیمِ خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا، بتائی کیوں

؎ جب صبا آتی ہے، مدینہ سے ادھر، کھلکھلا پڑتی ہیں، کلیاں یکسر
پھول جامہ سے نکل کر باہر، رخِ رنگیں کی ثنا کرتے ہیں!

۱۳۲۳ھ میں اپنے بھائی صاحب کو الوداع کہنے کیلئے جھانسی تک آئے، حج و زیارت کے لئے ان کے ہمراہ جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، مگر روانہ کرتے وقت دلِ بے قرار کے صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

(الف) وائے، محرومیٔ قسمت کہ میں پھر اب کی برس
رہ گیا ہمرہِ زوار مدینہ ہو کر

(ب) لے رضا سب چلے مدینے کو، میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

(ج) پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب۔
پر کھنچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب۔

(د) حسرت میں خاک بوسئی طیبہ کی اے رضا۔
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں۔

چنانچہ وہیں سے دل کے مشورہ پر بھائی صاحب کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا، مگر پھر والدہ صاحبہ کا خیال آیا جن کی اجازت و رضامندی کے بغیر آپ کوئی کام نہیں فرمایا کرتے تھے، اس لئے دلِ حزیں کو سمجھاتے ہوئے واپس ہوئے اور بریلی شریف آکر والدہ محترمہ سے اجازت لے کر فوراً بھائی صاحب کے پاس پہنچے خوش قسمتی سے اسی وقت تک جہاز روانہ نہ ہوا تھا۔ گویا اس مردِ درویش، عاشقِ رسول اور خدامست ہی کا منتظر تھا۔

تصورِ دیارِ نبی میں شب و روز بیتنے لگے، آپ کی فرحت و مسرت کا کوئی ٹھکانہ

نہ تھا، خوش تھے کہ جذبِ دروں اور شوق لقا نے ایک بار پھر دربار نبوی کی حاضری کا موقعہ فراہم کر دیا۔ اس سے پہلے فرض حج ۱۲۹۶ء میں ادا فرما چکے تھے، اب پیش نظر صرف ایک ہی آرزو تھی کہ قلب و نظر کی دنیا کو جمال حبیب کی رعنائیوں اور تابانیوں سے شاد کام کریں اور وہاں پہنچ کر خصوصی کرم کی التجا کریں، سفر اپنی تمامتر کیفیات اور برکات کے ساتھ طے ہونے لگا

شکر خدا آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
گرمی ہے، تپ ہے، کلفت سفر کی ہے۔ ناشکر یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے
آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا۔ مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

مکہ مکرمہ میں آپ کا ایک سال انتہائی مصروف گزرا جس عرصہ میں آپ نے تاریخی کارنامے انجام دیئے، اور خداداد صلاحیت و قابلیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ اہل حرم پر واضح ہو گیا، آپ رسمی علوم و فنون سے بلند تر شخصیت ہیں، قلیل مدت میں بے سروسامانی اور مسافرت کے عالم میں آپ کے تحقیقی و علمی کام نے سب اہل کمال کو انگشت بدنداں اور دشمنوں کو مقہور کر دیا، اہل نظر جان گئے، اعلیٰ حضرت اس صدی کی منفرد۔ باکمال، روشن ضمیر، صاحب نسبت اور علم لدنی سے بہرہ ور ہستی ہیں ان پر قدرت کی عنایات کا لازوال سایہ ہے اور تحفظ ناموس رسالت کی پاداش میں روح القدس کی تائید حاصل ہے۔

اس ایک سال میں آپ کے شاندار علمی شہ پاروں کا احاطہ اور کارناموں کی تفصیل ایک ضخیم جلد کی متقاضی ہے جس کے لئے کوئی اور موقعہ مناسب ہے۔

۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو آپ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلالت علمی کے جھنڈے گاڑ کر اور شان قدسی کا سکہ جما کر مجسم عشق و نیاز بن کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، ذوق و شوق نے بے خودی و وارفتگی کی کیفیت طاری کر دی، مدینہ کے درودیوار اور سہانی فضا کا تصور ذہن میں آیا تو بے اختیار زمزمہ سنج ہو گئے

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو!!
کعبہ تو دیکھ چکے، اب کعبہ کا کعبہ دیکھو!!
رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت!!
اب مدینے کو چلو، صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں!!
آؤ جودِ شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو!!
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں!
دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو!!
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر۔ کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے؟
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے
ہاں ہاں رہ مدینہ ہے، غافل ذرا تو جاگ۔ او پاؤں رکھنے والے یہ جا جشم وسر کی ہے
سفرِ عشق اپنی تمامتر رعنائیوں، اور قلب ونظر کی عقیدت آگیں، کیف بار زیبائیوں کے ساتھ جاری رہا جس میں خوش بختی کی اس معراج کا تصور، سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں نورِ مسرت کے خزانے انڈیل رہا تھا، مگر عشقِ جنوں ساماں کی بےخودی، شعور کی اس فرزانگی پر غالب نہیں تھی کہ یہ رہ کوئے حبیب ہے جہاں قدرت ہو تو سر کے بل جانا عین سعادت، اور تقاضائے ایمان وشناسائی ہے۔
اپنی خامیوں کے احساس کے باوجود یہاں سے رہِ فرار اختیار کرنے یا گریز پا ہونے کا کوئی جذبہ اور خیال نہیں تھا، کیونکہ جانتے تھے، بے کسوں اور بے ہنروں کو یہیں پذیرائی بخشی جاتی ہے اور گنہ گاروں کو دامانِ کرم تلے چھپا لیا جاتا ہے۔

یہ چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

جو بارگاہ خوف زدہ دلوں کے لئے امن کا گہوارہ، پژمردہ روحوں کے لئے راحت گاہ اور مایوس انسانوں کے لئے ماویٰ و ملجا ہو اس سے بھاگ کر چھپنے کا تصور کسی دل میں کیسے آسکتا ہے اس لئے انکسار و عاجزی کی انتہائی بلندیوں کو چھوتے ہوئے عرض کی۔

تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے
کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے
جاؤں کہاں، پکاروں کسے، کس کا منہ تکوں،
کیا پرسش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے

اس خود رفتگی کے عالم میں یقین کامل تھا۔ درِ حبیب سے مایوس و ناکام نہیں لوٹائے جائیں گے۔ بلکہ بڑی فیاضی اور خصوصی عنائت سے گوہر مراد، تمنائے دل حزیں کی جھولی میں ڈال دیا جائے گا۔ اور یہ سفر اپنے منفرد مقصد کی جبین حدوں کو چھولے گا، اس لئے عالم کیف و سرور میں ہر طرف سے بے نیاز اور اپنی محبت کی دنیا میں گم، مست و مدہوش رہے۔

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے۔
مانگیں گے مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے، نہ حاجت اگر کی ہے،
منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی،
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

اس دفعہ شوقِ دید کے سوا دلِ بے قرار کی اور کوئی تمنا نہیں تھی، اسی ایک تمنا کو پہلو میں دبائے حاضر ہوئے تھے کہ جانِ تمنا اپنی کرم گستر فیاض شان کے باعث آنے والے غریب الدیار کو طلعت نور کے جلوۂ بے حجاب سے محروم نہیں رکھیں گے، اور اس طرح نوازیں گے۔ کہ دل فگار حسن و نور کی جلوہ گاہ

بن جائیں گے۔

اِس لئے جب کوچۂ جاناں میں پہنچے تو طوفِ کوئے یار کے سوا سب کچھ بھول گئے اور شوقِ وصال میں سنگِ درِ حضور کے چکر لگانے لگے، تاکہ بندہ نواز کی نگاہ اُٹھے اور ابدی سعادتوں کے در مفتوح ہو جائیں، اور نورانی جلوؤں کے جلو میں، حسن کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے نفحات اٹھنے لگیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی۔
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنہ جائے کیوں
سنگ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے،
جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں،

دل کی گہرائیوں میں بسی ہوئی اِس آرزو، اور طلبِ صادق کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اِس کے سامنے باغ جناں کی دل آویز و دلکش نعمتوں کو شرف قبول بخشنے اور ان کے حق میں زیارتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال سے دستبردار ہونے کے لئے بھی تیار نہیں تھے جمالِ یار کے مقابلہ میں جنتی نعمتوں کے خزف ریزوں کو حقیر سمجھتے تھے چنانچہ انہیں برگ و بر کی ناتمام خواہش قرار دے کر اِن سے دستکش ہونے کا اعلان کر دیا۔

جنت نہ دیں، نہ دیں تیری رویت ہو خیر سے
اِس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے،

اِس لئے بارگاہ خداوندی میں بصد الحاح وزاری، اور بصد اخلاص و نیاز التجا کی

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا،
مجھے جلوۂ پاکِ رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

بعض اوقات عاشقِ دلفگار کے شوقِ دید کو تیز تر کرنے، اور اس کی بے قراری و شانِ بسمل سے محظوظ ہونے کے لئے شانِ تغافل کو بروئے کار لایا جاتا ہے، اور اسے جلوۂ بے حجاب سے محروم رکھا جاتا ہے، وہ تڑپتا اور دل کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیتا ہے۔ اس مظاہرۂ اخلاص و عشق کے بعد اسے حسن کی دید میں کھونے کی اجازت دے دی جاتی ہے، اور سکون و قرار کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

دل کی حسرتیں زبان بن گئیں، آرزو نے مجسم فغاں کا روپ دھار لیا۔ عشق سراپا سوال بن گیا، مگر کوئی پذیرائی نہ ہوئی، جیسے پرواہ ہی نہ ہو، یا شانِ تغافل نے عشق کے امتحان کا ارادہ کر لیا ہو۔

اس صورتِ حال نے عشق کے خرمنِ صبر و قرار میں آگ لگا دی، آپ تصور کی گہرائیوں میں کھو گئے، اور بے خودی و اضطراب کے اس عالم میں دردِ دل کو الفاظ کا جامہ پہنایا تو جذبات کی دنیا میں ہیجان پیدا ہو گیا، شوق اپنی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا، جہاں صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور جمالِ یار کے سوا ہر مداوا ناکام ہو جاتا ہے، اس مقام تک پہنچ کر، دلسوزی بے قراری، عجز و نیاز اور بے پناہ شوق و عقیدت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ ہچکیوں اور آہوں کی زبان میں وہ کچھ کہہ دیا جس کے بعد کہنے کیلئے کچھ اور باقی نہیں بچتا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں — در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں،
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں — دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں،
اس گلی کا گداہوں میں جس میں — مانگتے تاجدار پھرتے ہیں،

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

عشق کی اس فتادگی، شوقِ دید کی اس شدت و بے تابی اور اندازِ طلب

پر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رحم یا پیار آگیا، وہ در مراد مفتوح ہوگیا جس کے لئے ایک عاشق صادق نے اپنا دل کھول کے رکھ دیا تھا، جلوؤں کی قدسی بارات میں وہ حسن نمودار ہوا جسکی دید کے لئے اہلِ سعادت واصحابِ نظر کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اہل دل جس کے لئے آرزومند رہتے ہیں اور ایک جھلک کے لئے التجائیں کرتے رہتے ہیں جس کا ایک جلوہ دولتِ کونین سے بڑھ کر اور اہلِ عشق کے نزدیک عینِ ایمان اور روحِ سعادت ویقین ہے۔

بیداری کے عالم میں زیارت ہوئی اور آپ مقصدِ زلیست کو اتنا قرب پاکر فرحت وسرور سے جھوم اٹھے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں، کوچے بسا دیئے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں،
جلتے بجھا دیئے ہیں، روتے ہنسا دیئے ہیں،
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو،
جب یاد آگئے ہیں، سب غم بھلا دیئے ہیں،

سنہ ۱۹۱۰ء کا ذکر ہے، خلافتِ اسلامیہ کا حسین پھریرا حجاز کے طول و عرض میں لہرا رہا تھا، اور اسلامیانِ ملت کا دل اس کی ہر حرکت و جنبش کے ساتھ دھڑکتا تھا، اگرچہ خلافت کی شان و شوکت اور قوت و طاقت اغیار کی نظرِ بد اور مکروہ سازشوں کا شکار ہو چکی تھی تاہم ابھی اس میں اتنا دم خم تھا کہ کوئی مخالف قوت علانیہ اس کے ساتھ ٹکرانے کی ہمت نہ رکھتی تھی، اِن دنوں وہابیت حجاز کے طول و عرض میں خفیہ اپنے پاؤں جما رہی تھی اور خلافتِ اسلامیہ کا تختہ الٹنے کی فکر میں تھی، مگر ایک تو جمہور مسلمانوں سے اس کے عقائد لگا نہ کھاتے تھے، دوسرے وہ ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی تھی، اس لیے خلافت کو سردست اس کا کوئی خوف نہ تھا، بلکہ وہ وہابیت کو درخورِ اعتنا سمجھنے کے لئے ابھی تیار نہیں تھی۔

سلطان عبدالحمید خان تختِ خلافت کی زینت تھے، ان دنوں انہوں نے حجاز میں ریلوے لائن بچھانے کے لئے اسلامی ممالک سے تعاون کی اپیل کی، مسلمان پورے جوش و جذبے کے ساتھ معاونت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور دل کھول کر امداد دی، مگر حضرت امیر ملت محدث علی پوری پیر طریقت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و ایثار اور ذوق و شوق کے ساتھ حصہ لیا، اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

اس زمانے میں جبکہ ایک سو روپیہ کے مالک کو امیر کبیر تصور کیا جاتا تھا، اور ایسے دولت مند کو دیکھنے اور سو روپیہ کے نوٹ کی زیارت کرنے کے لئے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے، آپ نے حجازی ریلوے لائن کے لئے چھ لاکھ روپے کی خطیر رقم کا انتظام فرمایا، جس کا اثر سلطان روم خلیفہ عبدالحمید خان پر یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت امیر ملت کے لئے چھ سنہری سندیں اور چھ تمغے ارسال

فرمائے، اور عمدۃ الافاضل والاماثل کا خطاب دیا۔

محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک کے ساتھ آپ کو جو روحانی و جذباتی وابستگی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ شہر دلبر کا ذکر آتے ہی آپ کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں، اور دل پہلو میں مچلنے لگتا تھا، وہاں کے باشندوں کو دیکھ لیتے تو فدا ہو جاتے، اتنی خدمت کرتے، عام آدمی جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر کسی عربی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کا دل پھٹ جاتا۔

پتہ چلا سرزمین حجاز میں قحط پھیل گیا ہے، اور عرب کے باشندے سخت کرب میں مبتلا ہیں شاید قدرت اہل دل اور اہل درد و عشق کا امتحان لینے یا عزیزوں پر ان کے مقام و مرتبہ کی عظمت واضح کرنے ہی کے لئے ایسے حالات پیدا کرتی ہے۔

چنانچہ توقع اور دستور کے مطابق حضرت سید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ بے قرار ہو گئے صبر و قرار لٹ گیا، اہل عرب کی تکلیف کے تصور نے بے چین کر دیا، اسی وقت ایک لاکھ روپے کا انتظام کیا، اور حجاز مقدس بھجوایا، اس وقت سکون نصیب ہوا جب محبوب کے شہر کے باشندوں نے سکھ کا سانس لیا اور وہاں کی مقدس فضاؤں سے قحط کے آثار دور ہوئے،

یہ عشق مجسم، پیکر الفت و رحمت اپنے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کی زیارت، اور قلب حزیں کی تسکین کے لئے عازم سفر حجاز ہوتے۔

جس فرزانہ دیوانے کا بے قرار دل محبوب کی یاد میں ہر وقت تڑپتا رہتا تھا کوچہ حبیب میں پہنچ کر اس کے سوز و ساز اور عجز و نیاز کا کیا عالم ہوا ہوگا، اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اہل نظر اس سلسلہ کا ایک چشم دید واقعہ روایت کرتے ہیں۔

باب السلام کے نزدیک ایک شخص نے مدینہ طیبہ کی گلی کے کتے کو لاٹھی مار دی، لاٹھی اس زور سے لگی کہ وہ غریب چلا اٹھا اور درد سے بلبلاتا ہوا ایک طرف

بھاگ گیا اتفاقاً آپ اِدھر سے تشریف لے آئے، کتے کی یہ کیفیت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے، جب سارا حال معلوم ہوا تو یارائے ضبط نہ رہا، اشکبار آنکھوں کے ساتھ اس ظالم کو دیکھا جس کے ہاتھ محبوب کی گلی کے مسکین کتے پر اٹھے تھے، بہت برہم اور افسردہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

"سنگدل! ہاتھ اٹھاتے ہوئے تجھے اتنا خیال نہ آیا کہ یہ عام کتا نہیں ہے، بلکہ اس گلی کا کتا ہے، جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔"

پھر اس کتے کو بڑے آرام اور پیار سے لٹایا، اپنا عمامہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھی، اور نفیس ملائم کھانا منگا کر اسے کھلایا۔

دیکھنے والے دل دردمندی کی یہ نیازمندی اور عشق کی یہ قدردانی دیکھ کر دنگ رہ گئے اور انہیں یقین کرنا پڑا گنبدِ خضرا کی عظمت وہی جان سکتا اور اس مرکزِ انوار وتجلیات کے جلوے وہی سمیٹ سکتا ہے جس کا سینہ محبت کے نور سے معمور اور روشن ہو، ورنہ اس نور سے محروم آدمی پاس رہ کر بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتا، چاہے وہیں کا مکین ہو مگر ان کی عظمت وشان کا منکر اور قدر ومنزلت سے ناواقف ہو۔

متوسلین کا بیان ہے۔

جب عرصہ دراز کے بعد وہابیوں کا حجاز پر تسلط ہو گیا، اور آپ اس زمانے میں حجاز مقدس پہنچے تو وہابیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے سے قطعی احتراز کیا، کیونکہ وہ اس ذات سے کوئی انس اور پیار نہ رکھتے تھے، جن کی اطاعت کے تصور سے نماز، نماز بنتی ہے، اور مقبولیت کے درجات طے کرتی ہے۔ آپ محبت و اطاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی نماز اور بندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ان کے پیچھے کھڑے نہ ہوئے، جنہوں نے محبوب کے پاک شہر میں کشت وخون کر کے اپنی بے خبری اور دشمنی کا ثبوت فراہم کیا تھا، اور محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کے مزارات گرا کر اور قبریں مسمار کر کے بغض

(باقی صفحہ آخر پر)

یہ ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے۔

جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ شہر کے مختلف محلوں اور نواحی بستیوں سے لوگ پروانوں کی طرح حضرت شیخ الحدیث صاحب کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے اور آپ کے ایمان افروز بیان سے قلب و روح کو گرمانے کی خاطر سنی رضوی جامع مسجد کی طرف امڈے چلے آ رہے تھے، نمازیوں کی آمد کا سلسلہ آخر تک جاری رہتا تھا، وسیع و عریض رقبہ کے باوجود رضوی مسجد، آنے والوں کے لئے ناکافی ہو جاتی تھی، چنانچہ بعد میں پہنچنے والوں کو بازار، اور دکانوں کی چھتوں پر بیٹھنا پڑتا، ہر جمعہ یہ حیرت افزا اور ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آتے، اور لوگ نماز سے فارغ ہو کر اٹھ اٹھ کے انسانوں کے اس سمندر سے محظوظ ہوتے، اور اس مشاہدے سے طبیعت میں عجیب قسم کا اسلامی ولولہ اور جوش و جذبہ محسوس کرتے۔

ہر جمعۃ المبارک کے یہ پر جلال اور شوکت آفریں اجتماعات، اور حضرت شیخ الحدیث صاحب۔ کے ولولہ انگیز خطبات حقیقت میں اسلامی شوکت و جلالت اور ایمانی قوت و جبروت کے بہترین مظاہر اور ایمانی غیرت اور دینی حمیت حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ تھے، آنے والے نہ صرف عظیم اجتماع سے متاثر و مرعوب ہوتے، بلکہ ولی کامل کے بیان و خطاب سے گہرے اور انقلابی اثرات بھی قبول کرتے۔

حضرت شیخ الحدیث کی تشریف آوری سے پہلے جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائلپور کے طلباء، مائیک پر قابض رہتے تھے۔ وہ باری باری تقریر کرتے اور ہزاروں کے اجتماع سے جوش بیان و انداز خطاب کی داد وصول کرتے، انکی یہ تقریریں بولنے کا ڈھنگ سیکھنے اور فن خطابت میں کمال حاصل کرنے کی خاطر ہوتی تھیں، بیان و خطابت کا فن سیکھنے کے لحاظ سے یہ جگہ ایک مکمل اور کامیاب کارخانہ تھی، دیکھنے

میں آیا، جس طالب علم نے یہاں بے جھجک اور بے دھڑک بولنے کی استعداد بہم پہنچالی، وہ کسی جگہ بھی ناکام نہ رہا بلکہ عظیم اجتماعات میں بھی اپنی قوت بیانیہ کا لوہا منوا تا اور سکہ جماتا چلا گیا۔

اس روز مائیک میرے قبضے میں تھا، میں اپنی استعداد اور سمجھ کے مطابق، فنِ خطابت کے جوہر دکھا رہا تھا کہ اچانک فضا، تکبیر و رسالت کے نعروں سے گونج اٹھی اور حاضرین اپنی اپنی جگہوں پر احترام سے ایستادہ ہو گئے۔ سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی، یہ مانوس اور جانی پہچانی کیفیت حضرت شیخ الحدیث صاحب کی آمد کا اعلان ہوتی تھی، میں خاموش ہو گیا، زندہ باد مرحبا کے فقرے اور مختلف نعرے مسجد کی فضا میں دیر تک گونجتے رہے، آخر آپ پہلی صف کی طرف سے نمودار ہوئے، حسین عمامہ و فاخرہ جبہ میں آپ ایک نورانی مخلوق دکھائی دے رہے تھے اور چہرے سے غیر معمولی بشاشت کا اظہار ہو رہا تھا جیسے خوشی کے انوار نے آپ کو ہالے میں لے لیا ہو۔

آپ ممبر پر جلوہ گر ہو گئے، حاضرین نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی، ہر طرف سناٹا چھا گیا، میں حضرت کے پاس ہی کھڑا تھا، آپ نے فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہے، ہماری درخواست منظور ہو گئی ہے، اس لئے ہماری روانگی کا اعلان کر دو، تاکہ احباب بھی خوش ہو جائیں"

میں مائیک کے قریب گیا، اور حاضرین کی طرف متوجہ ہو کے اعلان کے انداز میں کہا، "گرامی مرتبت حاضرین! آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہو گی کہ اس سال حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کی درخواست منظور ہو گئی ہے اور آپ اس سال حج کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں"

مجھے اچھی طرح یاد ہے، ابھی یہ الفاظ میری زبان سے نکلے ہی تھے کہ آپ تڑپ اٹھے، مجھے وہیں روک دیا، اور اپنے پاس بلایا، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا تو کسی میں یارا ہی نہ تھا۔ خمدار ابروؤں کے نیچے لانبی پلکوں کے پیچھے سمندر کی گہرائیاں اور شفق کی سرخیاں لئے ہوئے، شفاف بلوریں اور

خمار آلود غلافی آنکھیں، دلوں میں دھنس جاتی تھیں اور دیکھنے والے کو بے خود و مسحور کر دیتی تھیں۔

صورتِ حال ایسی تھی کہ وجہ معلوم کرنے کے لئے نہ صرف آپ کی طرف دیکھنا پڑا، بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اف خدایا! میں لرز گیا، بے قرار و مضطرب نگاہیں اپنے سرخ ڈوروں اور تمام گہرائیوں سمیت میرے سینے میں اتر گئیں، نجانے کیا بات تھی، میں مبہوت ہو گیا، اور کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

آپ نے میرے چہرے پر نگاہیں گاڑ کر فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے ہم فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں، اب ہمارے ذمے وہ فرض باقی نہیں، اس دفعہ تو صرف دربارِ رسالت کی حاضری اور گنبدِ خضرا کی زیارت پاک کی نیت سے جا رہے ہیں، اس مقدس حاضری کے صدقے میں ارکانِ حج اور دیگر عبادات کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی، اس لئے یہ اعلان کرو، کہ ہم حضور نبی کریم رؤف و رحیم پیکرِ نور و رحمت تاجدارِ عرب و عجم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی حاضری کیلئے جا رہے ہیں۔"

میری سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس وقت ننھا سا ذہن، اور محدود شعور، اس ارشاد کی بر وقت کوئی توجیہ نہ کر سکا، اور نہ کوئی حکمت سمجھ میں آئی اگرچہ آپ کی نورانی و روحانی صحبت، شب و روز کی رفاقت، فیض نگاہ، اور عمومی خصوصی اجتماعات میں آپکے ارشادات نے یہ شعور بخش دیا ہوا تھا کہ عشقِ رسالت اور اس میں کلی فنائیت ہی سعادت و نجات، اور قرب و حضور کی ضامن ہے اور حریم قدس تک رسائی کا واحد ذریعہ ہے، مگر اس عشق کے آداب اور نازک تقاضوں سے آگاہی نہ تھی اس لئے حضرت کے ارشاد کی حکمت سمجھنے سے قاصر رہا، مگر آج سب کچھ عیاں ہے، اور حضرت کے جذبۂ عشق کی سلامت روی اور بلندی کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہاں یہ بتا دینا بے جا نہیں کہ ۱۹۴۵ء کے قریبی زمانے میں حضرت شیخ الحدیث کو کسی مخالف پر نمایاں برتری حاصل ہوئی، آپ نے

علمی میدان میں اسے ایسا پچھاڑا کہ اٹھنے کے قابل نہ رہا، آپ کی اس فتح مندی پر آپ کے مرشد برحق، استاذ جلیل حضرت حامد رضا قدس سرہ بہت مسرور ہوئے، اور سرخوشی کے عالم میں یہ دعا دی، دعا کیا دی، کونین کی دولت عطا کر دی۔ فرمایا۔

سردار احمد سربدار احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر، سردار احمد کو سر جھکانے اور چومنے کی سعادت نصیب ہو"

آپ اس دعا سے اتنے خوش ہوئے کہ مسرت کی انتہا نہ رہی۔ خوشی سے جھوم کر بولے!

" استاذِ محترم نے دعا دے دی ہے، اب انشاءاللہ، دربار رسالت کی حاضری ضرور نصیب ہوگی"۔ چنانچہ وہی ہوا، یقین کامل اور جذبۂ عشق رنگ لایا۔ اسی سال ۱۹۴۵ء میں آپ حضرت استاد مکرم ولی کامل حضرت حامد رضا خاں قدس سرہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت، حضور احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب مصطفیٰ رضا خاں کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے، اور بےخودی و سرخوشی کے عالم میں حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پاک میں حاضر ہوگئے مقصود کائنات کو سامنے پاکر جو کیفیت آپ پر طاری ہونا تھی وہ پورے جذب کے ساتھ طاری ہوگئی، اس عالم ذوق و شوق میں آپ نے امام اہلسنت کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہونگے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

حضرت شہزادہ والا مرتبت مصطفیٰ رضا قدس سرہ نے آپ کو جذب و سوز میں منہمک دیکھ کر فرمایا:

" جب غنی سامنے ہیں تو اب دیر کاہے کی، آپ بستر جما ہی کیوں نہیں دیتے؟

"حضرت شیخ المحدث اس عالم کیف و سرور میں اپنے محبوب کے قدموں میں جم کر بیٹھ گئے، جیسے عرض کر رہے ہوں، اب تو بھیک لئے بغیر نہیں ٹلیں گے، کشکول گدائی سامنے رکھ دیا ہے، فقیروں کا روپ بھر کر بیٹھ گئے ہیں، اب فقیر کی لاج رکھنا اور اسے نوازنا آپ کا کام ہے۔

ایسا کامل و صادق گداگر اس بارگاہ سے آج تک مایوس و ناکام نہیں لوٹا، جب تک حاضری نصیب رہی، آپ پر یہی عالم رہا، اور اس دوران وہ سب کچھ پالیا جس کی حسرت اور تمنا تھی، حجابات دور ہو گئے، انوار، قلب و نگاہ میں سمٹ آئے، اور ایمان نے وہ مقام حاصل کیا جسے عین الیقین کہتے ہیں۔

آپ شاد و بامراد وطن واپس لوٹے۔

آج نو سال بعد آپ کو پھر دربار نبوی سے بلاوا آیا تھا، نور مسرت کی دلکشی آپ کے وجیہہ چہرے سے عیاں تھی، وہ تمنا پوری ہو رہی تھی، جو حضرت جامی کے شعر کی صورت میں حرف تمنا بن کر زباں پر آتی رہتی تھی۔

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش ،
خدایا ایں کرم بار دگر کن ،

اس وقت تک لائل پور میں قیام فرما ہوئے، آپ کو پانچ چھ سال گزر چکے تھے، جب آپ یہاں رونق افروز ہوئے تو یہاں کی فضا بڑی سونی خشکی اور خشونت کی اداسیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، گمراہی، بدعقیدگی، اور بدعت کی ظلمتوں کا ہر سو تسلط تھا، اور ان کی دبیز تہیں دلوں پر چڑھی ہوئی تھیں، جس کا یہ اثر تھا کہ ذکر رسول اور انکی عظمت و فضیلت کا چرچا، خداوندان مذہب اور کجکلاہان تبلیغ و اشاعت کے کٹہرے میں ایک جرم سے کم نہ تھا، مقام رسالت کی تشریح انکے مزاج کے خلاف اور فضائل کی تبلیغ، توحید کے منافی تھی۔ ذکر رسالت سے اتنی چڑ تھی کہ ایسی کوئی بات سنتے ہی ان کی بھنویں تن جاتیں، اور خفگی کے اثرات چہرے کے خد و خال مزید بگاڑ دیتے۔ اس عالم میں جو کچھ ارشاد فرماتے، وہ ایک

ایماندار کے لئے بہر حال کسی طور گوارا نہ ہوتا۔

ایسے یاران طریقت، حضرت شیخ الحدیث جیسی فعال صاحب نسبت اور دیدور ہستی کو کیسے برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ مخالفت میں ان حدوں تک پہنچ چکے تھے جو شرافت و شائستگی اور علم و دیانت کی حد ختم ہونے کے بعد شروع ہوتی ہیں، ان دنوں بھی ان کی مخالفت کا لاوا تمام ہلاکت سامانیوں کے ساتھ پھوٹ رہا تھا، اور تمام لوازمات سمیت نقطہ عروج پر تھا، آپ پر قاتلانہ حملے گھر میں نقب زنی اور چوری کی وارداتیں اسی سلسلہ کی کڑی تھیں۔

حضرت شیخ الحدیث ایسے نامساعد اور انتہائی خطرناک حالات میں بھی بڑی جرأت کے ساتھ ثابت قدم رہے، آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی، نہ افسردگی اور پریشانی کا شکار ہوئے، بلکہ اسے عشق کا امتحان سمجھ کر خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے، جیسے راہ کے یہ کانٹے حریر و پرنیاں اور منزل مقصود کو قریب تر لانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ ہوں

چنانچہ آپ منزل مقصود پر پہنچ گئے کامیابی نے آپ کے لئے آغوش وا کر دیئے دربار رسالت کی حاضری آپ کے نزدیک کامیابی کا عظیم تصور تھا، اس لئے اس روز کے خطاب میں آپ کے سوز و گداز میں نمایاں اضافہ ہو گیا جس میں ان لوگوں کی کرم فرمائیوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا، جو مشق ستم کے لئے آپ کی ذات کو منتخب کر چکے تھے اور صبر و استقامت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کامیابی کا بھی ذکر فرمایا!

ارشاد ہوا!

اے لائلپور والو! ہم خوش ہیں کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے، جس کے لئے کئی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں، درماندہ راہی کے لئے اس سے بڑا کوئی انعام نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے دربار میں یاد فرمالیں، ہم جا رہے ہیں، اور خوش ہیں، کہ تمہارا آئی، تم نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر

ہمیں نیچا دکھانے کی کوشش کی، مطعون کرنے کے لئے سازشوں کے جال بچھائے، غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا کا سہارا لیا اور ایسی حرکتیں کیں، جو سنجیدہ و فہمیدہ لوگوں کے شایانِ شان ہی نہیں، مگر ہم نے تمہارا ہر وار جگر پہ سہا، جہاں تک ہوسکا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک کا تحفظ و دفاع کیا، بحمد اللہ ہم اپنے مقصد میں سرخرو ہوئے، سرکار نے ہمیں یاد فرمالیا ہے آپ خوش ہیں اس لئے ہمیں کسی کی رنجش، مخالفت، عداوت اور بغض و حسد کی کوئی پرواہ نہیں۔

تمہارا یہ خیال تھا کہ میں اکیلا ہوں، اس لئے مجھے دبالو گے، لیکن یہ نہ جانا کہ حضور غوثِ اعظم، حضرت غریب نواز، حضور داتا صاحب، حضور پُرنور فاضل جلیل امام احمد رضا رضوان اللہ علیہم ہمارے معاون و مددگار ہیں، اور ان کی نگاہِ کرم اور معاونت کے باعث تم ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

آپ کا یہ پورا خطبہ اتنا پرنور اور حقائق و معارف سے لبریز تھا کہ حاضرین اشکبار ہوگئے۔ اور سمجھنے والے اس روز کسی حد تک آپ کے باطنی مقام سے بھی واقف ہوئے۔

جب یارانِ تیز گام کو یہ پتہ چلا کہ آپ حج و زیارت کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ تو ان کے چہروں پر امید کی کلیاں کھل اٹھیں۔ وہ آپ کی ذات کو دیارِ مقدس میں بھی بخشنے کے لئے تیار نہ ہوئے، بلکہ انتقام کے لئے اس جگہ کو سازگار سمجھ لیا، اور منصوبہ بنایا کہ

اس سرزمین پر نجدیوں کی حکومت ہے، جو شیخ الحدیث کے نظریات کے مخالف ہیں، اس لئے انہیں وہاں جاکر پھنسا لینا کچھ مشکل نہیں، پاکستان میں تو قابو نہیں آتے، مگر حجاز میں جان نہیں بچا سکیں گے۔

چنانچہ لائلپور کے مخالف عناصر تیزی اور منصوبہ بندی کے ساتھ حرکت میں آگئے اور آپ سے پہلے ہی کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

دربارِ رسالت میں پہنچ کر اور گنبدِ خضراء کے انوار کو آنکھوں کے سامنے پاکر

حضرت شیخ الحدیث اپنی ہی دنیا میں گم ہو گئے گیارہ روز تک مدینہ طیبہ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بصد عجز و نیاز حاضر رہے، پھر مناسک حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر پھر دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اور تینتالیس روز تک اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں رہے اور حضوری و حاضری کے مزے لوٹے۔

ستم شعار حضرات نے وہاں بھی آپ کو یکسوئی اور چین کے ساتھ نہ بیٹھنے دیا اور حکومت سعودیہ کے سامنے یہ شکایت کی کہ

"پاکستان سے ایک شخص آیا ہے، جو امام حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اس لئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔"

ایوان حکومت اور محکمہ امور مذہبی کے دفتر میں اس خبر سے ہلچل مچ گئی، چنانچہ آپ کو قاضی کی عدالت میں پیش ہونے کا فرمان جاری ہوا۔

ان لوگوں کی باچھیں کھل گئیں جو اس فتنے کو آگ لگا رہے تھے، اور پر امید تھے کہ اب انکے بچنے کی کوئی صورت نہیں، چنانچہ اس خوش فہمی کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان میں اطلاعات بھی بھیج دیں کہ سردار احمد کو گرفتار کر لیا گیا ہے، اور اب وہ جیل میں ہے چنانچہ سارے پاکستان خصوصاً لائلپور میں اس بے بنیاد خبر اور جھوٹی افواہ کی دل کھول کر تشہیر کی گئی اور یہ تک سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ جب جھوٹ کا پول کھلا تو عوام میں اس کے بارے میں کیا رد عمل ہوگا۔ وقتی تسکین کے لئے انہوں نے ہر خطرہ مول لے لیا۔

جس روز طلبی تھی حضرت شیخ الحدیث اس روز اپنے احباب کے ہمراہ بڑی سج دھج اور رعب و جلال کے ساتھ تشریف لے گئے، دیکھنے والوں کا بیان ہے، اس وقت آپ پر کچھ ملکوتی حسن چھا رہا تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، شاہانہ پہناوے میں نور ولایت نے مخالفوں کے ذہنوں پر ہول طاری کر دیا، باوجودیکہ یہ ان کا منصوبہ تھا کہ جب آپ عدالت میں

جائیں تو کوئی شخص کھڑا نہ ہو، نہ کرسی پیش کی جائے، مگر اس جاہ وجلال اور قدسی صفات واطوار کا انسان، قاضئ عدالت نے اپنی زندگی میں کاہے کو دیکھا ہو گا، جونہی آپ نے ہجوم یاراں میں عدالت کے صحن میں قدم رکھا، وہاں کا رنگ ہی بدل گیا، قاضی صاحب اتنے مرعوب ہوئے کہ بے اختیار کھڑے ہو گئے، ان کی معیت میں ان لوگوں کو بھی کھڑا ہونا پڑا جو پورا ڈرامہ سٹیج کرنے کے ذمہ دار تھے

آپ کی باوقار شخصیت اور دلکش حسن وجمال سے قاضی صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ گفتگو کا اسلوب ہی بھول گئے اور بولے!

" فرمایئے! آپ کس لئے عدالت میں تشریف لائے ہیں؟ "

آپ نے مسکرا کر فرمایا!

" مجھے آنے کی کیا ضرورت تھی، آپ نے خود بلایا ہے، آپ ہی اس کی وجہ بتائیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں "؛ قاضی صاحب کو اپنی غلطی اور لوکھلاہٹ کا احساس ہوا، اسی لئے حواس پر قابو پاکر پوچھا " سنا ہے آپ ہمارے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ "

آپ نے بلا جھجک دو ٹوک جواب دیا!

ان کے نظریات واعتقادات میرے نظریات کے مخالف ہیں، اقتدا نظریات کی ہم آہنگی کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے، جب میں ان کے نظریات کو صحیح نہیں سمجھتا تو ان کی اقتداء کیسے کر سکتا ہوں؟ اسی لئے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا

" آپ کے اور ان کے نظریات میں کیا تضادت ہے؟ " قاضی صاحب نے سوال کیا "وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر عظمت وفضیلت، شان توسل حضور ونظر، سب سے بڑھ کر حیات ہی کے منکر ہیں، حضور کے اہل بیت کرام اور صحابہ کرام کے ساتھ بغض وعداوت رکھتے ہیں جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نبوی قبرستان میں تمام قبریں مسمار کر دی ہیں، ان کا احترام بالائے طاق رکھ کر مزارات گرا دیئے ہیں، اور پورے قبرستان کو ایک

چٹیل میدان بنا کے رکھ دیا ہے۔"

"مزارات، گنبد اور قبے بنانے کا اسلام میں کہاں ثبوت ہے؟ اس لئے اگر گرا دیئے ہیں تو کیا ہوا"

قاضی نے جواب دیا۔

"آپ یہ ثبوت دیں ان تعمیرات سے منع کہاں کیا گیا ہے؟ جو چیز مسکوت عنہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہ ہو، اور دین و شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ اباحت کے دائرے میں رہتی ہے، آپ ان گنبد اور مزارات پر اس سے زیادہ کوئی حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ مباح ہیں اور مباحات کو حرمت کے زمرہ میں داخل کرنے کے لئے آپ کے پاس کونسی سند جواز ہے؟

انسان کے لئے مکان بنانا اپنی رہائش گاہ تعمیر کرنا مباح ہے، اگر عزت و آبرو کی حفاظت مقصود ہو تو کار ثواب بھی ہے، مگر ضرورت سے زیادہ تعمیرات اور ان میں تعیشات کی فراہمی، خواہ مخواہ کے نقش و نگار، جھاڑ فانوس مباح نہیں بلکہ اسراف کے حکم میں آتے ہیں .... آپ کے بادشاہ کے محلات آج کروڑوں ریال کے صرف سے تعمیر ہو رہے ہیں، جو اسراف کے حکم میں آتے ہیں۔ آپ انہیں گرانے کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ ایک ناجائز حرام اور غلط تعمیر کو آپ گوارا کر رہے ہیں، اور جائز تعمیرات کو گرا رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

آپ مزید سنیں!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

لا تجلسوا علی القبور۔ قبر پر مت بیٹھو۔

آپ نے قبر کا اس قدر احترام کرنے کا حکم دیا ہے کہ بیٹھنے ہی کی ممانعت فرما دی ہے مگر آپ قبریں کھودتے، مسمار کرتے اور وہ گنبد اور روضے گراتے ہیں جو اللہ کے نیک بندوں کی عظمت آشکار کرنے کے لئے تعمیر کئے گئے

تھے، اور ان کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ وہاں فاتحہ پڑھنے کے لئے آنے والا دھوپ سے بچکر سکون سے تلاوت کر سکتا تھا، اب جو صورتِ حال ہے وہ ناقابل برداشت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی قبروں پر فاتحہ کے لئے آنے والے دل پر جبر کر کے فاتحہ بعد کو پڑھتے ہیں، اور آنسو پہلے بہاتے ہیں، انہیں شدید دھوپ میں کھڑے ہو کر یہ کام انجام دینا پڑتا ہے، جب یہاں مزارات اور باغات تھے تو زائرین کے لئے بڑی سہولت تھی۔ قبریں ان کی اکھاڑی جاتی ہیں جن سے شدید بغض ہو، ایسا بغض رکھنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا ہم کس طرح گوارا کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کے معنی خیز ارشادات سے قاضی صاحب ششدرہ گئے، صرف اتنا پوچھ سکے:

"یہ کام حکومت نے انجام دیا ہے، اگر یہ ناجائز تھا تو ان مزارات والوں نے اس حکومت کا تختہ ہی کیوں نہ الٹ دیا۔ انہیں یہاں حکومت کرنے کی قدرت کیوں ملی ہے؟ ان نجدی سرداروں کا قابض ہو جانا ہی ان کے برحق ہونے کی علامت ہے"۔ حضرت شیخ الحدیث کا پرجلال چہرہ تمتما اٹھا، علمی وجاہت نے اس میں اور انوار بھر دیئے۔ اس بھونڈے استدلال پر جلال میں آگئے اور بارعب لہجے میں فرمایا:

اہل نجد کو حرمین کی حکومت حاصل ہو جانا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں۔ دیکھو! قرآن پاک نے بنو اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے۔

ضربت علیهم الذلة والمسكنة۔

ان پر ذلت وخواری مسلط کر دی گئی ہے۔

اس کے باوجود انہیں آج ایک خطے میں حکومت حاصل ہو گئی ہے، اس کی آڑ لے کر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ سچے ہیں کیونکہ انہیں ذلت کی بجائے شان وشوکت مل گئی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ صدیوں کے مقابلے میں چند لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اسرائیلی یہودی ہزاروں سال سے ذلیل وخوار چلے آ رہے ہیں اگر کسی حکومت کی پشت پناہی یا سازش سے کچھ عرصہ کے لئے انہیں ظاہری شان وشوکت مل گئی ہے تو وہ صدیوں کی ذلت وخواری کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور نہ ہی اس حکومت کی بدولت وہ سچے سمجھے جا سکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

پانچویں صدی ہجری میں ۵۶۷ھ تک حرمین شریفین میں رافضیوں کی حکومت رہی ہے، انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں یہاں بہت سی قابل اعتراض حرکتیں بھی کیں جن کے پیش نظر امام سیوطی نے ان کے عہد حکومت کو الدولۃ الخبیثہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

اگر حکومت مل جانا صداقت وحقانیت کی علامت ہے تو کیا آپ رافضیوں کو حق پرست قرار دیں گے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے، کعبہ مکرمہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، قلوب واذہان پر انہی کی حکومت تھی، خدا تعالیٰ نے بھی طویل عرصہ انہیں کچھ نہ کہا، کیا آپ اس حکومت اور کعبہ میں موجودگی کی بناء پر انہیں سچا قرار دیں گے؟

اس مدلل تقریر کے سامنے قاضی صاحب بالکل بہوت ہو گئے۔

حضرت شیخ الحدیث نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا!

اصل بات یہ ہے کہ اللہ پاک مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں۔

ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لهم خیر لانفسهم انما نملی لهم لیزدادوا اثما۔ ولهم عذاب مهین

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنھوں نے نافرمانی کی، کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے حق میں بہتر

ہے ہم اس لئے ڈھیل دیتے ہیں کہ گناہ میں اور بڑھ جائیں۔ (اور ان کے دل میں کوئی حسرت نہ رہنے) ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے" نمرود اور شداد کو ساری زمین کی بادشاہت عطا کی گئی تھی، فرعون کو دعوائے خدائی کے باوجود کبھی درد سر بھی نہیں ہوا تھا، ایک کافر کو اس دنیا میں ایسی سہولتیں اور نعمتیں دی جاتی ہیں، ایک مومن قانت جن کا تصور بھی نہیں کر سکتا، یہ سب ڈھیل اور مہلت کے کرشمے ہیں، حکومت و اقتدار اللہ کے ہاں کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور نہ حق و باطل کا معیار ہیں۔ اگر اس دنیا کو بارگاہ خداوندی میں بھی حیثیت حاصل ہوتی تو کسی منکر کافر کو حکومت اور اس کی شان و شوکت نہ بخشی جاتی، پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا۔ امام حسین جیسی ہستیاں ظاہری اقتدار و حکومت سے محروم رہیں۔ اور یزید اقتدار پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ کیا وہ سچا تھا؟

زبردست دلائل اور منہ توڑ جوابات نے، قاضی صاحب کو انگشت بدنداں اور مبہوت کر دیا۔ اور کچھ پیش نہ گئی تو ان لوگوں پر غصہ نکالا، جو اس ذلت آمیز شکست کا سبب بنے تھے، اور حضرت شیخ الحدیث کا بے حد احترام کیا اور معذرت کی کہ آپ کو ناحق تکلیف دی۔

حرم شریف کے جو معمر باشندے تھے جب انہیں اس مقدمہ کا علم ہوا تو آپ کی زیارت کے لئے آئے، اور تمام جزئیات سے آگاہ ہو کر بولے!

کچھ عرصہ پہلے یہاں ایک صاحب پیر جماعت علی شاہ صاحب تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بھی نجدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے معاملہ میں یہی موقف اختیار کیا تھا۔ اور ان کے بعد اب آپ آئے ہیں۔

سارے شہر میں آپ کے علم و فضل، جاہ و جلال، اور عزم و ہمت کی دھوم مچ گئی اور ذلیل و رسوا کرنے کے خواہشمند خود نادم و شرمسار اور ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے اس کے بعد گنبد خضراء کے سائے میں جو آپ کے لمحات اور شب و روز بیتے اس کی کیفیت وہی سمجھ سکتے ہیں، جو لذت حضور سے بہرہ ور اور لطیف نسبت سے شاد کام ہیں

جب آپ واپس پاکستان تشریف لائے، تو ایک بار پھر جھوٹی سازشوں نے جال پھیلانے کی کوشش کی مگر ان کے "تار و پود" خود ہی بکھر گئے اور گنبدِ خضراء والے کی نگاہِ کرم سے ہمارے لائلپور نے آپ کے لئے اپنی محبتیں انڈیل دیں، اور البانہ انداز استقبال کیا، لائلپور کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی۔

باقی مضمون (حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ آپ نے درود تنجینا کو معمول بنا لیا، اور بہت سے مقاصد حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے واپسی کا اشارہ ہوا اور آپ واپس تشریف لے آئے، اس طرح آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کیا، اور حاضری سے شرف یاب ہو کر وطن پہنچے۔

باقی مضمون (حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

اور عناد کا اظہار کیا تھا۔

آپ آخری دم تک ان سے بیزار رہے، اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ الگ جماعت کراتے رہے، جسے اہل نجد نے شدت سے محسوس کیا، مگر آپ کی جلالت و عظمت کے باعث کچھ نہ کر سکے۔



گنبدِ خضرا اور اس کے مکین

فردوس بداماں، غیرت مہر و ماہ، جنت نگاہ، قرار روح و راحت جاں، عشرت قلب حزیں، مرکز انوار و تجلیات اور محبط ملائکہ، وہ مقدس و بابرکت اور منور و معظم قطعہ ارضی ہے جس کے یمن و نور اور بخت رسا پہ، عرش اعظم بھی فخر کرتا اور اس کے حسن و جمال کو پیار سے مسکرا کر دیکھتا ہے۔

وہ سبز، اونچا، عالی شان اور باوقار گنبد، جس کا تصور آتے ہی سچے امتی کے دل کی دھڑکنیں تیز اور دیدار کے لئے ترستی آنکھیں شدت جذبات سے لبریز ہو جاتی ہیں۔

وہ روضہ اطہر، جس کے متعلق ہر نیازمند صاحب دل مسلمان کا نظریہ ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور جس مکین کی محبت و عقیدت ہر امتی کی متاع گراں بہا ہے ؎

در دل مسلم مقام مصطفیٰ ست
آبروئے ما زِ نام مصطفیٰ ست

جو گنبد خضرا اس نرالی آن بان، شان قدسیت، دل کشی اور جمال و رعنائی کے ساتھ دلوں کی دھڑکن اور سانسوں کی خوشبوؤں میں بسا ہوا ہے، اس کی تعمیر، تاریخ، وہاں پیش آنے والے حالات و واقعات اور ان کے پس منظر سے متعلق جامع تفصیلات اس کتاب میں بیان کی گئیں ہیں۔

گنبد خضرا کے محل وقوع، تعمیر کے تدریجی مراحل اور حصہ لینے والے امراؤ سلاطین اور دیگر اہل محبت کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں، وصال نبی سے پہلے کے زمانہ مرض کے حالات، وصال مبارک اور غسل و تدفین کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں، آغوش نبوی میں آرام فرما ہونے کے ناطے حضرت صدیق و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی زندگی کے تابناک گوشے، ان کی سیادت، وصال، غسل اور تکفین سے لے کر روضہ اطہر میں تدفین تک کی جزئیات بیان کی گئی ہیں۔

صبح نور پبلی کیشنز
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37350476
بالمقابل القمر ہاسٹل، بھیرہ 048-6690418
facebook.com/subhenoorpublications
Email: subhenoorpublications@gmail.com